قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا

(الطلاق ۳)

أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِيْ تَوْضِيحِ الْعَقَائِدِ

عقائدِ اہلِ السنّت والجماعت

مسئلہ تقدیر

مؤلف

حضرت مولانا ابوحفص اعجاز احمد اشرفی غفرلہٗ

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

دارُ النّعیم

عمر نادر حق سٹریٹ چیمبر جی روڈ اردو بازار لاہور

فون: ۰۳۰۱۔۴۴۴۱۸۰۵

﴿ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾

(الطلاق ۳)

أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِي تَوْضِيحِ الْعَقَائِدِ

عَقائدِ اہلِ السنّت والجماعت

مسئلہ تقدیر

مؤلف

حضرت مولانا ابوحفص اعجاز احمد اشرفی غفرلہ

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

دار النّعیم

غزنی سٹریٹ چیمبر روڈ اردو بازار لاہور۔ فون ۰۳۰۱-۴۳۴۸۰۵۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِيْ تَوْضِيحِ الْعَقَائِدِ
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (6)
مسئلہ تقدیر

مصنف: مولانا ابوحفص اعجاز احمد اشرفی حفظہ اللہ

صفحات: 432

طبع اول: ربیع الاول 1442ھ/نومبر 2020ء

باہتمام: اعجاز احمد اشرفی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، امامِ اہل سنت، مُحیِ السُّنَّۃِ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۴۳۰ھ)

کے نام

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے بلندیٔ درجات کا باعث بنائے۔ آمین!

اعجاز احمد اشرفی

صفاتِ باری تعالیٰ اور عقائد کے بارے میں مفید کتابیں

1:۔اِیْضَاحُ الدَّلِیْلِ فِیْ بَیَانِ صِفَاتِ الرَّبِّ الْجَلِیْلِ
(صفاتِ باری تعالیٰ اور مسلکِ اہلِ السنت والجماعت)

2:۔صفاتِ باری تعالیٰ اور اکابر علمائے اُمت کے عقائد

3:۔أَلتَّنْزِیْهُ فِی الرَّدِّ عَلٰی أَھْلِ التَّشْبِیْهِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی: أَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی
''استواء علی العرش''

4:۔أَحْسَنُ الْبَیَانِ فِیْ تَنْزِیْهِ اللهِ عَنِ الْجِهَةِ وَالْمَکَانِ
''اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں''

5:۔أَلتَّنْزِیْهُ فِی الرَّدِّ عَلٰی عَقَائِدِ أَھْلِ التَّجْسِیْمِ وَالتَّشْبِیْهِ
(صفاتِ متشابہات اور صحیح اسلامی عقیدہ)

6:۔روشن حقائق اردو ترجمہ: أَلْحَقَائِقُ الْجَلِیَّةُ فِی الرَّدِّ عَلَی ابْنِ تَیْمِیَّةَ فِیْ مَا أَوْرَدَهٗ فِی الْفَتْوَی الْحَمَوِیَّةِ (مصنف علامہ ابن جہبلؒ)

7:۔عِقْدُ الْجِیْدِ فِیْ عَقِیْدَةِ التَّوْحِیْدِ (''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' کا مفہوم و مطلب)

8:۔أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ:
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (1): توحید و صفاتِ باری تعالیٰ

9:۔أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ:
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (2): رسالت

10:۔أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ:
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (3): علاماتِ قیامت

11:۔أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ:
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (4): عالمِ برزخ

12:۔أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ:
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (5): قیامت

13:۔أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ:
عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (6): مسئلہ تقدیر

فہرست

خلاصہ مسئلۂ تقدیر (ازلی پلاننگ)

زندگیاں دو ہیں: اچھی اور بری، آخرت میں مفید اور مضر۔ اور دونوں ازلی پلاننگ کے مطابق ہیں۔ پس لوگ اللہ والی زندگی اپنائیں اور شیطان والی زندگی سے بچیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پیش نظر رکھ کر زندگی گزاریں۔

1 قدر اور تقدیر

قدر (دال کا زبر اور سکون) اور تقدیر ایک ہیں۔ عربی میں قدر استعمال کرتے ہیں اور اردو میں تقدیر۔ اور تقدیر کے معنی ہیں: ازلی پلاننگ (Planning)۔ یعنی وہ اندازہ جو ازل میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے لئے مقرر کیا ہے۔ تقدیر کو ماننا بنیادی عقائد میں شامل ہے، حدیث جبرائیل علیہ السلام میں ہے:

وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔ (مسلم رقم 1-8)

ترجمہ اور ایمان لائے تو اچھی بری تقدیر پر۔

''خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ'' کی ضمیریں ''الْقَدَرِ'' کی طرف راجع ہیں۔ خیر القدر: مفید انداز، اور شر القدر: مضر اندازہ۔ یعنی کس مخلوق کے لئے کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز مضر ہے؟ اس پر ایمان لانا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ضروری ہے۔

2 تقدیر کا مسئلہ آسان ہے

تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے۔ یہ بنیادی عقائد میں شامل ہے، اور بنیادی عقیدہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہوسکتا۔ بنیادی عقیدہ ایسا ہونا ضروری ہے جس کو ہر عام و خاص

سمجھ سکے۔ مگر چونکہ تقدیر کا مسئلہ شمولِ علم کے مسئلہ سے متصل ہے۔ اس لئے دونوں میں فرق نہ کرنے سے بات الجھ جاتی ہے۔ جیسے فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟ اور فاتحہ کا کسی نمازی سے تعلق ہے؟ اگر دونوں میں فرق نہیں کیا جائے گا تو دلائل میں الجھاؤ پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح یہاں معاملہ ہے، تقدیر اور ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز کو محیط ہونا اور ہے، دونوں میں فرق کرلیا جائے تو تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے۔

3 تقدیر کیا ہے؟

جب کوئی شخص بڑا محل بناتا ہے تو پہلے ذہن میں، یا نقشہ نویس (Architecht) سے نقشہ بناتا/ بنواتا ہے۔ پھر اس خاکہ میں رنگ بھرتا ہے۔ اسی طرح بلاتشبیہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنی مخلوقات کے لئے مفید اور مضر چیزوں کا اندازہ ٹھہرایا ہے مگر حیوانات برائے نام اختیار رکھنے والی مخلوقات ہوں گی۔ اور ان کے لئے مفید اور مضر چیزیں ہوں گی۔ درندوں کے لئے گوشت مفید ہوگا، گھاس مضر ہوگی۔ اور چرندوں کے لئے گھاس مفید ہوگی، گوشت مضر ہوگا۔ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو دنیا میں ان کو ضرر پہنچے گا، مگر آخرت میں کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اس لئے کہ ان میں اختیار معمولی ہے، جو مدار تکلیف نہیں بن سکتا۔ اور انسان (مکلف مخلوق) کے لیے پلاننگ یہ ہے کہ وہ غیر معمولی اختیار رکھنے والی مخلوق ہوگی۔ کامل اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ جزوی اختیار تکلیفِ شرعی کے لیے کافی ہوگا۔ اور ان کے لیے مادیات کا اندازہ مقرر کیا کہ گھی مفید ہے اور زہر جان لینے والا۔ اسی طرح معنویات (عقائد و اعمال) کے لیے بھی اندازہ مقرر کیا کہ توحید کا عقیدہ مفید ہے اور شرک مُضر۔ نکاح مفید ہے اور زِنا مضر۔ اول عقائد و اعمال جنت نشیں بنائیں گے اور ثانی جہنم رسید کریں گے۔ اس تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پھر جس طرح انسان مادیات کی حد تک تقدیرِ الٰہی کا پابند ہے، مفید چیزوں کو اختیار کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچتا ہے۔ اسی طرح معنویات میں بھی تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مفید عقائد و اعمال کو اختیار کرے تاکہ آخرت میں اس کا بھلا ہو، اور برے عقائد و اعمال سے بچے تاکہ آخرت میں بیڑا

غرق نہ ہو۔ بس یہ ہے تقدیر! اس میں کیا پیچیدگی ہے!

4 شمولِ علم کا مسئلہ

شمول: عموم۔ اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَة ہیں۔ یہ غیب و شہود ہمارے اعتبار سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز غیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر چیز جانتے ہیں۔ واقعہ رُونما ہونے کے بعد ان کو علم نہیں ہوتا جس طرح ہم کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پیدا ہونے والی مخلوقات اور اُن کے جملہ احوال کو ازل سے جانتے ہیں۔ علم: معلومات سے حاصل ہوتا ہے۔ معلومات: علم کے تابع نہیں ہوتے۔ تاج محل کا علم تاج محل دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ لوگ جیسا تصور کریں ایسا تاج محل مُوجود نہیں ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا علم: وجودِ معلومات کا محتاج نہیں، کیونکہ ان کا علم حضوری ہے، حصولی نہیں۔ اس لیے وہ ازل میں جانتے ہیں کہ فلاں غیر مکلّف مخلوق وجود میں آ کر اپنے معمولی اختیار سے یہ اور یہ کرے گی۔ اور انسان وجود میں آ کر اپنے غیر معمولی اختیار سے یہ اور یہ کرے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا؟ مگر اس جاننے سے ضروری نہیں ہو جاتا کہ انسان وہ کام ضرور کرے۔ ایسا ہونا اس وقت ضروری ہوگا جب معلومات علم کے تابع ہوں، حالانکہ معلومات: علم کے تابع نہیں ہوتے، بلکہ علم خود معلومات سے حاصل ہوتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ ہم علم حاصل کرنے کے لیے معلومات کے وجود کے محتاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کے محتاج نہیں۔

بہ الفاظ دیگر: اللہ تعالیٰ صرف یہی نہیں جانتے کہ فلاں بندہ جنت میں جائے گا اور فلاں جہنم میں، بلکہ اللہ تعالیٰ پوری سیریز (سلسلہ) جانتے ہیں کہ فلاں بندہ اپنے جزوی اختیار سے اس کے خلاف عقائد و اعمال پر مرے گا، اس لیے جہنم میں جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کا علم صرف اجمالی نہیں، تفصیلی ہے۔ پس جو جنت میں جائے گا اپنے عقائد داعمال کی وجہ سے جائے گا، اور جو جہنم میں جائے گا وہ بھی اپنے عقائد و اعمال کی وجہ سے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا ازل سے علم ہے۔

5 تقدیر کی دو جانبیں

دو جانبیں، دو قسمیں نہیں۔ایک جانب اللہ کی طرف ہے، وہ چونکہ شمولِ علم کے ساتھ متصل ہے، اس لیے مُبْرَم (قطعی) ہے، اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، ورنہ اللہ کا علم غلط ہوجائے گا۔ یہ تقدیرِالٰہی لوحِ محفوظ میں لکھی بھی جا چکی ہے۔دوسری بندوں کی جانب ہے، یہ معلق ہے، کیونکہ یہ عدمِ علم کے ساتھ منسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو پورا سلسلہ (آخر تک) معلوم ہے، مگر بندوں کو معلوم نہیں کہ موجودہ حالت کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے۔ اس لیے ان کے اعتبار سے تقدیر بدلتی نظر آتی ہے۔اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کہ صلۂ رحمی سے عمر بڑھتی ہے اور دعا: فیصلۂ خداوندی کو ٹلاتی ہے۔سورت الرعد میں ہے:

آیت 1:۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ (الرعد:39)

ترجمہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں، مٹاتے ہیں، اور جو چاہتے ہیں، برقرار رکھتے ہیں (ایسا بندوں کی جانب میں ہوتا ہے) اور اصل کتاب اُن کے پاس ہے (یہ اللہ کی جانب ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی)۔

فائدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو ''فَفِيمَ الْعَمَلُ'' کا اشکال پیش آیا تھا، وہ تقدیر کے مسئلہ میں پیش نہیں آیا تھا، شمولِ علم کے مسئلہ پر اشکال پیش آیا تھا کہ جب سب جنتی، جہنمی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، تو اب عمل سے کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ یہ اشکال تفصیلی تقدیر پیشِ نظر نہ رکھنے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تفصیلی تقدیر کے حوالے سے جواب دیا:

"اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ"۔ (بخاری رقم 4949؛ مسلم رقم 7-2647)

ترجمہ عمل کرو، ہر شخص کے لیے وہ اعمال آسان کیے جاتے ہیں، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

ے عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں، نہ نوری ہے، نہ ناری

(تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری ج 11 ص 368 تا 370)

پیشِ لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا○أما بعد! أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا○(الفرقان:۲).

اصطلاح شریعت میں تقدیر کہتے ہیں: ''جو کچھ اب تک ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور اسی کے مطابق ہو رہا ہے''۔

جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، وہی ہوتا ہے، جو ان کو منظور نہ ہو، وہ نہیں ہوتا۔

آیت 1:۔فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ○(البروج:۱۶)

ترجمہ اور (اللہ) جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے۔

آیت 2:۔وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○(القصص:۶۸)

ترجمہ تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے، یہ انتخاب ان لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ اللہ پاک ہے اور بہت بالاتر ہے، اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ہر اچھی اور بری چیز اللہ تعالیٰ کے علم اور اندازے کے مطابق ہے، کوئی اچھی یا بری چیز اللہ تعالیٰ کے علم اور ان کے اندازے سے باہر نہیں۔

آیت 3:۔اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ○(القمر:۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

آیت 4:۔وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ○(الصافات:۹۶)

ترجمہ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔

آیت 5:۔ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰٮهَا ۞ (الشمس:۸)

ترجمہ پھراس کی بدی (فجور) اوراس کی پرہیزگاری (تقویٰ) اس پر الہام کردی۔

آیت 6:۔ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ‌ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ۞ (النساء:۷۸)

ترجمہ رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہرحال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: ''یہ اللہ کی طرف سے ہے''۔ اور کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: ''اے نبی! یہ آپ ﷺ کی بدولت ہے''۔ آپ ﷺ کہہ دیں: ''سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے''۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی؟۔

آیت 7:۔ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۞ (یٰس:۸۲)

ترجمہ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

آیت 8:۔ يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

آیت 9:۔ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۞ (البقرۃ:۲۵۳)

ترجمہ مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت 10:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ۞ (المائدۃ:۱)

ترجمہ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

آیت 11:۔ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۞ (یونس:۹۹)

ترجمہ اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ

مومن ہو جائیں؟

آیت 12:۔اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۝ (ہود:۱۰۷)

ترجمہ بے شک تیرا ربّ پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔

جو کام ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے پہلے اس کو سمجھ لیتے ہیں، مکان اگر بناتے ہیں تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تاکہ مکان کی تعمیر نقشہ کے مُطابق ظہور میں آئے۔اس لیے ضروری ہے کہ اس عالم کا نقشہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہلے ہی سے ایک پنہاں وجود رکھتا ہو اور اس نقشہ ہی کے مطابق اس وجود ظاہری کا کارخانہ بنایا گیا ہو۔

اہل اسلام اسی وجود پنہائی کو تقدیر کہتے ہیں اور اس کے مطابق اس کارخانہ عالم کو بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضاء ہے۔اسی کو قضاء وقدر (اللہ کا حکم) کہتے ہیں۔

آیت 13:۔مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا۔ (الاحزاب:۳۸)

ترجمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں رہی ہے، جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

آیت 14:۔بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (البقرہ:۱۱۷)

ترجمہ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔

آیت 15:۔هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۔ (الانعام:۲)

ترجمہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی ،اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔

ان القدر وهو مايقع من العبد المقدّر في الازل من خيره وشره وحلوه

ومرہ کائن منہ سبحانہ وتعالی بخلقہ وارادتہ، ماشاء کان وما لا، فلا.
(والقضاء والقدر): المراد باحدھما الحکم الاجمالی وبالآخر التفصیلی
(شرح ملا علی القاری علی الفقہ الأکبر، ص۷۵)

عقیدۂ تقدیر کو تسلیم کرنے سے انسان مجبور محض نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں صفتِ ارادہ واختیار باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ ہر آدمی کے مشاہدہ میں یہ بات ہے کہ وہ اپنے اختیار سے جو کرنا چاہتا ہے، کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو نہیں کرنا چاہتا، نہیں کرتا۔

وملخص الکلام ما اشار الیہ الامام حجۃ الاسلام الغزالی، وھو انہ: لما بطل الجبر المحض بالضرورۃ وکون العبد خالقا لافعالہ بالدلیل، وجب الاقتصاد فی الاعتقاد وھو انھا مقدورۃ بقدرۃ اللہ تعالی اختراعاً، بقدرۃ العبد علی وجہ اخر من التعلق یعبر عنہ عندنا بالاکتساب۔ (شرح المقاصد: ج۳ ص۱۶۶، ۱۶۷)

ان العبد مختار مستطیع علی الطاعۃ والمعصیۃ، ولیس بمجبور، والتوفیق من اللہ تعالی کما یدل علیہ قولہ تعالی:
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۔ (النساء: ۱۳۶)
(شرح ملا علی القاری علی الفقہ الأکبر، ص۸۶)

عقیدہ تقدیر کی وجہ سے کسی کو یہ سوچ کر ایمان واعمال ترک نہیں کرنے چاہئیں کہ میرے بارے میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے، ہو کر رہے گا، میرے ایمان اور اعمال سے کیا ہوگا؟ کیونکہ:

اولاً: کسی کو علم نہیں کہ اس کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ جب علم نہیں، تو اچھے کام ہی کرنے چاہئیں تاکہ انجام بھی اچھا ہو،

ثانیاً: تقدیر میں جہاں نتائج لکھے ہیں، وہاں اسباب وذرائع بھی لکھے ہیں۔ مثلاً: تقدیر میں اگر یہ لکھا ہے کہ فلاں جنتی ہے، ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ایمان واعمال صالحہ کی وجہ سے جنتی ہے۔

ثالثاً: دنیا کے بارے میں کوئی یہ سوچ کر کہ جو کچھ مقدر ہے وہی ملے گا، اسبابِ حصولِ رزق ترک

نہیں کرتا، آخرت کے بارے میں بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث 1: ۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ، فَقَالَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ". قَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ؟". قَالَ: "اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ، فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى، وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد رقم 1181، 621، 1067، 1110، 1349؛ الادب المفرد رقم 903؛ بخاری رقم 4945، 4946، 4947، 4949، 6217، 6605، 7552؛ مسلم رقم 6-2647، 7-2647؛ ابوداؤد رقم 4694؛ ترمذی رقم 2136، 3344؛ جامع معمر بن راشد رقم 20074؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 146؛ فضائل الصحابة، لاحمد، رقم 1213؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 171، 189؛ مسند البزار رقم 582، 583، 588؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 11614، 11615؛ مسند ابی یعلی رقم 375، 582، 610؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11587، 11588، 11589، 11591، 11592، 11594 (الجامعۃ الاسلامیۃ)؛ ابن حبان رقم 334؛ معجم صغیر رقم 950؛ الاعتقاد بیہقی ج ۱ ص ۱۳۷؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 42، 44، 45، 47، 50؛ شعب الایمان رقم 182؛ شرح السنۃ بغوی رقم 72؛ القدر للفریابی، رقم 39، 40، 42)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''تو کیا ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور سعی و عمل چھوڑ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو ہم سعی و عمل کی دردسر کیوں مول لیں؟)''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! عمل کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ پس

جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے، تو اُس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ پس جو کوئی بدبختوں میں سے ہے، تو اس کو شقاوت اور بدبختی والے اعمالِ بد ہی کی توفیق ملتی ہے"۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

آیت 16:۔ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ○ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ○ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ○ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ○ وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ○ اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی ○ وَاِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی ○ (الیل: ۴ تا ۱۳)

ترجمہ: درحقیقت! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ (تمہاری کمائی الگ الگ ہے)۔ (بعض بخیل ہیں، بعض فیاض اور دریا دل، بعض متقی ہیں اور بعض مُسۡتَغۡنِی، بعض مُصَدِّق اور بعض مُکَذِّب) تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا۔ بھلائی کو سچ مانا، (اور اچھے انجام کو مانا)۔ اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (اس کو ہم راحت کی منزل کا اہل بنائیں گے)۔ اور جس نے بُخل کیا اور (اپنے اللہ سے) بے نیازی برتی (بے پرواہوا)، اور بھلائی کو جھٹلایا۔ اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے، اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لیے اُس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے، اور تقدیرِ الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمالِ خیر کے راستے جائے گا، اور جو جہنم میں جائے گا، وہ اپنی فلاں فلاں بداعمالیوں کی وجہ سے جائے گا۔ پس جنتیوں کے لیے اعمالِ خیر اور دوزخیوں کے لیے اعمالِ بد بھی مقدر/مقرر ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالِاحْتِجَاجُ بِالْقَدَرِ حُجَّةٌ بَاطِلَةٌ دَاحِضَةٌ بِاتِّفَاقِ كُلِّ ذِي عَقْلٍ وَدِينٍ مِنْ جَمِيعِ الْعَالَمِينَ۔ (منهاج السنة النبوية لابن تيميه ج ۳ ص ۵۵)

ترجمہ تمام اہل عقل ودین کے اتفاق سے یہ بات مسلّم ہے کہ بے عملی کے لیے تقدیر سے دلیل پکڑنا باطل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

آیت 17 :۔ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر:۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

اگر چہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر نہیں آیا، مگر اس کا اعادہ بار بار قرآن مجید میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اس کی اہمیت اس بات کی مقتضی ہے کہ اس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دی جائے۔ چنانچہ بعض صحیح حدیثوں میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دی گئی ہے، اور سلسلۂ توحید میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت اور مشیتِ مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس کا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیے۔

حدیث 2:۔ قَالَ: "فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ". قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ". قَالَ: "صَدَقْتَ". الحديث. (مسلم کتاب الایمان رقم 8)

ترجمہ اس کے بعد اُس شخص نے عرض کیا: ''ایمان کے بارہ میں بتایئے؟''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور قیامت کا یقین رکھو۔ تقدیرِ الٰہی یعنی ہر خیر وشر کے مقدم ہونے کو سچا جانو''۔ آنے والے نے عرض کیا: ''آپ ﷺ نے سچ فرمایا''۔

جاننا چاہیے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی مگر پھر بھی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے کہ بعض ان میں متعلق باسرار وحقائق ہیں۔ تدبیر مشروع ہوئی مگر چند شرائط کے ساتھ مشروط کی گئی کہ اصول ان کے ساتھ امر ہیں:

1 وہ تدبیر شریعت کے خلاف نہ ہو۔

2 تدبیر پر بھروسہ نہ ہو، بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رہے۔

3 اگر دنیا کی تدبیر کرے، اس میں آخرت مقصود ہو۔
4 تدبیرِ دنیا میں اس قدر غرق نہ ہو کہ اللہ سے اور اس کے احکام سے غفلت ہو جائے۔
5 صلحاء و علماء کی صحبت ترک نہ کرے تاکہ کدورتِ اسباب اثر نہ کرے۔
6 حقوقِ شرعی ادا کرتا رہے۔
7 ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے ضرورت سے زائد مال و اسباب جمع نہ کرے۔

مسئلہ تقدیر ایک طرف اپنے آثار و مظاہر کے اعتبار سے اس قدر واضح ہے، کہ کوئی انسان اس سے آنکھ نہیں چرا سکتا، اور ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق اور تمام قوتوں سے بالاتر تسلیم کرتا ہے، خواہ مذہباً وہ کسی فرقہ میں داخل ہو، وہ مسئلہ تقدیر سے کسی طرح گریز نہیں کرسکتا۔

دوسری طرف انسان بالطبع حقائق اشیاء تک پہنچنے کی کوشش کرنے کا خوگر ہے، جب اس راہ سے اس مسئلہ میں غور کیا جاتا ہے کہ اس کی کنہ اور حقیقت معلوم ہو، تو بڑے بڑے ماہر و محقق پھسلنے لگتے ہیں، اور اصل وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مسئلہ تقدیر صفاتِ الٰہی کا مسئلہ ہے جس کی پوری حقیقت تک انسانی عقل کی پرواز نہیں اور انسانی عقل و فکر کا مختصر سا دائرہ اس کو سما نہیں سکتا۔

آیت 18:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○

(الانعام:۱۰۳)

ترجمہ نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

ہر مذہب و ملت کے بڑے بڑے محققین نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا، لیکن آخری حقیقت سب کے بیان کی اس سے آگے نہیں بڑھی کہ

کہ حیرت گرفت آستینم کہ "قُم"

اس دورِ الحاد و زندقہ میں اس کی شدید ضرورت تھی کہ اہل عصر کے مذاق اور ذہن و فکر کے مطابق کسی سلیس عنوان سے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قضاء و قدر، حکمت اور تعلیل کا مسئلہ نہ صرف جلیل القدر علماء کو جاننا ضروری ہے، بلکہ ہر

سمجھ دار مکلّف پر اس کا جاننا فرض ہے۔ یہ اسلام کے نہایت اعلیٰ مقاصد سے ہے۔ توحید کی چکی اس کے عین پر چلتی ہے اور وہی اسی سے وابستہ ہے۔ دین کا مبداء اور منتہیٰ یہی ہے۔ یہ ایمان کا ایک ضروری رکن اور اساسِ احسان کی وہ بنیاد ہے جس پر دین کے تمام اُمور کا دار و مدار اور جملہ معاملاتِ دین میں اس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ (شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل، ص ۲)

مسئلہ تقدیر کو روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حضرت أبي بن كعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت أبو هريرة رضی اللہ عنہ، حضرت أبو سعيد الخدري رضی اللہ عنہ، حضرت أبو سريحة العبادي رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت ذو اللحية الكلابي رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصين رضی اللہ عنہ، حضرت عائشة رضی اللہ عنہا، حضرت أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، حضرت سراقة بن جعشم رضی اللہ عنہ، حضرت أبو موسى الأشعري رضی اللہ عنہ، حضرت عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ، حضرت حذيفة بن اليمان رضی اللہ عنہ، حضرت زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ، حضرت حذيفة بن أسيد رضی اللہ عنہ، حضرت أبو ذر رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت هشام بن حكيم رضی اللہ عنہ، حضرت أبو عبد الله رضی اللہ عنہ رجل من الصحابة، حضرت أبو نصر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الله بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان الفارسي رضی اللہ عنہ، حضرت أبو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الله بن الزبير رضی اللہ عنہ، حضرت أبو أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ، حضرت أبو الطفيل رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ وبعض أحاديثهم موقوفة. (شفاء العليل، ص ۱۰)

اہلِ سنت میں اس عقدہ کو حل کرنے والے محققین جنہوں نے مسئلہ کو خود سمجھ کر دوسروں کو نہ صرف سمجھا ہی دیا ہے بلکہ اُسے پانی بنا کر حلق کے نیچے اتار دیا ہے، سلف اور خلف میں بکثرت پیدا ہوئے ہیں اور اپنے اپنے دور میں انہوں نے اس مسئلہ سے متعلق اشکالات کو جو وقت کی پیداوار تھے وقت ہی کی زبان میں سمجھا کر مسئلہ کی محققانہ

تقریریں کیں۔ جیسے سلف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ پھر قرون مابعد میں حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ پھر قرون متاخرہ میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ پھر ان کے اخلاف رشید میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ موسس دار العلوم دیو بند، حضرت مولانا انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بدرعالم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، سابق مہتمم دار العلوم دیو بند، وغیرہ وغیرہ اکابرِ امت ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر زبان وقلم اٹھایا اور مسئلہ کا حق ادا کر کے دوسروں کے حق میں اسے بدیہی بنا دیا۔ ان ہی اکابر کے اخلاف ہیں جو اس مسئلہ کو سمجھا دینے اور اسے صاف کر دینے پر قلم اٹھا سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

یہ کتاب عقائد اہل السنت والجماعت کا چھٹا حصہ ہے۔ اس حصہ میں مسئلۂ تقدیر کو قرآن وحدیث اور اکابر علمائے اُمت کی تحقیقات کے مطابق مسئلۂ تقدیر کو بیان کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں چار (4) ابواب ہیں:

باب 1 مسئلۂ تقدیر

باب 2 تقدیر پر ایمان

باب 3 قرآنِ مجید میں مسئلۂ تقدیر

باب 4 احادیثِ مبارکہ میں مسئلۂ تقدیر

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اسے ذریعۂ نجات اُخروی بنائے۔
آمین ثم آمین!

اعجاز احمد اشرفی عفی عنہ

بدھ 30 جمادی الاوّل 1440ھ، مطابق 6 فروری 2019ء

نظرثانی ہفتہ 22 صفر المظفر 1442ھ/10 اکتوبر 2020ء

باب 1

مسئلہ تقدیر

1 تقدیر

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 1:- اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر:۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو اپنے علمِ کامل سے اس کی تقدیر کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اس میں کسی قسم کی غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ماضی ہے نہ مستقبل، بلکہ روزِ ازل سے لے کر ابد تک سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر طرح کی بھول چوک اور خطا سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ حرفِ آخر ہے، اس میں کمی ہوتی ہے نہ بیشی۔

اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ کرنا کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 2:- وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانعام:۵۹)

ترجمہ اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ

ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کائنات میں ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور بطورِ خاص اللہ تعالیٰ نے درختوں کی مثال دی ہے کہ کسی درخت کا کوئی پتہ ایسا نہیں جو گرے، اور اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ ہو۔ اس آیت میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جو کچھ دریاؤں، سمندروں اور خشکی میں ہے اللہ اسے بھی جانتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں رہنے والی مخلوق کے علاوہ دریاؤں اور سمندروں کی تہ میں پائی جانے والی اشیاء، حتیٰ کہ ریت کے ذرات کی ٹھیک ٹھیک تعداد بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ دریاؤں اور سمندروں سے اُٹھنے والے بخارات کی تعداد، ان بخارات سے بننے والے پانی کے ننھے منے قطروں کی تعداد بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

آیت 3:- اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (لقمان: ۳۴)

ترجمہ قیامت کی گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے، اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ پوری دنیا کے درختوں سے گرنے والے پتوں کو شمار کرنا، دریاؤں اور سمندروں میں ریت کے ذروں تک کا علم رکھنا، بارش کے قطروں کی تعداد کا علم ہونا، تمام دنیا کی مادہ مخلوق کے رحموں میں قرار پانے والے حمل کی جزئیات طے کرنا، ساری مخلوق کے آنے والے دن کی مصروفیات کا احاطہ کرنا، روزانہ مرنے والوں کی تعداد، کیفیت اور جگہ کا تعین کرنا ____ صرف حال ہی نہیں، ماضی اور

مستقبل کے سارے معاملات کی تدبیر کرنا_____ یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیک وقت طے پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ امور طے کرتے ہوئے نہ بھولتے ہیں، نہ چوکتے ہیں:

آیت 4:- لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ۝ (طٰہٰ: ۵۲)

ترجمہ میرا رب نہ چوکتا ہے، نہ بھولتا ہے۔

پھر یہ سارے امور طے کرنا اور اُن کی نگرانی کرنا اللہ تعالیٰ کو ذرّہ برابر تھکاتا یا اُکتاتا بھی نہیں:

آیت 5:- وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝ (البقرۃ: ۲۵۵)

ترجمہ اور اُن (زمین وآسمان اور اُن کی ساری مخلوق کے اُمور) کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ صفاتِ باری کا بیان: عقائدِ اہلِ السنت والجماعت (1): توحید وصفاتِ باری تعالیٰ (7.6) میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے سے قرآن مجید میں بہت سے الفاظ آئے ہیں: "أَعْلَمُ"، "نَعْلَمُ"، "يَعْلَمُ"، "عَلِيمٌ"، "عَلَّامٌ" وغیرہ۔ ایسی آیات کی تعداد کم وبیش تین سو (300) بنتی ہے، اور جن آیات میں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر ہے، وہ ان کے علاوہ ہیں۔

قرآن مجید کی سورت الکہف (60 تا 82) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ حدیث میں یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد حضور اکرم نے ارشاد فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے تمام افعال کی وضاحت پیش کر چکے، تو ایک چڑیا آئی، اس نے سمندر میں چونچ ڈالی، تو حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے:

حدیث 1:- قَالَ: وَجَاءَ عُصْفُورٌ حَتَّى وَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ، ثُمَّ نَقَرَ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: "مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِثْلَ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنَ الْبَحْرِ".

(مسلم رقم 170-2380: مسند حمیدی رقم 375: بخاری رقم 122، 3401: ترمذی رقم 3149: مستخرج ابی عوانہ رقم 5590: ابن حبان رقم 6220: الأسماء والصفات للبیہقی رقم 220، 221)

ترجمہ "اے موسیٰ! میں نے اور تُو نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا ہی علم حاصل کیا ہے، جتنا اس چڑیا نے سمندر سے پانی لیا ہے"۔

حضرت خضر علیہ السلام نے اس مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وسیع علم کو سمجھانے کی ایک کوشش کی ہے، ورنہ سمندر کے پانی کی تو پھر بھی کوئی حد ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے، اس کی کوئی حد نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفت "علیم" کے ساتھ "سمیع" کا تصور بھی کر لیں۔ وہ ساری کائنات کی مخلوق کی آہ و پکار، فریاد و فغاں، توبہ و استغفار، لڑائی جھگڑے، اونچی نیچی ساری آوازیں بیک وقت سُن رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے ہاں لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔ کسی کی بات سننے میں اُسے دشواری پیش آتی ہے نہ کوتاہی ہوتی ہے۔ صفت "سمیع" کے ساتھ اللہ کی صفت "خبیر" بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات، تصورات، آرزوئیں، تمنائیں، حسرتیں، محبت اور شفقت کے جذبات، خلوص اور ایثار کے جذبات، کینہ اور انتقام کے جذبات سے پوری طرح باخبر ہے۔

اپنی لامحدود صفات کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی دوسری صفت میں مانع نہیں ہوتی، کہ اس وقت اللہ سن رہے ہیں، لہٰذا دیکھ نہیں رہے، یا اس وقت اللہ مخلوق کی موت و حیات کے اُمور طے کر رہے ہیں۔ لہٰذا مخلوق کے رزق اور روزی کے معاملات مؤخر کر دیئے گئے ہیں۔ وہ ذات نہ تھکتی ہے، نہ بھولتی ہے، نہ چوکتی ہے۔

آیت 6:۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (الشوریٰ:11)

ترجمہ کائنات کی کوئی چیز اُس کے مشابہ نہیں۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

ایسی علیم و حکیم اور سمیع و بصیر ہستی اگر اپنے لامحدود علم کی بنیاد پر مخلوق کی پیدائش سے قبل یہ لکھ دے کہ فلاں ایمان لائے گا، فلاں ایمان نہیں لائے گا، فلاں میرا فرماں بردار

ہوگا، فلاں نافرمان ہوگا، فلاں متقی اور پرہیزگار ہوگا اور فلاں فاسق اور فاجر ہوگا۔ فلاں نرم مزاج اور رحم دل ہوگا، فلاں سخت مزاج اور سنگ دل ہوگا، فلاں سعادت کی زندگی بسر کرے گا، اور فلاں شقاوت کی زندگی بسر کرے گا۔ تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟!!

اللہ تعالیٰ کا اپنے لامحدود علم کی بنیاد پر مخلوق کی پیدائش سے قبل ان کے اقوال، افعال و احوال کا لکھ لینا ہی تقدیر کہلاتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کا دوسرا نام تقدیر ہے۔

اسلامی جملہ فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، ان سب کا حق تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص۱۲۶، ۱۲۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ أَنَّ اللهَ تَعَالَى عَلِمَ مَقَادِيرَ الْأَشْيَاءِ وَأَزْمَانَهَا قَبْلَ إِيجَادِهَا ثُمَّ أَوْجَدَ مَا سَبَقَ فِي عِلْمِهِ أَنَّهُ يُوجَدُ. فَكُلُّ مُحْدَثٍ صَادِرٌ عَنْ عِلْمِهِ وَقُدْرَتِهِ وَإِرَادَتِهِ. هٰذَا هُوَ الْمَعْلُومُ مِنَ الدِّينِ بِالْبَرَاهِينِ الْقَطْعِيَّةِ، وَعَلَيْهِ كَانَ السَّلَفُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَخِيَارِ التَّابِعِينَ إِلَى أَنْ حَدَثَتْ بِدْعَةُ الْقَدَرِ فِي أَوَاخِرِ زَمَنِ الصَّحَابَةِ. (فتح الباری ج۱ ص۱۱۸ تحت حدیث رقم 50)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء اور زمان و مکان کی تقدیر کو اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی مقرر فرمادی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اسی علم کے مطابق ہر چیز وجود میں آرہی ہے۔ پس دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور ارادے سے ہی ہو رہا ہے۔ یہ تقدیر کا مسئلہ دین کے بنیادی عقائد میں سے ہے جو براہین قطعیہ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ اسی عقیدہ پر تھے، یہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں تقدیر کے انکار کی بدعت کا آغاز ہوا۔

یہ بات بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق جو کچھ ہونا ہے، وہ سب کچھ قیدِ کتابت میں بھی آچکا ہے۔ اب عالم کا ایک ذرّہ اس کے خلاف جنبش نہیں کرسکتا۔ اس لیے بحث یہ پیدا ہوگئی ہے کہ اب انسانی افعال کی حقیقت کیا

ٹھہری؟ کیا اس کو ان میں مجبور سمجھ لیا جائے؟ یا مختار کہا جائے؟ اگر مختار کہا جاتا ہے، تو پھر لازمی طور سے اس میں قدرت اور اختیار کی صفت بھی تسلیم کرنی ہوگی۔ ادھر قدرت اور اختیار تسلیم کر لینے کے بعد پھر قضا و قدر کے سامنے اس کو مجبور کہنے کا مفہوم باطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر مجبور کہہ دیا جائے تو یہ ضروری ہوگا کہ اس میں قدرت و اختیار کی صفت کا بھی انکار کر دیا جائے۔ اس لیے قضاء و قدر کی بحث میں اصل نقطۂ غور و فکر ''افعالِ عباد'' یعنی بندوں کے افعال بن جاتے ہیں۔

اس پر غور کرنے سے قبل جب آپ عالم پر ایک نظر ڈالیں گے، تو آپ کے سامنے دو قسم کی مخلوقات نظر آئیں گی۔ ایک وہ جو اختیار و ارادہ کے بداہۃً مالک نہیں۔ وہ کھلے طور پر قدرتِ الٰہیہ کی مسخر بنی ہوئی ہے۔ مثلاً: آفتاب حرکت کرتا نظر آتا ہے، یا زمین اور ستارے بھی حرکت میں ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اپنے ارادہ سے متحرک نہیں، بلکہ ارادہ و قدرتِ الٰہیہ سے متحرک ہیں۔

دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جو بداہۃً ارادہ و اختیار کی مالک نظر آتی ہے۔ یہ تین قسم کی ہے۔ ایک وہ جو صرف خیر ہی کا ارادہ کرتی ہے۔ شر کا ارادہ کر ہی نہیں سکتی۔ یہ فرشتے کہلاتے ہیں۔ ان کی شان یہ ہے:

آیت 7:۔ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:٦)

ترجمہ یہ فرشتے کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے، اُسے بجالاتے ہیں۔

یعنی جو حکم ان کو ملتا ہے، وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتے، اور صرف وہی کرتے ہیں، جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ یہاں نفی و اثبات دونوں کو جمع کرنے سے اسی مضمون کی تاکید مقصود ہے۔ دوسری مخلوق اس کے برعکس ہے، وہ شر کے سوا خیر کا ارادہ کرتی ہی نہیں۔ یہ شیطان ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو ہر دو نوع کے ارادہ کی مالک ہے، اور دونوں قسم کے ارادے کرتی بھی ہے۔ یہ انسان ہیں۔ انسانوں کی پھر تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا ایمان اور جس کی عقل و معرفت اس کی خواہشاتِ نفسانی پر غالب ہوتی ہے۔ یہ تو ترقی کر کے

فرشتوں سے جاملتا ہے۔ دوسری اس کے برعکس ہے۔ یہ برادرِ شیطان بن جاتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کی عقل اس کی قوتِ شہوانیہ کی مفتوح بن جاتی ہے۔ یہ بہائم اور حیوانات سے ملحق ہو جاتا ہے۔ جس طرح ان جملہ مخلوقات کا وجود محض اللہ تعالیٰ کی بخشائش ہے، اسی طرح اُن کا ارادہ واختیار بھی اسی کا عطا کردہ ہے۔

یہ بات ہم کو تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ بندہ میں اختیار وقدرت کی صفت یقینی ہے۔ اس کا انکار کرنا اپنے بدیہی وجدان کا انکار ہوگا۔ ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اختیاری حرکات اور ایک رعشہ زدہ شخص کی حرکات کے مابین فرق سمجھتا ہے، اور ہرگز دونوں کو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بندہ کا خود وجود اور اِسی کے ساتھ اس کی دیگر صفات کمزور اور ضعیف ہیں۔ اِسی طرح اس کی یہ قدرت اور اختیار بھی ضعیف در ضعیف ہے۔ دیکھیئے، انسان دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔ اس لیے اُس کو شنوا اور بینا کہا جاتا ہے، مگر چونکہ اس کی یہ صفات ضعیف ہیں، اس لیے اُن کی کچھ شرائط بھی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوں تو وہ نہ سنتا ہے، اور نہ دیکھتا ہے۔ پھر ان شرائط کے ساتھ جہاں وہ سنتا اور دیکھتا بھی ہے۔ وہاں بھی کچھ دور چل کر اس کی شنوائی اور بینائی کی دونوں صفتیں معطل نظر آتی ہیں۔ مثلاً: ایک خاص فاصلہ کے بعد نہ وہ کچھ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ مگر کیا اس کی معذوری پر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس میں سمع و بصر کی صفت ہی نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں دو رائیں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ بالاتفاق یہی کہا جائے گا کہ ضرور ہیں، مگر اتنی ضعیف ہیں کہ زیادہ دور چل کر کام نہیں دے سکتیں۔ اگر صفتِ اختیار بھی ایسی ہی ضعیف صفت ہو جس کا کچھ دور تک تو اثر ظاہر ہوتا رہے، لیکن ذرا آگے چل کر اس کا اثر ظاہر نہ ہو، تو کیا اس ضعف کی وجہ سے اس کے وجود ہی کا انکار کر دینا صحیح ہوگا، یا اگر اس کا اقرار کر لیا جائے تو کیا پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ آخر تک اس کا اثر تسلیم کیا جائے۔ پس اگر ہم اپنے اختیار کے اثرات کچھ دور چل کر مضمحل یا معدوم دیکھتے ہیں، تو اس بنا پر ہم کو اپنے بدیہی وجدان کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ہم اپنے بدیہی وجدان کی بنا پر اپنے نفس میں صفتِ اختیار تسلیم کر لیتے ہیں، تو یہ بھی کوئی لازمی امر نہیں ہے کہ پھر اس کے

اثرات آخر تک بھی تسلیم کرتے چلے جائیں۔ اس لیے ہم پوری بصیرت کے ساتھ اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم میں قدرت واختیار کی صفت موجود ہے، مگر ہاں خود اس صفتِ اختیار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے، یعنی اس پر ہم قدرت نہیں رکھتے کہ اس اختیار کو جدھر چاہیں لگا دیں بلکہ ہماری یہ صفت مشیتِ الٰہیہ کے تحت اسی طرح جبری حرکت کرتی ہے جس طرح ایک سنگ انداز کے ہاتھ کا پھینکا ہوا پتھر۔ نہ اس پتھر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس سمت کو چھوڑ کر جدھر سنگ انداز نے اس کو پھینکا ہے، کسی اور سمت چلا جائے۔ نہ بندہ میں طاقت ہے کہ وہ اس جانب کے سوا جس جانب قدرت نے اس کے اختیار کو لگا دیا ہے، کوئی ادنیٰ حرکت کر سکے۔ لہٰذا بندہ جو کرتا ہے، یقیناً اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے، مگر وہ اپنے اختیار سے کرتا وہی ہے جو مختارِ مطلق اس سے کرانا چاہتا ہے۔ پس اس لحاظ سے کہ ہم جو کرتے ہیں اپنے اختیار سے ہی کرتے ہیں، مختار کہلاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ اختیار سے وہی کر سکتے ہیں جو مشیتِ الٰہیہ ہوتی ہے، مجبور کہلاتے ہیں یا بمنزلہ مجبور۔ مگر یہ ایسا جبر ہے جو جبر مطلق سے ممتاز ہے، کیونکہ جبر مطلق میں مجبور کو اپنے ارادہ کے ساتھ مزاحمت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً: اگر کسی مؤمن کو کلمۂ کفر کہنے کے لیے مجبور کیا جائے، تو اگرچہ وہ کلمۂ کفر زبان سے کہہ تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس خارجی جبر کی مزاحمت کا احساس بھی کرتا رہتا ہے۔ یا مثلاً: ایک منافق زبان سے کلمۂ ایمان ادا تو کرتا ہے مگر یہاں بھی ظاہری خوف اس کے باطنی ارادہ کے لیے مزاحم رہتا ہے، لیکن جو چیز یہاں ہے اس کی ارادۂ مجبور کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ انسان جو افعال بھی کرتا ہے، وہ اپنے احساس کے مطابق آزادانہ اور پوری خود اختیاری سے کرتا ہے، حتیٰ کہ اگر تقدیر کا جبر اُس کو بتایا بھی جائے تو وہ اس کو تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے۔ جس طرح یہاں بندہ کا جبر، جبرِ مطلق سے ممتاز ہے، اسی طرح اس کا اختیار بھی مطلق اختیار سے ممتاز ہے کیونکہ وہ جو چاہے اختیار نہیں کر سکتا، بلکہ وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا اختیار مختارِ مطلق نے اس کو دے دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مگر چاہتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرانا چاہتا ہے۔ اب اگر اختیار کے ساتھ کوئی شخص اپنے نفس کو مجبور

کہتا ہے تو کہے، مگر وہ ایسا مجبور ہوگا جو معذور نہیں ٹھہر سکتا۔ پروردگارِ عالم کی خالقیت کا یہ کرشمہ بھی عجیب ہے کہ اس نے ایک مجبورِ محض کو کس حکمت سے ایسا مختار بنا دیا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش میں اپنے احساس کے مطابق ادنیٰ سا جبر بھی محسوس نہیں کرتا ہے حالانکہ جبر کی گرفت اُس پر اِس درجہ سخت ہوتی ہے کہ وہ جنبش کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے پیدا ہوگئی ہے کیونکہ یہاں افعال پر جبر نہیں۔ افعال تو اپنے اختیار سے ہوتے ہیں، مگر خود اس کا اختیار حق تعالیٰ کی مشیت کاملہ کے تحت ہوتا ہے۔ اس لیے اس مختار کو اپنے جبر کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر جبر افعال پر ہوتا، تو ضرور اس کا احساس ہوتا۔ یہ صفت صرف ربِ قدیر کی ہے۔ وہ بندوں کے اختیار پر بھی حکومت کرتا ہے۔ قضاوقدر کے رازہائے سربستہ سب اسی نقطہ میں پنہاں ہیں۔ بندہ مجبور ہوکر اپنے مختار ہونے کا مدعی بھی اسی لیے رہتا ہے کہ اس کو اپنا اختیار ہی اختیار محسوس ہوتا ہے، اور چونکہ اس کو یہاں اپنے ارادہ کے ساتھ کوئی مزاحمت محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے فوقانی جبر کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔ جب جبر و اختیار اس طرح مدغم ہو جائیں، تو پھر اپنے افعال پر مسئول ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کیا ایسا مختار بھی مسئول نہ ہونا چاہیے جو اپنے وجدان میں بھی خود مختار ہو۔ اس فوقانی جبر کا حال تو صرف انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے۔ حیرت ہے کہ یا تو انسان ایک طرف مختارِ مطلق بننا چاہتا ہے، ایسا مختار کہ تقدیر کے جبر کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اور مسلمان ہوکر بھی اس کی تصدیق میں ہزار حجتیں نکالنے کو بیٹھ جاتا ہے۔ اور دوسری طرف جب تقدیر کا جبر تسلیم کرنے پر آتا ہے، تو یہاں بھی اس کی روش معاندانہ ہی نظر آتی ہے، یعنی پھر جزا و سزا میں الجھنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بہت ہی سچا ہے:

آیت 8:۔ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ○ (الکہف: ۵۴)

ترجمہ انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

حالانکہ سوچنا تو یہ چاہیے تھا کہ کیا محکومیت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ محکوم ہمیشہ حاکم کے زیر دست رہے۔ پھر یہاں تو رشتہ صرف محکومیت کا ہی نہیں، بلکہ مخلوقیت کا بھی ہے۔ کیا یہ معقول نہیں کہ یہاں ہمارا غیر مستقل اختیار بھی مختارِ کُل کی مشیت کا محکوم بنا رہے۔

جب یہ معقول بات سامنے رکھی جاتی ہے، تو دنیا شور بپا کر دیتی ہے کہ ہم کو مجبور بنا دیا۔ حالانکہ غور کی بات تو یہ تھی کہ سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ وہ مختار تھا کس دن؟ پھر جتنا کچھ مختار تھا تقدیر نے اس کو ختم کب کیا؟ بلکہ آئینی طور پر، اور تسلیم کر لیا ہے۔ پس یہاں تو یہ احسان کہ ایک معدومِ محض کو شرفِ وجود بخشا۔ پھر اپنی حکمتِ کاملہ سے ایک جمادِ محض (یعنی نطفہ) کو سمیع و بصیر اور مختار بنا دیا۔ ادھر یہ احسان فراموشی کہ شکوہ یہ ہے کہ مختار کو مجبور بنا دیا۔

یہاں ایک مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ تقدیر اور بندہ کے اختیار کو علیحدہ علیحدہ سمجھ کر تقدیر کو بندہ کے اختیار پر حاکم مانا گیا ہے، حالانکہ ہمارا اختیار بھی خود تقدیر کے دائرہ میں شامل ہوتا ہے۔

حدیث 2:۔ اسی قسم کا سوال ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا: ''یا رسول اللہ! امراض میں دوا کا استعمال اور جنگ میں ڈھال کا، کیا خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ یعنی جب ٹال نہیں سکتا ہے تو پھر ان کے استعمال کا فائدہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب کتنا مختصر مگر کیسا تشفی بخش ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ! تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج سمجھتے ہی کیوں ہو؟ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دوا کرو گے، تو شفایاب ہو گے، سپر (ڈھال) استعمال کرو گے، تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے۔ پس ارتکابِ اسباب بھی احاطۂ تقدیر میں داخل ہوہے''۔

(مشکوٰۃ رقم 97)

حدیث 3:۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وباءِ شام کے قصہ میں نقل فرماتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقامِ سرغ کے پاس پہنچے، تو آپ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ شام میں تو وبا پھیل رہی ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تعجب سے فرمایا: ''اچھا، آپ رضی اللہ عنہ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟''۔ یعنی اگر موت مقدر ہو چکی ہے، تو پھر اس واپسی کا فائدہ؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا کیا حکیمانہ جواب دیا۔ فرمایا: ''ابو عبیدہ! اگر دو وادیاں ہوں: ایک سرسبز، اور دوسری خشک۔ بولو، اپنے اونٹ کس میں چراؤ گے؟ اگر سرسبز وادی میں چراؤ، اور یقیناً اسی

میں چراؤ گے، تو کیا یہ تقدیر سے گریز ہوگا، یا یہ بھی اسی تقدیر کے تحت ہوگا؟ اسی طرح میری واپسی کا احاطۂ تقدیر سے باہر کیوں سمجھتے ہو؟ اگر موت کی وادی سے بچ رہا ہوں، تو یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہوگا، جب ہی تو جا رہا ہوں"۔

(مؤطا امام مالک رقم 3329/673؛ بخاری رقم 5729؛ مسلم رقم 98-2219)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاعْلَم أَنَّ الْقدر لَا یزاحم سَببِیّۃ الْأَسْبَاب لمسبباتھا۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ص۱۲۸)

ترجمہ: تقدیر و تدبیر میں جنگ نہیں ہے۔

جنگ تو اس وقت ہوتی جب کہ تدبیر تقدیر کے احاطہ سے کہیں باہر ہوتی۔ اب تو تدبیر بھی تقدیر کا جز بنی ہوئی ہے۔ تقدیر و تدبیر کے مراتب کو اس طرح محفوظ رکھنا یہ علومِ نبوت کا فیض ہے۔ دیکھیے! حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے فرزندوں کو مصر روانہ کر رہے ہیں، تو نظر لگنے کے خطرہ سے تحفظ کے لیے یہ بھی فرماتے ہیں:

آیت 9:۔ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (یوسف:۶۷)

ترجمہ: پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: "میرے بچو! مصر کے دارالسلطنت میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔ مگر میں اللہ کی مشیت سے تم کو نہیں بچا سکتا، حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو، اسی پر کرے"۔

اِدھر شفقتِ پدری نظر سے تحفظ کی یہ تدبیر بھی کرتی جاتی ہے، اُدھر لسانِ نبوت رمزِ تقدیر سے بھی آگاہ کیے جاتی ہے، اور فرماتی ہے: "وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ" یعنی میری یہ تدبیر صرف عالمِ اسباب کی ایک تسلی ہے، جو مقدر ہو چکا ہے، کہیں اُس کو میں ٹال سکتا ہوں۔

یہاں اس پر بھی ذرا غور کیجیے کہ جس کو آپ تقدیر کا جبر سمجھتے ہیں، اُس کی حقیقت ہے

کیا؟ یہی تو کہ قدرت نے اپنے دیئے ہوئے اختیار کو اپنے ہی کنٹرول میں رکھا ہے، یا یہ کہ جو اختیار عطا فرمایا تھا، اُس کو سلب کر لیا ہے۔ پھر اس جبر کا اثر ہے تو کہاں ہے؟ کیا ان اشیاء میں ہے جہاں آپ کو تقدیر سے قبل اختیار حاصل تھا، یا ان میں جہاں پہلے بھی آپ مجبور ہی مجبور تھے۔ اس لیے یوں نہ کہیے کہ تقدیر نے ہم مختاروں کو مجبور بنا دیا، بلکہ یوں کہیے کہ ہم مجبوروں کو ایک محدود پیمانہ پر مختار بنا دیا۔ ایسا مختار کہ وہ اختیار بھی ہماری حیثیت سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک مجبور میں نہیں بلکہ معدومِ محض میں اختیار کا تصور کرنا ہی کب معقول ہے؟ یہ تو مختارِ مطلق کا کرم تھا کہ اُس نے محض اپنے کرشمۂ قدرت سے ایک جماد کو اختیار بخش دیا۔ اور اس کے اس اختیار کے سامنے اپنا جبر ایسا پسِ پردہ کر دیا کہ اس عالم میں اس جبر کا ادراک کرنا مشکل ہو گیا۔

آیت 10:۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (الدہر:۲)

ترجمہ: ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔

ذرا اور دقّتِ نظر سے کام لیجیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارا یہ ناتمام اختیار قائم ہی جب رہ سکتا ہے جب کہ قدرت کا اختیار اُس کے ساتھ لگا رہے۔ اگر قدرت کا اختیار کہیں اِس کی سرپرستی چھوڑ دے، تو ہمارا اختیار خود بخود فنا ہو جائے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ بچہ جب ضد کرتا ہے کہ چلے اور اپنے پیروں ہی پر چلے۔ اس کے والدین جانتے ہیں کہ اس غریب کے پیروں میں خود چلنے کا دم نہیں ہے۔ اس لیے اپنی طاقت سے اس کو چلاتے ہیں اور جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے، اسی طرف چلاتے ہیں۔ اس کا ناتمام اختیار جب اس طرح والدین کے اختیارِ مستقل کے سہارے کام کرنے لگتا ہے، تو اس بچہ کے ارمان تو یوں پورے ہو جاتے ہیں کہ جو اس کی ضد تھی، وہ پوری ہو گئی۔ والدین یوں خوش ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ان کا بچہ خوش ہو گیا، اور اِن کا کچھ بگڑا نہیں۔ اگر کہیں یہ بچہ اس کی ضد کر بیٹھے کہ والدین کی دستگیری کے بغیر خود اپنی ہی طاقت سے چلے، تو ظاہر ہے کہ جتنا فاصلہ اپنے اس ناتمام اختیار کے ساتھ اُس نے

طے کر لیا تھا، یہ بھی طے نہ ہو۔ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ بچہ تو اپنی مشیت بھی رکھتا ہے اور کچھ طاقت بھی۔ اِدھر اُس کے والدین گو طاقت اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں، مگر اپنی مشیت اور اپنی طاقت کو اس بچہ کے تابع بنائے رکھتے ہیں، اور اُدھر ہی اس کو صرف کرتے ہیں جدھر وہ بچہ ارادہ کرتا ہے، مگر خالق کے معاملہ میں بندہ کی مشیت کی ہستی ہی نہیں ہوتی۔ وہ اگر کچھ قدم چل سکتی ہے تو خالق کی مشیت کے سہارے ہی چل سکتی ہے۔

آیت 11:۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (التکویر:۲۹)

ترجمہ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ ربّ العالمین نہ چاہے۔

یعنی تم ارادہ ہی وہ کر سکتے ہو، جو مشیتِ الٰہیہ چاہتی ہے۔ تعجب ہے کہ اتنی محکومیت کے باوجود اگر سطحی نظر ڈالو، تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس عالم میں مشیتِ الٰہیہ ہمارے ارادہ کے تابع بنی ہوئی ہے، اور جو ہم کرنا چاہتے ہیں، وہی وہ پورا کرتی رہتی ہے۔ یہ تمام کرشمہ اسی حکمت کا ہے کہ ہمارے افعال پر قدرت نے جبر نہیں فرمایا، بلکہ خود ہمارے اختیار ہی کو اپنے اختیار میں لے رکھا ہے۔ لہٰذا مجبورِ محض ہونے کے باوجود ہمارا احساس یہی رہتا ہے کہ ہم مختارِ مطلق ہیں، اور اس عالم کے لحاظ سے یہ غلط بھی نہیں، جو جبر یہاں ہے، وہ عالمِ غیب کے لحاظ سے ہے، اور وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اب اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ اس معاملہ میں صرف انبیاء علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کیا جائے۔ یہاں دلائل کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو انسان اپنے ذاتی وِجدان کے بالمقابل اُن کو باور نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسلام نے یہاں صرف تسلیم و رضا کی ایک راہ بتادی ہے۔ حقیقت سے بے خبر بھی نہیں رکھا۔ اس کو پورے طور پر حل کرنا چونکہ ہمارے بس سے بالاتر تھا، اس لیے بحث کرنے سے بھی روک دیا۔

آیت 12:۔ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ

ہدایت جو تمہارے ربّ نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

بالفاظِ دیگر اس مضمون کو یوں سمجھئے کہ بعض مرتبہ شے کا وجود ہی اتنا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے کہ وہ خود بخود قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کے وجود کی کُل حقیقت ہی اتنی ہوتی ہے کہ کسی موجودِ حقیقی کے ساتھ اُس کو کوئی صحیح نسبت لگی رہے، اور اس لیے اس کا وجود بھی اسی وقت قائم رہتا ہے جب تک یہ نسبت قائم رہتی ہے۔ جہاں یہ نسبت ختم ہوئی، اس کا وجود بھی ختم ہوا۔ دیکھو، دن میں دھوپ کی تمازت و تیزی کا کیا عالم ہوتا ہے۔ موسمِ گرما میں فضائے عالَم گویا کرۂ نار بنی ہوئی نظر آتی ہے، مگر جہاں آفتاب نے غروب ہونے کے لیے رَختِ سفر باندھا، اسی کے ساتھ ساتھ حرارت کے آثار بھی مضمحل اور مدھم پڑنا شروع ہوئے۔ ادھر آفتاب غروب ہوا، اِدھر یہ آثار بھی معدوم ہوئے۔ وہی فضا جو ابھی ابھی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی، ایک دم میں تیرہ و تاریک بن گئی۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہاں آفتاب نے کچھ ظلم کیا ہے کہ ہماری یہ بزم کی ساری رونق اپنے ساتھ ہی لُوٹ کر لے گیا۔ نہیں، نہیں، حقیقت یہ ہے کہ عالم کی فضا پہلے سے تاریک ہی تھی، جو نُور اس کو عطا ہوا تھا، یہ آفتاب ہی کی سخاوت تھی۔ مگر کیا کیا جائے کہ اس میں استعداد ہی اتنی تھی کہ جب تک اُس کی نسبت آفتاب کے ساتھ درست رہے، وہ روشن رہے، اور جب یہ نسبت ختم ہونے لگے، تو اس کا وجود بھی معرضِ خطر میں نظر آئے۔ یہاں اس فضا میں اتنی سکت ہی نہیں کہ اس کا بخشا ہوا نُور تھوڑی سی دیر کے لیے جذب ہی کیے رہے۔ چار و ناچار نتیجہ یہ نکل کر رہتا ہے کہ اس کی اصل مظلم و تاریک شکل پھر عود کر آتی ہے۔ اس میں آفتاب کا ظلم کیا ہے؟!! جتنی دیر فضا منور رہی، یہ اُس کا کرم تھا، اور جب مکدر و مظلم ہوئی تو یہ خود اس فضا کا اپنا ہی قصور ہے۔ اسی طرح ممکنات کی حقیقت وجود سے معریٰ اور خالی ہے۔ جو عارضی وجود اُن کو ملا ہے، یہ خالقِ کُل کا عطا کردہ ہے۔ اب سوچیئے کہ ایسے موجود کی صفات کا حال کیا ہوگا؟ اسی سے اس کی صفتِ اختیار کو بھی قیاس کر لیجیئے۔ پس اُس کا اگر وجود قائم ہے تو اسی موجودِ حقیقی کے انتساب سے قائم ہے۔ اور اگر اس کا اختیار ہے تو بھی اسی کے اختیارِ مطلق کے زیرِ سایہ رہ کر ہے۔ حق تعالیٰ عالَم کو پیدا فرما کر اس سے علیحدہ نہیں ہو گیا، بلکہ اسی نے پھر اس کی ہستی کو برقرار

رکھ چھوڑا ہے۔ اگر اس کی یہ نگرانی نہ رہے، تو اُسی آن میں سارا عالم درہم برہم ہو جائے۔ اسی وجہ سے اُس کا نام قیوم بھی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت13:۔ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ (فاطر:۴۱)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دُوسرا اُنہیں تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔

پس جب ممکنات کا نفسِ وجود ہی اتنا ضعیف ہو کہ موجود ہونے کے بعد آئندہ اپنی بقا کے لیے بھی سہارے کا محتاج رہے، تو پھر کیا اس کی صفات مستقل ہو کر قائم رہ سکتی ہیں۔ ظل (سایہ) کی کیا مجال کہ اپنی اصل سے مستغنی ہو سکے۔ ناواقف اَظلال (سایوں) کی طوفان خیز حرکت کو دیکھتا ہے تو ان حرکات کا خالق اِن اَظلال (سایوں) ہی کو سمجھنے لگتا ہے۔ واقف خوب جانتا ہے کہ ان میں کیا رکھا ہے؟ یہ سب بے حقیقت ہے، جو کچھ ہو رہا ہے، یہ حرکاتِ اصل ہیں جو اَظلال میں بطریقِ عکس نمایاں ہو رہی ہیں۔ اگر یہ اظلال اپنے اصول کے استقلال کی درخواست پیش کرنے لگیں، تو یہ کیسی نادانی ہو گی؟ ظاہر ہے کہ خیریت اسی میں ہو گی کہ یہ سب درخواستیں مسترد کر دی جائیں، ورنہ ظاہر ہے کہ ظلال کی حقیقت ہی اتنی ضعیف ہے کہ ان کا استقلال بس یہی ان کی فنا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جب چیونٹی کے پَر نکلنے لگتے ہیں، تو اس کے فنا کا زمانہ قریب ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض سلف کا مقولہ ہے:

قال بعض السلف: "والله! ما أحب أن يجعل أمري إلي، إنه إذا كان بيد الله خيرا من أن يكون بيدي".

(شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر. لابن قيم الجوزية. ص٢٦)

ترجمہ اللہ کی قسم! میں اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت رکھنا اس سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنی قدرت میں رکھوں۔

غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جبر کا سوال نہ تو تقدیر سے متعلق ہے، نہ پروردگارِ

عالم کے عدل سے، بلکہ یہ ذاتِ ممکن کا خود اپنا ہی قصور ہے۔ جب یہ قصور خود اپنی حقیقت کا ہے تو پھر اس کے ازالہ کی فکر بھی عبث ہے۔

اتنی طویل بحث کے بعد بھی یہ مشکل پھر جوں کی توں رکھی ہوئی ہے کہ انسان اپنے وجود کو ضعیف سمجھے کیوں کر؟ وہ اپنے نفس ہی کو موجودِ حقیقی سمجھتا ہے۔ اور جس کی خبر انبیاء علیہم السلام دیتے ہیں، اس کو آنکھوں سے دیکھتا نہیں۔ اگر کہیں اس کو دیکھ لیتا ہے، تو مسئلۂ تقدیر اسی وقت بدیہی بن جاتا ہے۔ اب نہ قیامت سے قبل موجودِ حقیقی کا دیدار ممکن ہے۔ بس یہاں صحیح راستہ ایک ہی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر خالق کا وجود مان لیا گیا ہے، اسی طرح اُن ہی کے اعتماد پر خالق کی تقدیر پر بھی اعتماد کر لیا جائے۔

2 تقدیر کا دائرہ

کائنات خواہ ارضی ہو، یا سماوی، اس کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں۔ اور تقدیر صرف اجمالی نہیں، بلکہ تفصیلی ہے یعنی تقدیر میں صرف مسببات و معلولات ہی نہیں بلکہ ان کے اسباب و علل بھی ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: ''وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم (دکھ درد میں) کرواتے ہیں، اور وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز (اور بچاؤ کی تدبیریں) جن کو ہم اپناتے ہیں، کیا یہ چیزیں قضاء وقدر کو ٹال سکتی ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں''۔

یعنی ہم جن مقاصد کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کو اختیار کرتے ہیں وہ سب اللہ کی تقدیر کے ماتحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی، اور وہ فلاں جھاڑ پھونک یا فلاں دواء کرے گا جس سے وہ اچھا ہو جائے گا۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ، أَوِ الْكَيْسِ وَالْعَجْزِ. (مسلم رقم 18-2655)

ترجمہ "ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ (ناقابل) ہونا اور ہوشیار ہونا"۔
یعنی آدمی کی صفات: قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت وعدم صلاحیت، اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ پس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ سب اللہ کی قضاوقدر کے ماتحت ہے۔

اسی طرح مکلف مخلوقات کے جملہ احوال بھی قضاء وقدر کے دائرہ میں ہیں، یعنی یہ طے کردیا گیا ہے کہ جن وانس ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوقات ہوں گی اور ان میں سے فلاں فلاں اپنے کسب و اختیار سے یہ عمل کر کے جنت میں جائیں گے اور اتنے افراد یہ عمل کر کے جہنم میں جائیں گے۔ اور دیگر مخلوقات کے لئے جزوی اختیار نہیں ہوگا۔ اس لیے وہ پاداشِ عمل کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گی۔ غرض سب احوال اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ تقدیرِ الٰہی میں طے شدہ ہیں۔

3 تقدیر کی ضرورت

اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہیں، وہ جو چاہیں کائنات میں تصرف کرسکتے ہیں، اور وہ اپنے چاہنے میں کسی کے پابند نہیں، وہ اپنی مشیت میں ہر طرح آزاد ہیں مگر یہ ان کا مخلوقات پر فضل وکرم ہے، اور انسان کے لیے، جس کو خلافتِ ارضی سونپی گئی ہے، ضروری بھی ہے کہ انھوں نے اپنی مشیت کو آزاد اور بے قید نہیں رکھا، بلکہ ہر چیز کو تقدیرِ الٰہی سے وابستہ کردیا ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات طے شدہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو انسان بڑی الجھنوں میں پڑ جاتا، اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا کہ وہ کیا کھائے، اور کیا نہ کھائے، کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں۔ اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے کیا آثار پیدا کریں گے، کیونکہ آثار ونتائج طے شدہ نہیں۔ اس طرح وہ اندھیرے میں رہتا کہ وہ کون سی زندگی اپنائے، جس سے مولیٰ خوش ہو، اور کیسی زندگی اپنانے سے احتراز کرے کہ مولیٰ ناخوش نہ ہو۔، وہ ہمیشہ شش وپنج میں مبتلا رہتا، کوئی فیصلہ نہ کرپاتا، کیونکہ کوئی بات طے شدہ نہیں۔ اور اب جب کہ ساری باتیں طے کردی گئیں ہیں انسان ہر چیز کے متعلق آسانی سے فیصلہ کرسکتا ہے۔ عقل کی روشنی یا معمولی راہنمائی

بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کے بارے میں عقل سے کام لینے کی اور اس میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی اور کائنات کے لئے کوئی قانون اور نظام ہی نہ ہوتا، اور یہ سب کچھ بے قید مشیتِ ایزدی کی کرشمہ سازی ہوتی، تو پھر ان میں غور وفکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر کوئی غور وفکر کرتا بھی، تو اس کا حاصل کیا ہوتا؟! (رحمۃ اللہ الواسعہ، 662:1)

4 تقدیر کا مسئلہ آسان ہے

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے، اس میں کچھ پیچیدگی نہیں، یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث کی طرح نہیں ہے جس کا راز آج تک کوئی نہیں پاسکا، نہ آئندہ پاسکے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں شامل ہے۔ تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، اور ایمان کا مکلف ہر عاقل وبالغ ہے۔ اور سب لوگوں کی عقلیں یکساں نہیں۔ پس کوئی ایسا مسئلہ ایمانیات میں کیسے شامل کیا جاسکتا ہے جو ہر ایک کے لئے قابل فہم نہ ہو، ورنہ بعض لوگوں کے حق میں تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی، جو باطل ہے۔ پس لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ تقدیر کا مسئلہ ہر کس وناکس کے لیے قابل فہم ہے، کیونکہ یہ کوئی دقیق مسئلہ نہیں۔ اور حدیث شریف میں جو تقدیر کے باب میں تنازع کی ممانعت آئی ہے، اور اس معاملہ میں تنازع کی وجہ سے امم سابقہ کے ہلاک ہونے کا ذکر آیا ہے، اس میں تنازع سے بحث ومباحثہ سے مراد ہے، اور قضاء وقدر میں بحث ممنوع اس لیے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں بحث ہے، کیونکہ قضاء وقدر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اور صفات میں بحث: ذات میں غور وفکر ہے، اور خالق میں غور کرنے کی ممانعت ہے۔

اور سابقہ امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد ان کی گمراہی ہے۔ قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت پیدا ہوگئیں جب انھوں نے اس مسئلہ کو بحث کا موضوع بنایا اور تاریخ شاہد ہے کہ امتِ محمدی میں بھی اعتقادی

گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔ (معارف الحدیث 1:175)

5 تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟

تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے:

پہلی وجہ: یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ درحقیقت صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے، اور صفاتِ الٰہیہ کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کی تمام حقیقت سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ صفات کے باب میں ایک حد پر پہنچ کر رک جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح تقدیر کے مسئلہ میں بھی ایک حد پر رکنا ضروری ہے مگر لوگ رکتے نہیں، وہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات صفات کے تعلق سے ممکن نہیں۔ یہ بات درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے'' (بس تقدیر کا مسئلہ اتنا ہی ہے)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''پس کیا ہم اس نوشتہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں؟ اور عمل چھوڑ نہ دیں؟!''۔ (یہ تقدیر کے مسئلہ پر اٹھنے والا سوال ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمل کیے جاؤ، ہر ایک کے لیے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، نیک بخت کو نیکی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور بد بخت کو بدبختی کے کاموں کی۔ اور دلیل میں آپ ﷺ نے سورۃ اللیل کی آیات (۵-۱۰) پڑھیں۔ (مشکوۃ رقم 85)

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کو عمل میں لگایا ہے، کیونکہ قضاء وقدر کے مسئلے کو جس حد تک آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اسی حد تک سمجھا جا سکتا ہے، اس سے آگے کی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس حد پر رُک جانا ضروری ہے۔ تمام صفاتِ خداوندی کا یہی معاملہ ہے۔

رہی یہ بات کہ تقدیر کا مسئلہ صفاتِ الٰہیہ کا مسئلہ کیسے ہے؟ یہ بات اس سے واضح ہے کہ عرف میں قضاء وقدر ایک ساتھ بولتے ہیں، یہ دو مترادف لفظوں کا عطفِ تفسیری

کے ساتھ استعمال ہے، اور قضاء کا صفتِ الٰہی ہونا قرآن کریم میں بیسیوں جگہ مصرح ہے، مثلاً:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی۔

اور

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝ (الاحزاب:38)

ترجمہ اور اللہ کا علم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہے)

ان آیات سے قضاء وقدر کا صفتِ الٰہی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ: ہماری صفات مفہوم کے اعتبار سے ہماری ذات سے زائد (مغائر) ہیں اور وجود کے اعتبارت متحد۔ اسی طرح ہماری متعدد صفات اپنے مفاہیم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مگر سب ذات کے وجود میں شامل ہیں، یعنی صفات: ذات کے ساتھ مل کر ایک اکائی بناتی ہیں، یہی حال بلاتشبیہ ذات رب اور صفاتِ الٰہی کا ہے۔ اور ہر صفت کا اپنا ایک دائرہ ہے، جیسے صفت سمع کا دائرہ الگ ہے، اور صفت بصر کا الگ، مگر کبھی ایک صفت کے دوسری صفت پر اثرات پڑتے ہیں۔ اگر ان سب باتوں کو باریک بینی سے ملحوظ نہ رکھا جائے تو حقائق فہمی میں دشواری پیش آئے گی۔ مثلاً: خداوند قدوس کے تعلق سے اگر تقدیر معلق کا قائل ہوا جائے تو شمول علم کے مسئلہ پر اس کا اثر پڑے گا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کا علم عام وتام نہیں، حالانکہ شمول علم کے مسئلہ میں آج تک کسی فرقہ نے اختلاف نہیں کیا، اس طرح بندوں کو ان کے اختیاری اعمال میں مختار کل مانا جائے تو عمومِ قدرت کے مسئلہ پر اثر پڑے گا۔ ماننا پڑے گا کہ کچھ چیز میں اللہ کے اختیار میں نہیں، بندوں کے اختیار میں ہیں۔ توبہ۔ ایسی حماقت بھری بات کون مان سکتا ہے؟!

اسی طرح لوگ قضاء وقدر کے مسئلہ کو شمول علم کے مسئلہ کے ساتھ رَلا دیتے ہیں (خلط ملط کر دیتے ہیں)۔ وہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ہے، تو ویسا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ کا علم غلط نہیں ہوسکتا، پھر بندے بااختیار کیسے

ہوئے؟ وہ تو مجبور ہو گئے! حالانکہ سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر ازل میں سب چیزوں کو طے شدہ نہیں مانیں گے تو شمول علم کی بات غلط ہو کر رہ جائے گی، جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا علم محیط ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہو، ورنہ اللہ کو ان کا علم کیسے ہوگا؟ غرض صفات کے دائرے الگ الگ ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اور ایک صفت کے دوسری صفت پر پڑنے والے اثرات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے تقدیر کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی ج5 ص479_483)

6 تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے

جاننا چاہئے کہ تقدیر پر ایمان لانا معرفتِ خداوندی کے لئے ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تمام صفات کے ساتھ ماننا ضروری ہے، اور اللہ کی صفات میں قضاء وقدر بھی ہیں مگر تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ معرفتِ خودی ضروری ہے، یعنی اپنا مقام ومرتبہ پہچاننا بھی ضروری ہے، کیونکہ ہم بندے ہیں، بندگی ہمارا وصفِ خاص ہے۔ پس اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر: معرفتِ خداوندی کے لیے ضروری ہے اور اپنی جانب سے تقدیر پر نظر: معرفتِ خودی کے لیے ضروری ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق بنایا ہے۔ پس ہمیں اپنے اختیار سے اپنے لیے مفید کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے اختیار سے اپنے لیے مضر کاموں سے بچنا چاہئے، تاکہ آخرت میں ہمارے لئے جو مفید گھر ہے یعنی جنت وہ ہمیں ملے، اور جو مضر جگہ ہے یعنی جہنم، اس سے ہم بچ جائیں۔ قضا وقدر کے بارے میں وارد احادیثِ مبارکہ کو پڑھتے وقت یہ نکتہ خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہئے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشکال پیش آیا۔ یہ اشکال ان کو اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نظر اس طرف پھیری کہ ہم بندوں کو اپنی جانب سے تقدیر کو دیکھنا چاہئے، یہی تدبیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔

ترجمہ اپنے اختیار سے اچھے عمل کرو۔ ہر انسان کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے (یعنی دوسرے عمل کا تصور ہی نہیں کرسکتا)۔

7 انسان مختار ہے یا مجبور؟

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے یہ اعمال آیا ہمارے ارادہ واختیار سے ہیں؟ یعنی اُن کے صدور میں ہمارے اختیار وارادہ کا کچھ دخل ہے؟ یا ہم بالکل مجبورِ محض اور مضطر ہیں؟ یہ سوال اس لئے ہورہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف ایک ذرّہ بھی نہیں ہل سکتا، ہر شخص وہی عمل کرسکتا ہے اور کرے گا جو علمِ الٰہی میں پہلے سے مقرر اور طے شدہ ہے، تو پھر بظاہر عامل اپنے عمل میں مجبور ومضطر ہوا، اور عامل کے اپنے ارادہ واختیار کو کوئی دخل اس کے صدور میں نہ رہا۔ گویا بندوں کے سارے افعال اضطراری ہوگئے، لیکن فی الحقیقت یہی بات غلط ہے کہ علمِ الٰہی کی وجہ سے عامل کا ارادہ واختیار سلب ہوجاتا ہے۔ بیشک ہر چیز ٹھیک اسی طرح وقوع پذیر ہوگی جو علمِ الٰہی میں ازل سے طے شدہ ہے، ایک رتی برابر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا، مگر یہ علمِ الٰہی ازلی ہمارے ارادہ واختیار کو پھر بھی سلب نہیں بلکہ اُلٹا اس کو اور زیادہ مستحکم کرتا ہے، کیونکہ علمِ الٰہی میں مثلاً ہمارے افعال واختیار کے متعلق یہ طے شدہ ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ واختیار سے فلاں عمل فلاں وقت میں کرے گا، اس لیے یہ ضروری اور لازم ہوگا کہ وہ شخص اپنے ارادہ واختیار ہی سے وہ عمل انجام دے، ورنہ ایک چیز کا علمِ الٰہی کے خلاف واقع ہونا لازم آئے گا جو محال ہے۔

علمِ الٰہی میں کسی عمل کے مقرر ومتعین ہونے کی وجہ سے عامل کا مسلوب الارادہ والاختیار ہونا (ارداہ اور اختیار کا سلب ہونا) ایک اور حجت (دلیل) سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے افعال واعمالِ عباد کے متعلق بحث کو ملتوی رکھیئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ کے جو کچھ افعال وتصرفات ہمہ وقت اس کائنات میں مشاہد ہیں وہ سب اس کے علمِ قدیم محیط میں پہلے سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو جہل لازم آتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خود اللہ تعالیٰ جو کچھ افعال اس دنیا میں کرتے

ہیں وہ سب علم قدیم میں پہلے سے طے شدہ ہیں، کیونکہ جہل ممتنع ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل اس کے علمِ ازلی محیط کے خلاف ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ظاہر و مسلّم ہے، تو یہاں بھی وہی بحث آگئی جو تم افعالِ عباد کے متعلق کررہے تھے، کہ جب علمِ قدیم سے خلاف نہیں ہوسکتا، تو عاملِ اپنے عمل میں مجبور و مضطر ہوگا، اس بناء پر تو یہ لازم آتا ہے کہ بندے تو رہے ایک طرف خود اللہ تعالیٰ بھی فاعل ومختار نہ ہو، تم تو افعالِ عباد کی فکر میں تھے، یہاں خود افعالِ باری کا اضطراری ہونا آگیا۔

پس ثابت ہوا کہ کسی فعل کے ساتھ علمِ الٰہی کے متعلق ہونے سے فاعل کا مضطر اور مسلوب الارادہ ہونا لازم نہیں، خواہ وہ فاعل اللہ تعالیٰ ہو یا بندے ہوں۔ تو اصل بات یہی ہے کہ علمِ ازلی قدیم عامل کے ارادہ واختیار کی نفی نہیں کرتا۔ اسے ایک ناتمام سی مثال سے سمجھئے۔ آپ جانتے ہیں کہ ریل گاڑیوں کی آمد و رفت تا بحدِ امکان طے شدہ ٹائم ٹیبل کے بالکل موافق و مطابق ہوتی ہے لیکن کیا اس ٹائم ٹیبل کو ریل کے چلنے اور اس کی حرکت میں ذرا سا بھی دخل ہے۔ ظاہر ہے کچھ بھی نہیں۔ تو مسئلہ سمجھنے کے لیے علمِ الٰہی کو بطور ٹائم ٹیبل کے تصور کریں۔ فرق یہ ہے کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ محیط و کامل نہیں، وہ لوگ محض قواعد واصول کی بنا پر طے کرلیتے ہیں کہ فلاں اسٹیشن پر گاڑی فلاں وقت پہنچے گی، ان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ کسی دن درمیان میں لائن ٹوٹ جائے گی، یا انجن خراب ہوجائے گا، یا اور کوئی حادثہ پیش آئے گا، اس لیے گاڑی لیٹ ہوجائے گی۔ اس قسم کے عوارض وموانع جزئیہ کا علمِ محیط ان کو نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا کبھی کبھی ان عوارض وحوادث کی بنا پر ان کے طے کیے ہوئے ٹائم ٹیبل سے آگے پیچھے ہوجانا ناگزیر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ تمام جزئیات پر ہُو بہ ہُو اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ محیط ہے۔ لہٰذا ذرہ برابر بھی اس کے علم سے تخلّف نہیں ہوسکتا۔ فرض کرو کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کو بھی اگر ایسا ہی علمِ محیط حاصل ہوتا، تو تخلف ہرگز نہ ہوتا۔ بہر حال یہاں تشبیہ دیتے وقت تخلف وعدم تخلف کی بحث نہیں، بلکہ تشبیہ صرف اتنی بات میں ہے کہ انجن کی حرکت اور اسٹیم کے فعل میں اس ٹائم ٹیبل کو کوئی مدخل نہیں۔ انجن تیل یا

بجلی کی طاقت اور اپنی حرکت سے ڈرائیور کے ارادہ کے موافق چلتا ہے۔ ٹائم ٹیبل کا اس حرکت کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علمِ قدیم، عامل کی قدرت و اختیار کو سلب نہیں کرتا، بلکہ علم تو معلوم کے تابع ہوتا ہے کیونکہ علم اس معلوم کے صحیح انکشاف ہی کا نام ہے، معلوم کے واقع ہونے میں علم کا کوئی دخل نہیں۔

8 تقدیر کے جبری اُمور

لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی سے آئے، نہ اپنی خوشی چلے

اعمال کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو محدود اختیار دیئے ہیں جن کی بنیاد پر اسے جزا یا سزا دی جائے گی لیکن ہماری زندگی کے بیشتر امور ایسے ہیں جن کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے فرماتے ہیں۔ ان میں ہمارے ارادے، آرزو یا کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا مثلاً:

۱ کسی کا مذکر یا مؤنث پیدا ہونا۔
۲ کسی کا صحیح سالم یا معذور پیدا ہونا۔
۳ کسی کا خوب صورت یا بدصورت پیدا ہونا۔
۴ کسی کا ذہین یا کند ذہن پیدا ہونا۔
۵ کسی کا گورا یا کالا پیدا ہونا۔
۶ کسی کا صبح، دوپہر، شام یا رات کو پیدا ہونا۔
۷ کسی کا مشرق یا مغرب میں پیدا ہونا۔
۸ کسی کا بیماری یا حادثاتی موت مرنا۔
۹ کسی کا سفر یا حضر میں مرنا۔
۱۰ کسی کا یتیمی کی حالت میں پیدا ہونا وغیرہ۔

غرض! ہماری زندگی کے بے شمار امور ایسے ہیں جن میں ہماری کسی آرزو، ارادے یا کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کے لیے جو مناسب سمجھتے ہیں

لکھ دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ فیصلے بلاسوچ سمجھے کسی اندھی تقسیم کا نتیجہ ہیں یا یہ فیصلے پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت کیے جاتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے بلاشبہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمت کے تحت ہی کیے جاتے ہیں جن میں انسانوں کے لیے خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے، خواہ وہ انسانوں کے علم میں آئے یا نہ آئے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ایک نام ''حَكِيمٌ'' بھی ہے۔ ''حکیم'' اس دانا ہستی کو کہتے ہیں جو حکمت اور دانائی کی وہ باتیں جانتی ہو جو دوسرے نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کے اس صفاتی نام کے مفہوم میں یہ بات ازخود شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے جو فیصلے فرماتے ہیں ان کی حکمت اور مصلحت اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں ہم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کے لامحدود اور وسیع علم کی طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی لامحدود ہے جس کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ عام انسان تو کیا پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کی سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حدیث 4:۔ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے درمیان خطبہ دے رہے تھے، کسی نے سوال کیا: ''لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم کس کے پاس ہے؟''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ''میرے پاس''۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: ''فلاں جگہ فلاں آدمی سے جا کر ملو۔ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پہنچے اور اس آدمی سے ملے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا نام ''خضر علیہ السلام'' بتایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی: ''مجھے بھی علم سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دیا ہے''۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: ''تمھیں جن باتوں کے بارے میں علم نہیں ان پر صبر نہیں کر سکو گے''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میں

إِنْ شَآءَ اللّٰهُ صبر کروں گا"۔ دونوں سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ دریا کے کنارے پہنچے اور ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا تختہ اکھیڑ ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا، تو حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: "میں نے کہا تھا: تم صبر نہیں کر سکو گے"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر معذرت کی اور آئندہ صبر کرنے کا وعدہ کیا۔ دونوں حضرات پھر چل دیئے۔ راستے میں ایک لڑکا اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے قتل کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر اعتراض کیا: "تم نے ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالا"۔ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: "میں نے کہا تھا: تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر معذرت کی اور صبر کا وعدہ کیا۔ دونوں پھر چل دیئے۔ ایک گاؤں میں پہنچے، گاؤں والوں سے کھانا مانگا، گاؤں والوں نے انکار کر دیا۔ گاؤں میں ایک دیوار گرنے والی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی مرمت کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پر اعتراض کیا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الگ کرنے کا فیصلہ سنا دیا لیکن تینوں باتوں کی حقیقت یوں واضح کی۔ کشتی کو عیب دار کرنے میں یہ حکمت تھی کہ دریا کے اس پار کا حکمران آنے والی صحیح سلامت کشتیوں پر زبردستی قبضہ کر لیتا ہے، میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا ہے۔ لہٰذا اب وہ اس کشتی پر قبضہ نہیں کرے گا اور کشتی کے مالک نقصان سے بچ جائیں گے۔ لڑکے کو قتل کرنے میں یہ حکمت تھی کہ وہ بڑا ہو کر کافر بننے والا تھا جب کہ اس کے ماں باپ مومن تھے، اگر وہ زندہ ہوتا تو اپنے ماں باپ کو بھی کفر میں مبتلا کر ڈالتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا اور اس کی جگہ والدین کو نیک اور صالح لڑکا عطا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ جہاں تک دیوار کو درست کرنے کا تعلق ہے تو وہ دیوار دو یتیموں کی تھی، جس کے نیچے خزانہ دفن تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ ظاہر ہو جاتا اور لوگ خزانہ لوٹ لیتے۔ یتیم بچوں کا باپ نیک اور صالح آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ نیک آدمی کی اولاد اپنے باپ کی وراثت سے محروم ہو۔ لہٰذا اب وہ بڑے ہو کر خود خزانہ نکال کر اپنے استعمال میں لا سکیں گے"۔ (مسلم رقم 170-2380)

حدیث جریج عِشْیہ میں ہے

حدیث5:۔وَبَيْنَا صَبِيٌّ يَرْضَعُ مِنْ أُمِّهِ، فَمَرَّ رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلَى دَابَّةٍ فَارِهَةٍ، وَشَارَةٍ حَسَنَةٍ. فَقَالَتْ أُمُّهُ: "أَللّٰهُمَّ! اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هٰذَا". فَتَرَكَ الثَّدْيَ وَأَقْبَلَ إِلَيْهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: "أَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ". ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهِ فَجَعَلَ يَرْتَضِعُ. قَالَ: "وَمَرُّوا بِجَارِيَةٍ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا وَيَقُولُونَ: "زَنَيْتِ، سَرَقْتِ"، وَهِيَ تَقُولُ: "حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ". فَقَالَتْ أُمُّهُ: "أَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا". فَتَرَكَ الرَّضَاعَ وَنَظَرَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: "أَللّٰهُمَّ! اجْعَلْنِي مِثْلَهَا". فَهُنَاكَ تَرَاجَعَا الْحَدِيثَ، فَقَالَتْ: حَلْقَى مَرَّ رَجُلٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ فَقُلْتُ: "أَللّٰهُمَّ! اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ". فَقُلْتَ: "أَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، وَمَرُّوا بِهٰذِهِ الْأَمَةِ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا وَيَقُولُونَ زَنَيْتِ، سَرَقْتِ، فَقُلْتُ: أَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا فَقُلْتَ: أَللّٰهُمَّ! اجْعَلْنِي مِثْلَهَا". قَالَ: "إِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ كَانَ جَبَّارًا، فَقُلْتُ: أَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، وَإِنَّ هٰذِهِ يَقُولُونَ لَهَا زَنَيْتِ وَلَمْ تَزْنِ، وَسَرَقْتِ وَلَمْ تَسْرِقْ فَقُلْتُ: أَللّٰهُمَّ! اجْعَلْنِي مِثْلَهَا". (مسلم رقم 8-2550)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک بچہ ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا۔ اتنے میں ایک خوب صورت اور خوش پوش آدمی بہترین سواری پر ادھر آ نکلا۔ ماں نے اسے دیکھ کر کہا: ''یا اللہ! میرے بیٹے کو بھی ایسا بنانا''۔ بچے نے سوار کی طرف دیکھا اور کہا: ''یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا''۔ پھر لوگ ایک لونڈی کو مارتے پیٹتے لائے، اسے کہہ رہے تھے تو نے زنا کیا اور چوری کی۔ لونڈی کہتی: ''اللہ مجھے کفایت کرتا ہے''۔ لڑکے کی ماں نے یہ دیکھ کر کہا: ''یا اللہ! میرے بیٹے کو ایسا نہ بنانا''۔ بچے نے لونڈی کی طرف دیکھا اور کہا: ''یا اللہ! مجھے اس لونڈی کی طرح بنانا''۔ ماں نے جب بیٹے کو مخاطب کر کے وجہ پوچھی تو بچے نے جواب دیا: ''وہ سوار ایک ظالم شخص تھا، اس لیے میں نے دعا کی: ''یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا''۔ اور وہ لونڈی بے گناہ تھی۔ اس لیے میں نے دعا کی: ''یا اللہ! مجھے اس جیسا بنانا''۔

قرآن وحدیث کے ان دونوں واقعات میں ہمارے لیے دو بڑے اہم سبق ہیں:

1 مشیّتِ الٰہی کے فیصلوں میں پوشیدہ حکمتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ان کا ادراک کرنا یا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

2 اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں پوشید حکمتوں میں انسانوں کے لیے ہمیشہ خیر ہی خیر اور بھلائی ہوتی ہے۔ خواہ وہ بھلائی ہمیں نظر آئے یا نہ آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمتوں کا علم نہیں ہوتا، تو ظاہری حالات کو دیکھ کر انسان پریشان ہو جاتا ہے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بلا شبہ یہ انسان کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے لیکن اس کمزوری پر قابو پانے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آیت 14:۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝

(الملک: ۱، ۲)

ترجمہ نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔

پس ہمیں جہاں تقدیر کے جبری امور میں بحث کرنے سے گریز کرنا چاہیے، وہاں اچھی تقدیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور بری تقدیر میں پوشیدہ حکمتوں پر صبر سے کام لینا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم زندگی کی اس آزمائش میں کامیاب اور کامران ہو سکیں۔ آمین!

9 مسئلہ تقدیر کے متعلّق معتزلہ کے عقائد

حدیث 6:۔ صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں ایک روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے: ایک شخص حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہماری طرف کچھ لوگ ہیں جو علم میں اشتغال رکھتے ہیں اور اس کی گہرائی میں گھستے ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں:

أَنْ لَا قَدَرَ، وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ۔ (مسلم رقم 1-8)

یعنی تقدیر یہ کوئی چیز نہیں اور بندہ جو کچھ کام کرتا ہے پہلے سے اللہ تعالیٰ کو ان افعال کا کوئی علم نہ تھا (معاذ اللہ)، کچھ نہیں جانتا تھا کہ بندے کیا کام کریں گے بلکہ کسی بندے سے کوئی فعل صادر ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے، جیسا کہ صدور افعال کے بعد ہمیں اور تمہیں کچھ علم ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ لوگ اللہ سے علمِ قدیم محیط کی نفی کرتے ہیں۔ افعالِ عباد کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کرتے۔ یہ عقیدہ بعض قدماء معتزلہ کا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے لیکن بعد میں معتزلہ نے اس عقیدہ کو جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت آتی تھی، جو اس کی جنابِ رفیع میں سخت ترین گستاخی ہے، ترک کر دیا۔ کما صرح به القرطبی رحمۃ اللہ علیہ۔

(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم للقُرطبی، ج1 ص132؛ فتح الباری ج1 ص119 تحت رقم الحدیث 50؛ فتح الملہم ج1، ص161)

اب متاخرین معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ افعال عباد وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم محیط میں طے شدہ ہیں، اس کو پہلے ہی سے سب کچھ علم ہے، کون بندہ کیا کیا کام کرے گا، جیسا کہ اہل السنّت کا عقیدہ ہے لیکن یہ متاخرین معتزلہ حق تعالیٰ کو جہل کے عیب سے منزہ سمجھتے ہوئے ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ عباد (بندوں) کا خالق تو ضرور ہے، پر ان کے افعال کا خالق نہیں۔ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اصل یہ ہے کہ بندے دونوں قسم کے کام کرتے ہیں، اچھے بھی، بُرے بھی، طاعات اور عدل و انصاف کا بھی ان سے صدور

ہوتا ہے، اور مظالم ومعاصی کا بھی۔ اب اگر بندوں کے جملہ افعال کا خالق باری تعالیٰ کو قرار دیا جائے تو شرور وقبائح کی نسبت اس کی طرف لازم آتی ہے، جو محال ہے۔ اس سے بچنے کی تدبیر قدماءِ معتزلہ نے تو جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے یہ سوچی تھی کہ سرے سے علمِ باری کا انکار کر دیا جائے: ''نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری''، یعنی باری تعالیٰ نے سب مخلوقات کو پیدا کر دیا، اور بندوں میں ہر قسم کے کام کرنے کی قدرتیں اور قوتیں بھی رکھ دیں، آگے چل کر بندے ان قوتوں کو کن کاموں میں استعمال کریں گے، اچھے یا بُرے میں، اس کا کوئی علم اُسے نہ تھا۔ اس نے گویا بندے کے ہاتھ میں تلوار دے دی، آگے وہ شخص تلوار سے جہاد فی سبیل اللہ کرے گا، یا اُسے کسی معصوم اور بے گناہ آدمی کی گردن پر چلائے گا۔ اس کی نہ باری تعالیٰ کو پہلے سے خبر تھی، نہ اس میں اس کا کچھ دخل (العیاذ باللہ!)۔

متاخرین نے سمجھا کہ علمِ باری کا انکار کرنا تو بدترین جہل وحماقت ہے۔ ہاں بندوں کے افعال کو انہی کی ذوات تک محدود رکھا جائے، اور ان کا رشتۂ انتساب باری تعالیٰ سے منقطع کر لیا جائے، تو پھر ان کے بُرے بھلے کی ذمہ داری بھی اُنہی پر عائد ہوگی، شرور وقبائح کی نسبت خداوندِ قدوس کی طرف نہ رہے گی۔ اس لئے یہ دعویٰ کر دیا کہ بندوں کے افعال خود بندوں کی مخلوق ہیں۔ ان کے صدور میں اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیّت کو کوئی دخل نہیں۔ گو خود بندے اور ان کی تمام قوتیں اس خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں، لیکن ان قوتوں سے اچھا یا برا کوئی کام کرنا، یہ بالکلیہ بندوں کے اختیار میں ہے گویا جس تلوار سے وہ کسی بے گناہ کو قتل کرتا ہے، وہ خدا کی دی ہوئی ضرور ہے، تاہم اس تلوار کا چلانا، یہ بندے کا کام ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کے ارادے کا کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح اس فعل کی برائی کا باری تعالیٰ کی جانب انتساب نہیں ہوسکتا۔ لیکن ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ارتکابِ جرم کی طرح اعانتِ جرم بھی جرم ہے۔ خونِ ناحق کے تمام اسباب ووسائل اور آلات وقویٰ اگر ایک شخص نے قاتل کے لیے فراہم کیے اور قطعی ویقینی طور پر جانتے ہوئے کہ قاتل ان سامانوں اور قوتوں کو بے گناہوں کے قتل ہی میں استعمال کرے گا، باوجودیکہ وہ قادر تھا کہ اگر چاہتا تو یہ سامان

اور قوت اس کے ہاتھ میں نہ دیتا، یا ایسا مفلوج کر دیتا کہ اسے قتل پر قدرت ہی نہ رہتی۔ تو عرفاً یا قانوناً کسی عاقل حکیم کے نزدیک ایسا شخص جرم مذکور سے بالکلیہ بری نہیں سمجھا جاسکتا۔ البتہ اگر اسے اسباب وآلات دیتے وقت یہ علم نہ ہوتا کہ لینے والا اُن چیزوں کو کہاں استعمال کریگا، تو بیشک معذور سمجھا جاسکتا تھا۔ اس اعتبار سے قدماء معتزلہ اپنی گمراہی میں دُور اندیش تھے کہ انہوں نے شروع سے علمِ الٰہی تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ متاخرین جب علمِ الٰہی کی ہمہ گیری اور احاطہ کو تسلیم کر چکے تو اب بندوں کو خالقِ افعال مان کر بس اُن کے لئے عقلاً کوئی چارہ نہیں رہتا کہ اللہ کی طرف شرور کی نسبت سے انکار کر سکیں، کیونکہ اس ظالم قاتل کو آخر پیدا تو اسی نے کیا، اس کے بازو میں قوت اسی نے رکھی جس سے وہ تلوار اُٹھاتا ہے۔ اس کے اندر قدرت اور قوتِ ارادی اور تمام اسبابِ قتل اسی نے پیدا کئے اور ان پر اس ظالم کو دسترس دی، قطعی طور پر جانتے ہوئے کہ ظالم ان سامانوں سے کام لے گا۔ ان حالات میں تمہارے زعم کے مطابق حق تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ حالانکہ اس تنزیہ وتقدیس کو ثابت رکھنے کے لیے تم نے ایک خالق کے سوا کروڑوں خالق تجویز کئے تھے، یعنی ہر بندے کو مستقل خالق مانا تھا۔ پھر بارش سے بھاگ کر پرنالہ کی پناہ لینے سے کیا فائدہ ہوا؟ جبکہ بندوں کو اپنے افعال کا خالق بنا کر اور ایک نوع کا شرک اختیار کر کے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت کا الزام جوں کا توں رہا۔

مثال کے طور پر سمجھئے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اُسے تندرستی دی، ہر قسم کی علمی و عملی قوتیں اس میں رکھیں، ساز وسامان، حشم وخدم، قوت واقتدار اور ملک وسلطنت کے لوازم اس کے قبضہ میں دیئے، جس کے غرور اور گھمنڈ میں :

آیت 15 :۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○ (النازعات: ۲۴)

ترجمہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

کا دعویٰ کر بیٹھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا۔ بنی اسرائیل پر ظلم کیے اور ظاہری اقتدار پر اترا (اکڑ) کر کہنے لگا:

آیت 16 :۔ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ (الزخرف: ۵۱)

ترجمہ کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟
حالانکہ خداوند قدوس اپنے علمِ قدیم سے جانتا تھا کہ یہ ملعون ان تمام سامانوں اور قوتوں کو اس طرح کی شرارت دفساد اور اغواء واضلال (گمراہ کرنا) کے کاموں میں صرف کرے گا۔ اب متاخرین معتزلہ سے سوال یہ ہے کہ یہ سب باتیں جانتے ہوئے پیدا ہی کیوں کیا؟ پیدا ہی نہ فرماتے یا پیدا ہونے کے بعد اندھا، لنگڑا، اپاہج بنا دیتے، یا اس پر فالج گرا دیتے یا ساز وسامان کچھ نہ دیتے۔ ایک بھیک منگا فقیر بنا دیتے مگر ان باتوں میں سے کچھ نہ ہوا، بلکہ اسباب ووسائل کی فراوانی انتہا کو پہنچا دی گئی۔ اور فرعون سے پہلے ابلیس کو دیکھئے، جو تمام شرور کا مادہ ہے۔ وہاں اس سے بھی زیادہ یہ صورت نمایاں ہے۔ الغرض محض افعال کا خالق مان کر بھی وہ عقدہ حل نہیں ہوتا جس کے حل کرنے کے لئے اس عقیدۂ شرکیہ کے ارتکاب کا تحمل کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف شر اور برائی کی نسبت کا شبہ بدستور باقی رہتا ہے اور تنزیہ کامل کی تصویر پوری نہیں ہوتی۔

الحاصل جب متاخرین نے علمِ قدیم کو تسلیم کر لیا، تو اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ فلاں شخص یہ فساد اور شرارت و بغاوت کرے گا، تو اس کو روکنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے تا کہ یہ شرارت ہی نہ کر سکے، یا قدرت نہیں۔ اگر قدرت نہیں، تو عجز لازم آتا ہے اور وہ بھی ایسا بدترین عجز کہ خالق اپنی مخلوق کے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے مقابلہ پر عاجز ٹھہرتا ہے۔ اور اگر روکنے پر قدرت ہے، پھر نہیں روکتا بلکہ اس کو شرارت کے سامان اور قوت سے امداد دیتا ہے۔ تو بیوقوف ہونا لازم آئے گا۔ پس علم قدیم کو مان لینے کے بعد ان اشکال سے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

إِنْ سَلَّمَ الْقَدَرِيُّ الْعِلْمَ خُصِمَ۔ (فتح الباری ج ا ص ۱۱۹)

علم کو تسلیم کر لینے کے بعد عجز یا سفہ ضرور لازم آئے گا جو سب کے نزدیک نقص ہے۔
معتزلہ نے خلق کے معنی میں غور نہیں کیا، ورنہ ایسا مضحکہ خیز دعویٰ ہرگز نہ کرتے۔ اس تمام تقریر سے میرا مقصود یہ ہے کہ یہ جو قدماء معتزلہ نے علم ہی کا انکار کر دیا، یا ان کے

متاخرین نے بندوں کے کا خالق بندوں کو قرار دیا جس کے نتیجہ میں ان کو لاکھوں کروڑوں خالق حقیقی ماننے پڑے، اور ایک ایک بندہ کے حصہ میں لاکھوں کروڑوں مخلوقات تسلیم کرنی پڑیں، جن کا عدد خدائی مخلوقات سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اس گندے اعتقاد پر معتزلہ کو کس چیز نے مجبور کیا۔ صرف اسی بات نے کہ ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف لازم نہ آئے، تو مجھے یہ دکھلانا ہے کہ بالفرض اگر تم اس سے بچ بھی گئے تو کونسا تیر مارا، اگر ظلم وغیرہ کی نسبت سے تم نے دامن بچالیا تو اس سے زیادہ شنیع وقبیح چیزوں کی نسبت میں مبتلا ہو گئے، یعنی جہل یا عجز یا سفہ (بیوقوفی)، دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لینا، اس کو کہتے ہیں۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ جس اعتراض سے بچنا چاہا تھا، وہ بھی قائم رہا۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ بیشک مسئلہ تقدیر کے ماننے میں اشکالات اور دشواریاں ضرور ہیں، مگر اس کا نہ ماننا ماننے سے بھی زیادہ مشکل ہے، یہ تو معتزلہ کا حشر تھا۔

10 فِرقہ جبریہ کے عقائد

ان کے بالمقابل ایک فرقہ جبریہ کہلاتا ہے، معتزلہ نے تو بندوں کو اپنے افعال کا خالق قرار دیا تھا۔ جبریہ کہتے ہیں کہ خالق ہونا تو کجا بندہ اپنے افعال میں بالکل مجبور محض ہے، اس کے ارادہ واختیار کو کوئی دخل اس کے کاموں میں نہیں۔ ان لوگوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ تم اپنے افعال میں ایسا مجبور محض مانتے ہو جیسے اینٹ پتھر، حالانکہ تم کو خود بھی انسانی حرکات میں فرق کرنا ناگزیر ہے، مثلاً کاتب کے ہاتھ کی حرکت اور مرتعش کے ہاتھ کی حرکت میں فرق بدیہی ہے۔ آخر ان دونوں میں وجہ فرق تم کو بیان کرنا ہوگی۔ اگر ان میں فرق کا انکار کرتے ہو، تو یہ محض مکابرہ اور بداہت کا انکار ہے اور جس شخص کی بلادت (بیوقوفی) اس حد تک پہنچ گئی ہے، تو قابلِ خطاب ہی نہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ''قدریہ'' تو بے ایمانی میں فائق ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ کے سوا بے شمار خالق تجویز کر لئے۔ اور ''جبریہ'' حماقت وبلادت میں گوئے سبقت لے گئے، کیونکہ حرکتِ ارادیہ اور حرکتِ غیر ارادیہ اضطراریہ کحرکۃ المرتعش میں ایک

جانور بھی فرق کرتا ہے۔ مثلاً ایک کُتے کو آپ نے پتھر مارا تو کتا اس پتھر کی طرف بھونک کر نہیں جائے گا، بلکہ پتھر مارنے والے کی طرف متوجہ ہوگا، حالانکہ اس پر جو چوٹ پڑی، وہ پتھر ہی کی حرکت سے پڑی، لیکن کُتا بھی سمجھتا ہے کہ پتھر کی یہ حرکت اضطراری ہے، اس کا کوئی قصور نہیں، ایسا ہی اگر آپ نے سانپ پر لاٹھی یا شیر پر گولی چلائی تو وہ سانپ اور شیر لاٹھی چلانے والے پر آئے گا، لاٹھی یا گولی کے پیچھے نہیں دوڑے گا۔ گویا جانوروں کے نزدیک بھی حرکتِ ارادیہ اور حرکت اضطراریہ میں فرق واضح اور علمِ ضروری سے ثابت ہے تو ان کے درمیان کوئی مابہ الفرق ہونا چاہیے۔ یہیں سے مسئلۂ کسب سامنے آجاتا ہے۔

11 مسئلۂ کسب

مسئلۂ کسب کی وضاحت کے لئے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو پیدا کیا، اس میں کچھ قویٰ ادراکیہ رکھے ہیں جیسا کہ حواس اور عقل، اسی طرح کچھ قویٰ عملیہ مثلاً قدرت، ارادہ اور مشیت بھی اس میں ودیعت کی ہیں، جن کے ذریعہ وہ اپنے جوارح (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کو حرکت دیتا ہے اور جیسا عمل چاہتا ہے کرتا ہے، مثلاً کتابت کے لئے ہاتھ ہلانا ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ حرکت اس کے ارادے اور اختیار سے ہے کہ اگر وہ چاہے اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر لکھنا شروع کردے، اور جب چاہے اسے روک لے۔ ہاتھ کی یہ حرکت اس طرح کی یقیناً نہیں جیسے حرکت رعشہ یا سردی سے کسی کی حرکت، کہ اس کو اگر وہ بند کرنا چاہے، تو بند نہیں کرسکتا۔ آخر ان دونوں حرکتوں میں جو فرق ہے وہ کس بنا پر ہے، لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی قوت انسان کے اندر رکھی ہے جو ان دونوں حرکتوں میں فرق و امتیاز کرتی ہے، اسی قوت کا نام ہے قدرت، یا قوت ارادی، جس سے حجر وشجر وغیرہ محروم ہیں۔ اسی کے ساتھ یاد رہے کہ حق تعالیٰ کی ذات منبع الکمالات ہی وجود کا خزانہ اور سرچشمہ ہے، جس کا وجود ذاتی ہے، اور جہاں کہیں وجود کا کوئی ذرہ یا شائبہ آتا ہے وہ اسی خزانہ سے آسکتا ہے۔ دنیا میں جو چیز بھی منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوگی وہ اسی موجدِ حقیقی کے اعطاء

وجود اور افاضہ نور سے ہوگی، اور جب تک عالم وجود میں باقی رہے گی، اسی حی وقیوم ذات کے باقی رکھنے سے رہے گی۔ اسی لیے بندوں کی تمام حرکات وافعال بھی خواہ وہ اضطراری ہوں یا اختیاری، اپنے وجود میں آنے کے لیے اسی موجد حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی قدرتِ عامہ اور ارادہ ومشیتِ تامہ کے دست نگر ہوں گے۔ اس لیے وہ قدرت و اختیار اور قوتِ ارادی جو ان میں فاطرِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) نے پیدائشی طور پر ودیعت کی ہے، وہ بالکلیہ مستقل وخود مختار نہیں ہوسکتی، بلکہ مشیتِ الٰہیہ کے تابع رہے گی، اور قدرت غیر مستقلہ کہلائے گی۔ اب کبھی تو انسان کے بدن یا جوارح میں حرکت اس قدرت غیر مستقلہ کی توسط کے بدون ہوگی جیسے حرکت مرتعش اور کبھی اس کے توسط سے، جیسے لکھنے والے کے ہاتھ کی حرکت۔ تو یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی قوتِ کاملہ و قدرتِ مستقلہ کا تصرف انسان کے اندر دو طریقہ سے ہوتا ہے۔ بعض حالات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ بدون توسط ہماری قدرت غیر مستقلہ کے مؤثر ومتصرف ہوتی ہے، جیسا کہ حرکت رعشہ میں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ ہماری اس قدرت غیر مستقلہ کو بیچ میں ڈال کر اپنا تصرف دکھلاتی ہے، جیسے حرکت کتابت وغیرہ میں۔ بہر حال دونوں جگہ اصل مؤثر ومتصرف ومحرک اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ مستقلہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک جگہ اس کی تاثیر وتصرف بلا واسطہ ہے اور دوسری جگہ بالواسطہ۔

خالق حقیقی نے انسان کے اندر سمع وبصر وغیرہ حواس وقویٰ کی طرح ایک قوت ارادی اور قدرت بھی رکھ دی ہے، گو وہ قوت وقدرت غیر مستقلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اسی کی مشیت کے تابع ہے، اسی کی تحریک سے حرکت کرتی ہے، اسی کے ارادے کے مطابق کام کرتی ہے، رتی برابر بھی اس کے خلاف نہیں چل سکتی۔ مگر وہ قدرت انسان کے اندر ہے ضرور، جس کی بنا پر حرکت ارادیہ وغیر ارادیہ میں فرق ہوتا ہے اور انسان شجر وحجر وغیرہ سے ممتاز ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ انسان میں کبھی تو بلا واسطہ اس قدرت غیر مستقلہ کے تصرف کرتی ہے، جیسا کہ حرکت غیر ارادیہ میں اور کبھی بواسطہ قدرت غیر مستقلہ کے جیسا کہ حرکتِ ارادیہ میں، اور ہر

انسان کی فطرت ہے کہ اس قدرتِ غیر مستقلہ کی وساطت کے ماتحت جو حرکات و افعال اس سے صادر ہوتے ہیں، ان کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ بس اسی کا نام کسب ہے۔ جیسے پہلی صورت کو جبر کہتے ہیں تو خالق دونوں قسم کی حرکات کا حق تعالیٰ ہوا۔ ہاں بندے کے اعتبار سے اوّل جبر محض اور ثانی کسب کہلاتا ہے، اور یہ لفظ قرآن کریم سے لیا گیا:

آیت 17:۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (البقرة:۲۸۶)

ترجمہ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے۔

اب کسب کے معنی ہوئے:

''کسی فعل کا بندہ سے بتوسط اس کی قدرت غیر مستقلہ بِتَخْلِيقِ الٰہی صادر ہونا''۔

توکسب ایک برزخی چیز ہوئی، درمیان اختیار مستقل اور جبر محض کے، نہ بندہ کو مستقل اختیار حاصل ہے کیونکہ اصل محرک و متصرف اللہ ہی کی قدرتِ مستقلہ ہے، نہ وہ بالکل مجبور محض ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر مستقلہ کا توسط پایا جاتا ہے اور یہ توسط کوئی معمولی چیز نہیں۔ کسب و جبر کے مسئلہ میں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بڑے بڑے لوگ توجیہاتِ رکیکہ کر کے بیٹھ گئے اور اس عقدہ کو دل نشیں طریقہ سے حل نہ کر سکے۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتوحات'' میں اس کو خوب حل کیا ہے اور یہ انہی کا کام تھا۔ عارفین ہی کا منصب ہے کہ ایسے دقائق کی حقیقت کو واضح اور منکشف کریں۔

الحاصل جب کسب کا ایک برزخی درجہ نکل آیا تو اب مجازات کے مسئلہ میں بھی کوئی اشکال نہیں رہے گا، کیونکہ مجازات کا مدار اسی کسب پر ہے، اور چونکہ اس میں فی الجملہ عامل کی قدرت کا بھی تعلق ہے، اور قدرتِ باری تعالیٰ کا بھی دخل ہے، تو اب نہ وہ بات کہنے کی ضرورت، جو معتزلہ نے مجازات کے اشکال سے گھبرا کر کہی کہ افعال عباد کے خالق عباد ہی ہیں، جس سے کروڑوں خالق ماننے پڑتے ہیں ورنہ اس احمقانہ قول کے اختیار کرنے کی حاجت جو جبریہ نے اختیار کیا کہ بندہ اپنے افعال میں اینٹ پتھر کی طرح مجبور محض ہے جو مشاہدہ، بداہت اور جانوروں کی سمجھ کے بھی خلاف ہے، جیسا

کہ ہم تفصیلاً عرض کر چکے ہیں۔
البتہ ایک شبہ یہ رہے گا کہ ہم نے مانا کہ افعال اختیاریہ انسان کی قدرت غیر مستقلہ کے توسط سے صادر ہوتے ہیں، مگر وہ قدرت غیر مستقلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت و قدرت کے تابع ہے۔ اس کے بدون کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ ہی سب تصرفات کرتی ہے اور خدا کی قدرت مستقلہ ہماری اس قدرت غیر مستقلہ پر حاکم ہے۔ لہٰذا اس قدرت غیر مستقلہ کا ہر فعل اس قدرت مستقلہ کا ہی ہوگا۔ تو اب وہی اشکال پھر عود کر آیا کہ ان افعال پر انسان کو جزاء وسزا کیوں دی جاتی ہے؟ لیکن اس شبہ کا اصل منشاء یہ ہے کہ ہم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کی مجازات کو اس دنیا کی مجازات پر قیاس کر رکھا ہے، حالانکہ یہ قیاس غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجازات محض بطریق انتقام دنیوی نہیں، بلکہ بطور تسبب طبعی کے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب ومسببات کا ایک طویل وعریض سلسلہ پیدا کیا ہے اور اسباب کے اندر ایک نوع تاثیر رکھ دی ہے کہ جب کوئی سبب وجود میں آتا ہے، تو باذن اللہ مسبب اس پر مرتب ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس دار دنیا کی چیزوں میں آپ دیکھتے ہیں۔ مثلاً آگ میں قدرت نے احراق (جلانے) کی تاثیر رکھ دی ہے، یا زہر میں یہ تاثیر ہے کہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اب جو شخص بھی زہر کھائے گا، بشرط عدم موانع اس کی تاثیر متحقق ہو کر رہے گی۔ خواہ اپنے قصد وارادہ سے کھائے، یا جبر اور اکراہ سے، کوئی اسے کھلا دے۔ بہر حال اس کی تاثیر ظاہر ہو کر رہے گی، علیٰ ہذا القیاس۔ ساری دنیا اسی اسباب ومسببات کے سلسلہ میں جکڑ بند ہے، اور کوئی نہیں بتلا سکتا کہ فلاں سبب میں ایسی تاثیر کیوں ہے کہ اس پر وہ ہی سبب مرتب ہو، اگر کوئی شخص دو چار جگہ اس کی وجہ بتلا بھی دے، تو پھر اس وجہ کی وجہ نہیں بتلا سکتا۔ مثلاً کوئی کہہ دے کہ آگ اس لیے جلائی جاتی ہے کہ اس میں حرارتِ مفرطہ (بہت زیادہ) موجود ہے لیکن اس میں اس درجہ کی حرارتِ مفرطہ کیوں موجود ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دیکھئے کہ انگور کے درخت پر انگور، اور نیم کے درخت پر نبولی لگتی ہے۔ اس دائرہ میں ''کیوں'' کے سوال کا حق ہی نہیں۔ ساری دنیا مل کر اس کا جواب

نہیں دے سکتی کہ انگور کے درخت پر انگور ہی کیوں لگتا ہے، نبولی کیوں نہیں لگتی و بالعکس؟ بہت زیادہ سرکھپائی کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا یہی ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ انگور کی بیل کی صورتِ نوعیہ کا یہ تقاضا کیوں ہے؟ نیم کی صورتِ نوعیہ کا ایسا تقاضا کیوں نہیں؟ تو کسی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

12 اعمال کے نتائج

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں وہ تاثیر اور کفر و معاصی میں یہ تاثیر کیوں رکھی، معاملہ بالعکس کیوں نہ ہوا؟ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسباب و مسببات کے دائرہ میں جو کچھ تاثیر و تاثر کا طبعی سلسلہ ہے، اس میں ''کیوں'' کے سوال کی گنجائش نہیں، ورنہ عالم کی بیشمار چیزوں میں یہی ''کیوں'' کا سوال ہوسکتا ہے، جس کا حتمی جواب کسی کے پاس نہیں۔ لہٰذا یہاں یہ سوال لایعنی ہے، دیکھئے اطباء اپنے یا پہلے حکماء کے تجربہ سے بتاتے ہیں کہ فلاں دوا کی یہ تاثیر اور مزاج ہے، وہاں یہ سوال کسی کے دل میں نہیں آتا کہ اس کی یہ تاثیر کیوں ہوئی؟ اسی طرح انبیاء علیہم السلام جو روحانی و باطنی اطباء ہیں انہوں نے بعض افعالِ قلوب یا افعالِ جوارح کی تاثیرات بتلادیں، تو اس قدر شور وشغب اور لایعنی سوالات کی بھرمار کیوں ہے؟ تُف ہے ایسی عقل پر کہ ان معمولی اطباء کی بات پر تو سوال پیدا نہیں کرتی، مگر انبیاء علیہم السلام کی بتلائی ہوئی باتوں پر لغو سوال کرنے میں اتنے جری ہیں تو اصل رگ شبہ کی یہ ہے کہ وہاں مجازات کو ہم نے دنیا کی مجازات پر قیاس کرلیا، یہی غلط ہے۔ وہاں کی مجازات صرف اسباب و مسببات کا ایک طبعی سلسلہ ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہم کسب خیر و شر کرتے ہیں، یہی اعمال وہاں جاکر خاص خاص شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ مثلاً تم نے یہاں سُبْحَانَ اللہ کہا، یہ کلمہ وہاں جاکر ایک درخت بن گیا۔ اسی طرح دوسرے اعمال صالحہ کو سمجھ لیجئے اور اعمالِ سیئہ (برے اعمال) جس قدر ہیں، یہی وہاں سانپوں اور بچھوؤں کی شکل میں متشکل ہوتے ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ جب ہم کوئی بیج زمین میں ڈالتے ہیں تو اس سے درخت اگتا ہے، اُس درخت کی اصل مع اس کی شاخوں، پتوں

اور پھول پھل اُگے وہی بیج ہے، وہی بیج چند دنوں میں یہ شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اعمال انجام کار وہ شکل وصورت اختیار کر لیں گے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اب یہ سوال کرنا کہ فلاں عمل سے جنت میں فلاں درخت کیوں اُگا۔ ایسا ہی ہے جیسا کوئی یہ پوچھے کہ آم کی گٹھلی سے آم کا درخت کیوں نکلا؟ جامن کا پودا کیوں نہ بن گیا؟ یا گیہوں (گندم) کے تخم سے چاول کیوں نہ پیدا ہوئے؟ ظاہر ہے کہ ان سوالات کی عقلاء کے نزدیک کوئی گنجائش نہیں، اور سب کا جواب ایک ہی ہے کہ اس میں استعداد ہی ایسی تھی یا اس کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا یہی تھا۔

اب اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوگئی کہ اگر بالفرض بندہ مجبورِ محض بھی ہوتا جیسا کہ جبریہ کا خیال ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ان افعال اضطراریہ ہی میں تاثیر رکھ دیتا کہ انہی پر عذاب وثواب مرتب ہو، تب بھی مجازات کی حد تک کوئی اشکال نہ ہوتا، کیونکہ جب مجازات بطور سبب طبعی ہوئے، تو ضروری نہیں کہ سبب پر مسبب کا ترتب صرف اسی وقت ہو، جب ارادے اور اختیار سے صادر ہوا کرے۔ آخر آپ بہت سے اسباب طبعیہ میں برابر تجربہ کرتے ہیں کہ مسبب کا تحقیق بالارادہ ہو یا بلا ارادہ، سبب اس پر مرتب ہو جاتا ہے، لیکن جیسا کہ ہم پہلے تحقیق کر چکے یہ واقعہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افعالِ عباد میں بندوں کو بالکلیہ مجبور و مضطر نہیں بنایا، بلکہ جبر محض اور اختیار مطلق کے درمیان کسب کی راہ ان کے لئے کھلی رکھی، اور کسب خیر وشر کو جس میں فی الجملہ بندوں کے اختیار وارادہ کو دخل ہے دخولِ جنت یا دخولِ جہنم کا سبب ٹھہرایا۔ آگے یہ سوال بالکل لغو ہے کہ کسب میں ہی سببیت اور تاثیرات کیوں رکھیں؟ کیوں کہ یہ سوال تو دنیا بھر کے ہر سبب ومسبب پر وارد ہوسکتا ہے، اس کا جو جواب ساری دنیا وہاں دے گی وہی ہم یہاں دے سکتے ہیں۔

13 نوشتۂ تقدیر مطابقِ استعداد ہے

نیز ہماری تقریر بالا سے ایک اور بات بھی واضح ہوگئی کہ جن اشخاص کو ازل سے شقی یا سعید لکھ دیا گیا ہے، جس کے مطابق عملی دنیا میں اور پھر آخری انجام میں تقدیر اپنا کام

کرتی رہتی ہے، اس پر سوال کرنا بے موقع ہے کہ شقی کو سعید یا سعید کو شقی کیوں نہ تجویز کر دیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جس شخص میں جس چیز کی استعداد پائی جاتی تھی، نوشتۂ تقدیر اسی کے مطابق ہے۔ آگے یہ کہنا کہ زید میں یہ استعداد کیوں رکھی؟ بکر میں کیوں نہ رکھ دی؟ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ آگ میں حرارت و احراق اور پانی میں برودت و تبرید کی صفت کیوں موجود ہے؟ اگر کہا جائے کہ جس مادہ سے آگ یا پانی بنا، اس میں ایسی ہی استعداد تھی۔ پھر وہی سوال متوجہ ہوگا کہ دونوں کی استعدادوں میں یہ فرق کیوں ہوا؟ اور کہاں سے آیا؟ جس طرح استعداد کے مرحلہ پر پہنچ کر کوئی شخص اس ''کیوں ہوا''، اور ''کہاں سے آیا'' کا جواب نہیں دے سکتا، ہم پر بھی اس ''کیوں رکھی گئی'' یا ''کیوں پائی گئی'' کی جواب دہی ضروری نہیں۔ لیکن سب کے جواب دینے سے عاجز ہونے سے حقائق اشیاء بدل نہیں سکتیں، وہ جوں کی توں رہیں گی۔

آیت 18:۔ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۳)

ترجمہ وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دِہ نہیں ہے، اور سب اس کے آگے جواب دہ ہیں۔

آیت 19:۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ (النجم: ۴۲)

ترجمہ اور یہ کہ آخر کار پہنچنا تیرے ربّ ہی کے پاس ہے۔

یہاں پہنچ کر مناسب ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نکتہ نقل کر دیا جائے جو انہوں نے کسب خیر و شر کے مدارِ ثواب و عذاب ہونے کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے، میں اسے ایک موٹی سی مثال سے سمجھاتا ہوں، مثلاً تین چار سال کا ایک بچہ ہے، بڑے لڑکوں کو پتنگ اُڑاتے ہوئے دیکھ کر اس کو بھی خواہش ہوتی ہے کہ پتنگ اُڑائے، مگر اس کو اتنی قوت و قدرت نہیں کہ خود پتنگ اُڑا سکے، اور اس کو پکڑ کر سنبھال سکے، تو یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ اس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی بڑا آدمی اُڑاتا ہے اور وہ بچہ اپنا ہاتھ پتنگ کی ڈور کو لگائے رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں حقیقۃً و اصالۃً پتنگ اڑانے والا وہ بڑا شخص ہے، بچہ خود اس پتنگ کو اُڑا نہیں رہا، نہ اُڑا سکتا ہے، محض ایک

معمولی اقتران واتصال اس کے ہاتھ کا ڈور سے ہے، مگر اس معمولی اقتران واتصال کی وجہ سے وہ اپنا اڑانا تصور کر لیتا ہے، اگر اس کے ہاتھ سے ڈور چھڑائی جائے، تو روتا ہے اور ہاتھ لگا رہنے سے خوش ہوتا ہے۔ تو یہ جو کسب کا درجہ اور درمیان میں قدرت غیر مستقلہ کا اقتران وتوسط رکھا گیا، یہ اس لیے کہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ جس فعل کو وہ اپنا سمجھے، گو درحقیقت متصرف وموثر کوئی اور ہو، مگر اپنا فعل سمجھنے کی وجہ سے اس کے اثرات کو قلب قبول کرتا ہے اور دل اس سے خوش اور رنگین ہوتا ہے (جیسا کہ اُوپر کی مثال میں بچہ محض اپنا ہاتھ لگائے رکھنے کی وجہ سے پتنگ اُڑانے کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اس سے اس کا قلب متاثر اور خوش ہوتا ہے، حالانکہ اصل میں پتنگ اُڑانا اس بڑے کا فعل ہے)۔ اور جس فعل کو انسان اپنا فعل نہ سمجھے، دوسرے کا تصور کرے، اس سے کوئی اثر اور انفعال حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص کبھی خود اپنے ارادہ سے نماز نہیں پڑھتا، دوسرا آدمی اس کی گردن پکڑ کر جبراً اس کو اوندھا کر دیتا اور زمین پر گرا دیتا ہے، کیا اس جبری رکوع وسجود سے اس کا قلب کچھ متاثر ہوگا، ہرگز نہیں۔ اور اگر خود اپنے ارادہ واختیار سے نماز پڑھتا، جیسی بھی پڑھتا، کچھ نہ کچھ اثر دل پر ضرور ہوتا۔ اور کسی درجہ میں اس کا دل نماز کے رنگ کو قبول کرتا۔

الغرض انسان کی فطرت ہے کہ جس فعل کو وہ اپنا عمل سمجھتا ہے، اس سے اس کا قلب متاثر ہوتا ہے، اور یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ وہ فعل وعمل اس کی قدرتِ غیر مستقلہ کے اقتران ووساطت سے ہو، اسی کو وہ اپنا عمل سمجھتا ہے، اور اتنے پختہ عقیدے اور جزم ویقین کے ساتھ کہ وہ خود بھی اس عقیدے اور یقین کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اور جو فعل اس قدرتِ غیر مستقلہ کے اقتران ووساطت سے نہ ہو، اس کو وہ اپنا عمل نہیں سمجھتا، ہر شخص اپنے وجدان کی طرف رجوع کر کے انصاف کے ساتھ غور کرے کہ جب کوئی فعل اختیاری وہ کرتا ہے تو اس کا دل اور اس کا ضمیر کیا سمجھتا ہے؟ اس فعل کو اپنا عمل سمجھتا ہے یا دوسرے کا، وَكَفَاكَ شَهَادَةُ وِجدَانِكَ (تیرے وجدان کی گواہی ہی کافی ہے)۔ تو یہ جو قدرتِ غیر مستقلہ کا ایک اقتران وتوسّط ہے جس کی وجہ سے انسان فطرۃً ایک فعل کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اپنی طرف منسوب کرتا

ہے، اسی کا نام کسب ہے، چنانچہ شیخ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ بھی یہی ہے: ''کسب محض ایک اقتران (توسط اور اتصال) ہے''۔

14 خلاصہ بحث

خلاصہ کلام یہ کہ درحقیقت دنیا میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی کے تصرف و اقتدار سے ہوتا ہے، مگر درمیان میں قدرت غیر مستقلہ کے اقتران و وساطت کی وجہ سے انسان اس کو اپنا فعل قرار دیتا ہے، اور اسی بنا پر عمل کر کے اثرات سے اس کا قلب ایک طرح رنگ پکڑتا ہے۔ لہٰذا اس پر جزا و سزا بھی مرتب ہوتی ہے، اگر کوئی شبہ کرے کہ مثالِ مذکور میں چونکہ وہ نادان بچہ تھا، اس لئے غلط فہمی سے اس نے ایسا سمجھ لیا۔ ہم تو بچے نہیں بلکہ عاقل بالغ، سمجھ دار ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اس بچہ کی جو نسبت بڑے آدمی کے ساتھ ہے، اس سے کہیں کم نسبت ہم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کوئی نسبت بھی حاصل نہیں، ذرۂ تراب (مٹی کے ذرہ) کی رَبُّ الارباب (اللہ تعالیٰ) کے سامنے کیا حقیقت ہے؟!! چہ نسبت خاک را بہ عالَمِ پاک

اب حاصل اس مجموعۂ تقریری کا تین باتیں ہوئیں:

۱ ایک تو یہ کہ جبر و اختیار میں فرق باعتبار توسط قدرتِ غیر مستقلہ کے ہے۔

۲ دوسری یہ کہ آخرت کی جزا و سزا محض عرفی انتقام کی طرح نہیں بلکہ بطریق تسبب طبعی ہے۔ (یعنی صرف غصہ اتارنے کے لیے نہیں، بلکہ اعمال کا سبب ہیں)۔

۳ تیسری یہ کہ نفسِ انسانی انہی اعمال کے اثر سے متاثر ہوتا ہے جن کو وہ اپنا عمل سمجھے، دوسرے کے اعمال سے وہ اثر قبول نہیں کرتا اور وہ اپنا عمل اس وقت سمجھے گا جب اس عمل کے صدور میں اپنی قدرت غیر مستقلہ کا اقتران و وساطت دیکھے۔

ان تین باتوں کو پیشِ نظر رکھنے سے سب اشکالات ان شاء اللہ رفع ہو جائیں گے۔

15 اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے

اب ایک اور چیز رہ گئی، وہ یہ کہ اہل السنت والجماعت شرور وقبائح کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی کو کہتے ہیں۔ جس میں بظاہر اللہ تعالیٰ کی طرف قبائح کی نسبت لازم آتی ہے، جس سے بچنے کیلئے معتزلہ نے بندوں کا خالقِ افعال ہونا تجویز کیا تھا۔ اس کے متعلق مختصراً اتنی بات یاد رکھو کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز فی نفسہٖ اگر دوسری اشیاء سے الگ کر کے دیکھی جائے، تو بری اور خراب ہے، مگر وہی چیز دوسری چیزوں کے ساتھ مل کر مجموعہ مرکّب کو حسین وجمیل بنا دیتی ہے، یعنی وہ چیز من کل الوجوہ (ہر لحاظ سے) شر نہیں ہوتی، بلکہ اپنے محل کے اعتبار سے فی حد ذاتہٖ شر ہونے کے باوجود اپنے اندر کوئی پہلو دوسری جہت سے خیر کا بھی رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حسین و جمیل عورت کو لیجئے، جسے دیکھ کر ہزارہا آدمی عاشق ہو جاتے ہوں، اگر اس کے سر سے بال کاٹ کر علیحدہ کریں اور اس کے بدن سے خون اور پیٹ سے تمام آلائشیں نکال کر ایک طشت میں رکھ دیں، تو ان گندی چیزوں میں کوئی حسن نظر نہیں آئے گا، بلکہ ان چیزوں کو علیحدہ دیکھ کر اس کے عاشق کا جی بھی متلانے لگے گا۔ اس کے باوجود مجموعی حیثیت سے یہی نجاسات اس کے پیٹ کے اندر آنتوں میں ہوں، اور یہی گندا خون جب اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہو، اور یہی بال جب اس کے سر پر قرینہ سے موجود ہوں، اس کی خوبصورتی کی ضمانت اور حسن ورونق کو دوبالا کرنے والے ہیں۔

دوسری مثال سمجھ لیجئے۔ ایک مکان ہے، نہایت خوبصورت عالی شان، اس میں قسم قسم کے ساز وسامان ہیں، بہترین کمرے ہیں، لاکھوں روپے کا فرنیچر ہے، اور ہر قسم کی آرائش وآسائش کے اسباب، اس میں مہیا ہیں۔ اگر اس مکان میں بیت الخلاء (قضاء حاجت کی جگہ) نہ ہو، تو ہر شخص اس مکان کو خراب وناقص کہے گا۔ دیکھئے: وہ بیت الخلاء فی نفسہٖ گندی جگہ ہے، مگر مجموعی حیثیت سے مکان میں اس کا وجود بھی ضروری ہے، جس کے بغیر مکان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

تیسری مثال اور لیجئے۔ کسی زہریلے دُنبل (پھوڑے) کی وجہ سے ڈاکٹر نے ایک عضو

کو کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیا، اب اگر خاص اس عضو کی حیثیت سے دیکھا جائے، تو ڈاکٹر کا ایک عضو کو بدن سے علیحدہ کرنا شر ہے، مگر مجموعہ میں بدن کی حیثیت سے دیکھو، تو خیر ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے سارے عضو بے چین ہو رہے تھے اور اندیشہ تھا کہ اس کا زہر سارے بدن میں سرایت نہ کر جائے۔

اس قسم کے ہزارہا نظائر و شواہد ہیں، مجھے صرف یہ دکھلانا ہے کہ مرکب کے اندر بعض اجزاء کو فی نفسہٖ وفی حد ذاتہٖ بیشک قبیح و شر کہا جا سکتا ہے، مگر وہی قبیح جز دوسرے اجزاء کے لحاظ سے یا مجموعہ کے، جن میں خیر و حسن بھی ہو سکتا ہے، اس حیثیت سے کوئی بھی اس کو قبیح و شر شمار نہیں کرتا، بلکہ اس جز کے نہ ہونے سے اس مجموعہ کو ناقص و ناتمام قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس جزء اور شر و قبیح کے بنانے والے کو کوئی برا نہیں کہتا، بلکہ اس جزء کا نہ بنانا برا شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ ایک بہترین عالی شان مکان بنایا اور اس میں بیت الخلاء نہ بنایا، تو ہر شخص بنانے والے کو بے وقوف کہے گا۔

پس اہل السنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ شر فی نفسہٖ شر ہے، مگر مجموعۂ عالم کے حق میں وہ شر نہیں، کیونکہ اس کے بغیر عالم کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ آفرینشِ عالم کی غرض و غایت کے پیشِ نظر اُس کو پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا شرور و قبائح کی تخلیق میں کوئی برائی نہیں، بلکہ ان کی تخلیق عین حکمت ہے۔ ان کے بغیر عالم بہیئتِ مجموعی نامکمل رہتا۔ اور ان شرور و قبائح کے ساتھ صفتِ خالقیت کے متعلق ہونے سے فی نفسہٖ اس تخلیق میں کوئی قباحت و شناعت نہیں آتی۔

الحاصل کسبِ شر، کاسب کے حق میں شر ہے، مگر خلقِ شر، خالق کے حق میں شر نہیں۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک جگہ ہے، جسے چمنستان کہتے ہیں، جس میں رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں، ان کی بہار دیکھ کر آنکھوں کو تراوٹ اور ان کی پاکیزہ و لطیف خوشبوؤں سے دل دماغ کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی چمن کے پہلو میں دوسری جگہ ہے جہاں کوڑی (گندگی) پڑتی ہے، اور نجاسات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، جن کی بدبو سے دماغ پھٹنے لگتا ہے اور جہاں چلنے سے بدن اور کپڑے ملوث ہوتے ہیں۔ رات کی سخت تاریکی میں انسانی بصارت دونوں میں کچھ امتیاز نہیں کر سکتی۔ ہاں جب

سورج کی روشنی یا چاند کا نور اس کائنات اراضی پر اپنی شعائیں ڈالتا ہے، تو وہ شعائیں جس طرح اس سرسبز و شاداب گلستان پر پڑتی ہیں، اسی طرح اُس گندی اور پلید جگہ پر بھی پڑتی ہیں اور دونوں کو روشن اور ممتاز کرتی ہیں۔ اب کیا یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس پلید، گندی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے وہ روشنی اور نور بھی پلید ہوگیا؟ کوئی یہ گمان نہیں کرسکتا، بلکہ وہ نور و روشنی برابر اپنی صفت وصفاء ولطافت پر باقی ہے اور پاکیزہ جگہ اپنی حالت پر پاکیزہ اور گندی جگہ اپنی حالت پر گندی رہتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو سمجھو۔ تخلیق یہ ہے: کسی چیز کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نورِ وجود سے روشن کرنا۔ تو جب نورِ وجود کی شعاؤں نے اپنے منبع سے نکل کر حقائقِ عالم یا اعیانِ ثابتہ کو چمکایا، تو خیر و شر، اچھی بری سب چیزیں روشنی میں آگئیں، اور وہ نور کسی گندگی سے قطعاً آلودہ نہیں ہوا، ہاں شر اپنی جگہ شر اور خیر اپنی جگہ خیر رہی۔ فاطرِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کا فیض ان میں سے ہر چیز کو تمِ عدم سے منصّۂ وجود پر لے آیا۔

16 خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ شرور وقبائح اپنی جگہ اور اپنی ذات میں قبیح اور شر ہیں۔ مگر ایجادِ عالَم کی ترو تازگی، سرسبزی وشادابی، تابانی و درخشانی، رونق و بہار، اس کی زیب وزینت کے لیے ان شرور وقبائح کی بھی ضرورت تھی، جیسا کہ تم کھیتوں میں کھاد ڈالا کرتے ہو، حالانکہ وہ فی حد ذاتہٖ ایک نجس اور گندی چیز ہے، مگر باغ کی سرسبزی اور شادابی کے لیے اس کے بغیر بھی چارۂ کار نہیں۔

اسی طرح اگر اس عالم میں شرور قبائح کا وجود نہ ہوتا، تو عالم ناقص رہ جاتا۔ لہٰذا ان اشیاء کی تخلیق بھی عین حکمت ہے۔ ان کا پیدا نہ کرنا ایسا ہوتا، جیسے کوئی بہترین عالیشان مکان تعمیر کرے، مگر اس میں بیت الخلاء نہ رکھے، تو ایسے مکان کو کون پسند کرے گا؟

اور تخلیق کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو ظلمتِ عدم سے نورِ وجود میں لانا۔ اس نورِ تخلیق کو ان قبائح کی قباحت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جیسا کہ سورج کی شعاع یا چاند کی روشنی کسی گندی پلید جگہ پر پڑنے سے پلید نہیں ہوجاتی۔

17 ایک اور سوال کا جواب

اس کے بعد ایک آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر کو پیدا ہی کیوں کیا؟ پیدا ہی نہ کرتے تو کیا حرج تھا؟ اس سوال کا بہترین جواب حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے "مدارج السالکین" میں دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: "تم تو شر کے متعلق دریافت کرتے ہو، میں پہلے پوچھتا ہوں کہ خیر کو پیدا کیوں کیا؟ تم سوال کرتے ہو کہ ابلیس و فرعون وغیرہ کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ میں دریافت کرتا ہوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کرنے میں کیا راز ہے؟ کیونکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ اگر دنیا ساری خیر سے بھر جائے اور سارے جہان کے آدمی فرشتوں کی طرح بن جائیں اور سب مل کر شب و روز اس کی عبادت و اطاعت میں لگے رہیں، تب بھی اس کے صفاتِ عالیہ میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا۔ وہ اپنی صفات و کمالات میں کما کان لم یزل لایزال ہمہ وقت کامل و اکمل ہے، پھر خیرات و حسنات کے پیدا کرنے کی غرض و غایت کیا ہے؟ پہلے اس کو سوچو، پھر شر کے متعلق بھی غور کر لیں گے بلکہ عنوانِ سوال میں تعمیم کر کے سارے عالم کے متعلق ہی یہ سوال زیرِ بحث لاؤ کہ اس عالَم کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟ اسی کے ضمن میں خلقِ شر کی حکمت بھی خود بخود واضح ہو جائے گی۔

18 تخلیقِ عالم کی حکمت

؎ گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

؎ در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد، گر بولہبی نباشد

یاد رکھیئے کہ دُنیا کے سب مذاہب والوں نے اس سوال کے حل کرنے کی کوشش کی ہے

اور اپنے اپنے انداز میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس بارے میں مکمل عارفین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مُسْتَجْمَعِ کمالات، مخزنِ حسنات اور منبعِ خیرات ہے۔ اس کا ارادہ ہُوا کہ ان کمالات وصفات کا اظہار ہو، اور مظاہر کے آئینہ میں وہ اپنے کمالات وصفات کا عکس دیکھے، اور مخلوق اس کے کمالاتِ ذاتیہ وفعلیہ کی حسب مراتب صحیح معرفت حاصل کر لے۔

قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

آیت 20:۔ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق:۱۲)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی اُنہی کے مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے (یہ بات تمہیں اس لیے بتائی جارہی ہے) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

یعنی آسمان وزمین پیدا کیے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم وقدرت کا اظہار ہو۔ (نبّہ علیہ ابن القیم فی بدائع الفوائد)۔ بقیہ صفاتِ باری انہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق رکھتی ہیں۔

صوفیہ جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

"كُنتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأَنْ أُعْرَفَ"

گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں، مگر اس کا مضمون شاید اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ومستفاد ہو۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ "كنت كنزا لا أعرف فأحببت أن أعرف فخلقت خلقًا، فعرفتهم بي؛ فعرفوني".

وفي لفظ: "فتعرفت إليهم فبي عرفوني"؛ قال ابن تيمية: ليس من كلامَ النبي صلى الله عليه وسلم، ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف.

وتبعه الزركشي والحافظ ابن حجر في "اللآلئ". والسيوطي وغيرهم.
وقال القاري: لكن معناه صحيح مستفاد من قوله تعالى "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْأَنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" أي ليعرفوني، كما فسره ابن عباس رضي الله عنهما.
والمشهور على الألسنة: "كنت كنزًا مخفيًا فأحببت أن أعرف فخلقت خلقًا فبي عرفوني". وهو واقع كثيرًا في كلام الصوفية، واعتمدوه وبنوا عليه أصولًا لهم. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس للعجلوني ج ۲ ص ۱۵۵ رقم 2016)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں:

آیت 21:۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات: ۵۶)

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری ہی بندگی (یعنی نہ صرف پرستش و بندگی بلکہ غلامی و اطاعت بھی) کریں۔

کی تفسیر لِيَعْرِفُوْنِ سے آئی ہے، یہ وہی معرفت ہوگی جسے آیات مذکورہ میں "لِتَعْلَمُوْا" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہی کیوں ہوا۔ تو سوال بالکل مہمل ہے۔

آیت 22:۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ○ (الانبیاء: ۲۳)

ترجمہ: وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دِہ نہیں ہے اور سب جواب دِہ ہیں۔

ایسے "کیوں" تو فعلوں ہی میں لاکھوں ہیں، جن کا کوئی جواب نہیں دے سکتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر آپ ہی سے کوئی سوال کرے کہ آپ عزت و راحت کی زندگی کیوں چاہتے ہیں؟ اور کیوں اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کے معاملات میں ہر ایک "کیوں" کے جواب کی توقع رکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

پس جب تخلیقِ عالم کی حکمت یہ ٹھہری کہ حق تعالیٰ اپنے کمالات و صفات کا خارجی مظاہر میں معائنہ کرے اور کرائے تو آگے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے، کیونکہ اس

کی صفات مختلف متقابل اور متضاد ہیں۔ وہ غفور و رحیم بھی ہے اور جبار و قہار بھی، وہ منعم بھی ہے اور منتقم، ذو البطش الشدید بھی، وَهَلُمَّ جرًّا۔ تو جب صفات مختلف و متقابل ہوئیں، ان کے مظاہر بھی مختلف و متضاد ہونے چاہئیں۔ اب بتلاؤ اگر ابلیس اور فرعون و نمرود وغیرہ بڑے بڑے باغی و کافر نہ ہوتے، تو جبار و قہار اور بطشِ شدید کا مظہر کون بنتا؟ اور ان صفات کا ظہور کس طرح ہوتا؟ اور اگر انبیاء علیہم السلام و صالحین و مطیعین رحمہم اللہ پیدا نہ ہوتے تو منعم وغیرہ صفاتِ جمالیہ کہاں ظاہر ہوتیں؟ اسی طرح ہم جیسے گنہگار و عاصی نہ ہوتے تو غفور و رحیم جیسی صفات کا اظہار کن پر ہوتا؟

الغرض آفرینش عالم کی اصل غرض و غایت اور تخلیق اکوان کے اصل مقصد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات کا مظاہرہ ہو، اگر ان میں سے بعض صفات کو معطل فرض کر لیا جائے، تو خدائی ناقص اور غیر مکمل ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عالم میں خیر اور شر دونوں کے سلسلے اس حکیم مطلق نے پیدا کئے اور شر گو بجائے خود شر ہے، لیکن پیدا کرنا اس کا بھی خالق کے کمال اور مجموعہ عالم کے حسن و خوبی کی دلیل ہے۔

اس لئے اس شر کی برائی اپنے محل تک محدود رہتی ہے، خالق حقیقی تک اس کی رسائی نہیں، بلکہ خلق شر بھی اس کے اعتبار سے خیر ہی ہے۔

حدیث 7:۔ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ. (ترمذی رقم 3422)

دیکھئے نور شمس جب تابدانوں اور دریچوں سے گزرتا ہے، تو مختلف اشکال و تقطیعات اختیار کر لیتا ہے۔ یہ سب اشکال مختلفہ اسی نور سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ذاتِ آفتاب میں یہ اشکال موجود نہیں۔ وہ تو صرف نور کا خزانہ ہے۔ اشکال ادھر ادھر آ کر نمودار ہوئیں، تو آفتاب نور کے لئے مصدر ہے اور ان اشکال کے حق میں اسے خالق مجازی کہہ سکتے ہیں۔ صادر کا مصدر میں موجود ہونا ناگزیر ہے اور مخلوق کا خالق کے اندر موجود ہونا ضروری نہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ خیرات و کمالات کا مصدر ہے، اور خالق بھی، اور شرور و قبائح کا خالق ہے، مصدر نہیں۔ مخلوق کی ذاتی برائی ادھر ہی رہ جاتی ہے۔ خدا کی طرف محض اس کے خلق کی نسبت ہوتی ہے جو سراسر خیر ہے۔

یہاں ایک مثال جو بہت ہی حقیر ہے اور حضرت حق سے اُسے کوئی نسبت نہیں، محض تقریب الی الفہم کے لئے پیش کرتا ہوں۔

آجکل سینما میں جو مناظر دکھلائے جاتے ہیں وہ دونوں طرح کے ہوتے ہیں، اچھے بھی برے بھی، نہایت فرحت بخش، مسرت انگیز بھی اور سخت ہولناک وحشت انگیز بھی۔ بہت سے مناظر دیکھ کر ناظرین شاداں وفرحاں اور ہشاش بشاش ہوتے ہیں اور بعض کو دیکھ کر عورتیں، بچے اور ضعیف القلب دہشت زدہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات چیخیں مارنے لگتے ہیں۔ اب دیکھئے ان میں ایک منظر کیسا حسین، دل کش اور خوب صورت، اور دوسرا اپنی جگہ کس قدر کریہہ، بھیانک، قبیح اور بدہیئت، مگر سینما کے مدیر کا کمال کہ دونوں صورتوں میں برابر ظاہر ہوتا ہے، اور سینما دکھلانے کی غرض دونوں سے حاصل ہو رہی ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا مدیر صرف ایک ہی نوع کے مناظر دکھلاتا اور دوسری قسم کے مناظر کی عکاسی پر قدرت نہ رکھتا، تو یہ اس کے کمال ومہارت فن میں ایک کمی اور نقص متصور ہوتا۔

ہم نے اپنے بچپن میں شعبدہ باز، بازیگروں کو دیکھا کہ کبھی وہ اپنی خالی پٹاری میں سے کبھی سانپ نکال کر دکھاتے تھے اور باوجودیکہ کبوتر ایک اچھا پرندہ اور سانپ سخت موذی جانور ہے مگر بازیگر کا کمال دونوں میں یکساں سمجھا جاتا تھا، اور تماشہ جو اس کا مقصود تھا، وہ دونوں سے یکساں حاصل ہوتا تھا۔ تماش بینوں کی نگاہ اس پر ہوتی تھی کہ جو چیز بظاہر پٹاری میں موجود نہ تھی، وہ کیسے وجود میں نظر آنے لگی، حالانکہ یہ صرف نظر بندی تھی جس کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

تو اس سے اندازہ کر لیجئے کہ خالق حقیقی کا کمال یعنی ہر قسم اور ہر نوع کی چیزوں کو خواہ وہ خیر ہوں یا شر، پردۂ عدم سے منصۂ وجود پر لانا، کیا دونوں صورتوں میں ظاہر و باہر نہیں؟ اور اس عالم کی تخلیق کی جو غرض اصلی ہے کیا وہ دونوں صورتوں میں نمایاں نہیں۔

یہی نکتہ ہے سورت الشمس میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم کھائی وہاں متقابل و متضاد اشیاء کا ذکر کیا، فرماتے ہیں۔

آیت 23:۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ (الشمس: ۱ تا ۸)

ترجمہ سورج اور اس کی دُھوپ کی قسم! چاند کی قسم! جب کہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے، اور دن کی قسم! جبکہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے، رات کی قسم! جبکہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے، اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم! جس نے اسے قائم کیا، اور زمین کی اور اس ذات کی قسم! جس نے اسے بچھایا، اور نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی قسم! جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی (فُجور) اور اس کی پرہیز گاری (تقویٰ) اس پر الہام کر دی۔

ان متضاد اشیاء کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان متضاد اشیاء کو اس کائنات میں پیدا کیا، اسی طرح نفسِ انسانی میں تقویٰ و فجور دو متضاد کیفیات کا الہام و القاء بھی کر دیا۔ پھر ان دونوں حالتوں پر فلاح (کامیابی) یا خیبہ (ناکامی) کے مختلف ثمرات بھی مرتّب کیے۔

ایسا ہی ارشاد ہے:

آیت 24:۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ○ (الیل: ۱ تا ۴)

ترجمہ قسم ہے رات کی! جبکہ وہ چھا جائے، اور دن کی! جب وہ روشن ہو، اور اُس ذات کی قسم! جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، درحقیقت! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ (تمہاری کمائی الگ الگ ہے)۔

غرض متقابل اضداد کا پیدا کرنا خالق کا انتہائی کمال ہے، خیر و شر کی تخلیق سے فاطرِ حقیقی کی طرف کوئی عیب یا نقص عائد نہیں ہوتا۔

آخر میں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ کسی موصوف کے لیے ایک صفت ثابت کرتے ہیں اور اس کا نفسِ اثبات واقع کے اعتبار سے غلط نہیں ہوتا، لیکن صرف اسی قدر صفت کا ثابت کرنا چونکہ دوسرے لحاظ سے ایک گونہ نقص کا ابہام پیدا کرتا ہے،

اس لئے عرفاً اس صفت کے ذکر پر اکتفا محمود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ تأدب واحترام کے خلاف شمار ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بادشاہ یا وائسرائے کے اختیارات بیان کرتے وقت یہ کہے کہ وُہ ہمارے گاؤں کے مُکھیا یا قصبہ کے تحصیلدار سے بھی زیادہ اقتدار و اختیار رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات فی نفسہٖ غلط تو نہیں، مگر عرفاً محض اتنی بات کے بیان سے ان کے اعلیٰ اقتدار و اختیار کی تنقیص متوہم ہوتی ہے۔ اس لئے عقلاء متادبین اس قسم کی عبارات کو ایک طرح کی توہین قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ جلّ شانہ گو فی الواقع ہر ایک خیر و شر کا خالق ہے اور اس کی خالقیت عامّہ کے متعلق اعتقاد رکھنا جزء ایمان ہے، تاہم بعض شرور و قبائح کی تخصیص کر کے اس کی طرف نسبت کرنا، مثلاً یوں کہنا: الحمد للہ خالق الکلاب و الخنازیر، یہ سوءِ ادب میں داخل ہے، اور بارگاہِ قدس کے ادب شناس تو اس بارہ میں بہت ہی احتیاط برتتے ہیں اور کسی شر یا قبیح و مکروہ چیز کی علانیہ نسبت حضرت حق تعالیٰ کی طرف کرنے سے گو وہ خلقاً صحیح ہوتا بحدِ امکان گریز کرتے ہیں۔

دیکھئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے

آیت 25:۔ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○

(الشعراء: ۷۹، ۸۰)

ترجمہ وہی جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

میں اطعام وسقی اور شفاء کو اپنے رب کی طرف منسوب کیا، اور مرض کو اپنی طرف۔ تمریض کی نسبت اُدھر نہیں کی۔

مومنین جن نے کہا تھا:

آیت 26:۔ وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○

(الجن: ۱۰)

ترجمہ اور یہ کہ: ”ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے، یا اُن کا رب اُنہیں راہِ راست دکھانا چاہتا ہے“۔

شر کی جانب ”اُرِیْدَ“ بصیغۂ مجہول لائے، رُشد کی طرح ”اَرَادَ“ شر کے فاعل کو

تصریحاً ذکر نہیں کیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں تین واقعات کا ذکر تھا۔ سفینہ کو توڑ کر عیب دار بنانا، غلام کا قتل کرنا، دیوار کو سیدھا کر دینا۔ پہلے واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے "فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا" فرمایا، کیونکہ عیب دار بنانے کے الفاظ کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف سے صراحۃً کرنا خلاف ادب سمجھا، گو نتیجہ کے اعتبار سے وہ بھی خیر تھا۔
قتل غلام میں دو پہلو تھے۔ بظاہر غلام کے نفس زکیہ ہونے کے اعتبار سے ابتداءً یہ فعل قبیح تھا، لیکن باعتبار انجام ونتیجہ کے اس میں بہت بڑی حکمت مضمر تھی۔ وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے بصیغہ جمع "فَأَرَدْنَآ أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا" الخ اختیار کیا، گویا ظاہری صورت حال کے اعتبار سے اسے اپنے ارادے کے ماتحت رکھا، اور باطنی حکمت کے لحاظ سے اس کا انتساب اللہ تعالیٰ کے ارادے کی طرف رہا۔
تیسرا واقعہ اقامت جدار کا تھا، جو ابتداءً وانتہاءً ہر پہلو سے خیر محض تھا، جو دیوار گرا چاہتی تھی، اسے گرنے سے بچایا اور یتیموں کا مال محفوظ کر دیا۔ اس لئے وہاں اپنا توسط بالکل اڑا دیا، اور صاف طور پر فرما دیا۔ "فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا"۔ پھر اخیر میں تمام واقعات میں تمام واقعات کو مجموعی طور پر ایک جملہ "وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِيْ" میں لپیٹ کر ظاہر کر دیا کہ یہ سب کچھ ادھر ہی سے ہے، اس طرح کی حسن تعبیر کی مثالیں قرآن وحدیث میں بے شمار ہیں۔ اس لیے عارفین کاملین اور علماء متادبین ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حق ربوبیت اور اپنی شان عبودیت کے پیش نظر تقصیرات اور لغزشوں کو اپنی طرف اور طاعات وخیرات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

19 جبر واختیار کے درمیان پُرحکمت راستہ

اور میرے نزدیک اختیارِ مطلق اور جبر محض کے درمیان کسب کا درجہ قائم کرنے کی بڑی حکمت یہی ہے کہ بندہ اعتدال پر قائم رہ کر اپنی ہر ایک نقل وحرکت پر ربوبیت و

عبودیت کے صحیح آداب بجالائے اور بندگی کے کڑے امتحان و آزمائش میں اپنے آپ کو ثابت قدم رکھے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''مدارج السالکین'' میں ایک عجیب اثر نقل کیا ہے، جس سے اس مسئلہ کی پوری عقدہ کشائی ہوتی ہے، وہ اثر یہ ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَذْنَبَ، فَقَالَ: "يَا رَبِّ! هٰذَا قَضَاؤُكَ، وَأَنْتَ قَدَّرْتَ عَلَيَّ، وَأَنْتَ حَكَمْتَ عَلَيَّ، وَأَنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ". يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَأَنْتَ عَمِلْتَ، وَأَنْتَ كَسَبْتَ، وَأَنْتَ أَرَدْتَ وَاجْتَهَدْتَ، وَأَنَا أُعَاقِبُكَ عَلَيْهِ". وَإِذَا قَالَ: "يَا رَبِّ! أَنَا ظَلَمْتُ، وَأَنَا أَخْطَأْتُ، وَأَنَا اعْتَدَيْتُ، وَأَنَا فَعَلْتُ". يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَأَنَا قَدَّرْتُ عَلَيْكَ وَقَضَيْتُ وَكَتَبْتُ، وَأَنَا أَغْفِرُ لَكَ". وَإِذَا عَمِلَ حَسَنَةً، فَقَالَ: "يَا رَبِّ! أَنَا عَمِلْتُهَا، وَأَنَا تَصَدَّقْتُ، وَأَنَا صَلَّيْتُ، وَأَنَا أَطْعَمْتُ". يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَأَنَا أَعَنْتُكَ، وَأَنَا وَفَّقْتُكَ". وَإِذَا قَالَ: "يَا رَبِّ! أَنْتَ أَعَنْتَنِي وَوَفَّقْتَنِي، وَأَنْتَ مَنَنْتَ عَلَيَّ". يَقُولُ اللهُ: "وَأَنْتَ عَمِلْتَهَا، وَأَنْتَ أَرَدْتَهَا، وَأَنْتَ كَسَبْتَهَا".

(مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، ج ۱ ص ۲۰۲)

اس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے: بندہ جب گناہ کر کے کہتا ہے: ''اے پروردگار! جو کچھ مَیں نے کیا، تو نے میری تقدیر میں پہلے لکھ دیا تھا، اور تو میرے حق میں تکویناً اس کا فیصلہ کر چکا تھا''۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے: ''یہ سب کچھ سہی مگر عمل تو تو نے کیا کسب تیرا ہے، تیرے ارادے اور کوشش سے یہ کام ہوا، اب میں اس پر تجھے سزا دُوں گا''۔

اس کے برعکس جب گناہ کا ارتکاب کر کے عرض کرتا ہے: ''اے پرودگار! مَیں نے ظلم کیا، مجھ سے خطا اور زیادتی ہوئی اور یہ سب میری کرتُوت ہے''۔ تو اُدھر سے جواب ملتا ہے: ''ٹھیک ہے مگر یہ سب تقدیری بات تھی، جو مَیں تیرے حق میں پہلے ہی لکھ چکا تھا، اب تیری اس تقصیر پر میں تجھے معاف کرتا ہوں''۔

یہ تو گناہ کی صُورت تھی۔ اب اطاعت کی صُورت سنیے:

ادھر سے کوئی بندہ اچھا کام کر کے دعویٰ کرتا ہے: ''پروردگار! میں نے یہ کام کیا، مَیں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا''۔ تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے: ''بے شک ایسا ہوا۔ مگر مَیں نے تیری مدد کی اور میری توفیق سے تو یہ کام کر سکا، کیا میری امداد و توفیق کے بدون تو کچھ کر سکتا تھا''۔ اِس کے برخلاف جب بندہ اپنی طرف سے عرض کرتا ہے: ''آپ نے میری مدد فرمائی اور آپ نے احسان فرمایا کہ مُجھ سے یہ کام بن پڑا''۔ تو جواب ملتا ہے: ''عمل تیرا ہے، تیرے ارادہ سے ہُوا ہے، اور تُو نے یہ نیکی کمائی ہے''۔

اب غور کیجئے کہ کسب کا یہ ذوالوجہین اور برزخی درجہ اگر نہ رکھتے، تو عبودیت اور تأدب و اخلاص کے پرکھنے کی اس سے بہتر کسوٹی اور کیا ہو سکتی تھی؟!! سبحان اللہ! کیا لطف و کرم ہے اور کیا امتحان محبت و اطاعت ہے۔ یہی وہ پاک حقائق ہیں، جن کے چہرہ سے انبیاء علیہم السلام نے پردے اٹھائے ہیں۔ یہ حکماء، متفلسفین کے بس کا روگ نہ تھا۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے نورِ نبوت کے فیض سے یہ باریک عقدے اپنے مخلص بندوں پر کھول دیئے۔

فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق و لو لا اللہ ما اھتدینا و لا تصدقنا و لا صلینا۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین○

(مسئلہ تقدیر تقدیر، ص ۹ تا ۵۳۔ المؤلف: علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۳۶۹ھ)۔ الناشر: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی۔ لاہور، ۱۹۷۸ء)

20 مسئلہ مجازات

جزا و سزا کے مسئلہ میں الجھنا بھی بیکار ہے۔

اول یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ مالک اور خالق سے کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا، بلکہ مالک کی تعریف ہی یہ ہے: ''جو ہر قسم کا تصرف کرنے کا مجاز ہو''۔ آپ ایک چیز عاریۃً لیتے ہیں، کرایہ پر بھی لیتے ہیں، مگر یہاں الٹی اس کی حفاظت ہی آپ کے سر پڑتی ہے۔ آپ صرف

وقتِ مقرر تک، وہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ، اُس سے فائدہ اُٹھانے کے مجاز ہوتے ہیں۔ اس کو فروخت نہیں کر سکتے، ہبہ نہیں کر سکتے، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کر سکتے، اس کو توڑنا اور خراب کرنا تو درکنار۔ لیکن جس چیز کے آپ مالک کہلاتے ہیں، اس میں آپ کو ان تمام تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے، بلکہ ایک قیمتی چیز کے ضائع کر دینے پر بھی آپ مسئول نہیں ہو سکتے۔ جب ایک مجازی مِلک کے حقوق یہ ہیں تو حقیقی مِلک کے حقوق کیا ہوں گے؟ پھر یہاں علاقہ صرف ایک مملوکیت کا ہی نہیں، مخلوقیت کا بھی ہے۔ چونکہ اس نے بلا شرکتِ غیرے پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے مالکیت حقیقیہ کا حق بھی صرف اُسی کا رہنا چاہیے۔ ایسے مالک سے جو خالق بھی ہو، جزا و سزا کا سوال ہی کیا؟

دیکھیے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے مالکیت نہیں، صرف ملوکیت عطا فرمائی تھی، وہ بھی بہت محدود پیمانہ پر، لیکن اس ناتمام ملوکیت کے لیے بھی جو امتیازی شان عطا فرمائی تھی، وہ ان الفاظ سے ظاہر ہے:

آیت 27: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ○ (ص:۳۹)

ترجمہ یہ ہماری بخشش ہے، تجھے اختیار ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے، کوئی حساب نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ: {هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ} [ص: 39] أَيْ: أَعْطِ مَنْ شِئْتَ وَاحْرِمْ مَنْ شِئْتَ، فَلَا حِسَابَ عَلَيْكَ، أَيْ: تَصَرَّفْ فِي الْمَالِ كَيْفَ شِئْتَ، فَإِنَّ اللهَ قَدْ سَوَّغَ لَكَ كُلَّ مَا تَفْعَلُهُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يُحَاسِبُكَ عَلٰى ذٰلِكَ، وَهٰذَا شَأْنُ النَّبِيِّ الْمَلِكِ بِخِلَافِ الْعَبْدِ الرَّسُولِ، فَإِنَّ مِنْ شَأْنِهِ أَنْ لَا يُعْطِيَ أَحَدًا وَلَا يَمْنَعَ أَحَدًا إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ لَهُ فِي ذٰلِكَ.

(البداية والنهاية، لابن كثير، ج ۲ ص ۳۵۰)

ترجمہ یعنی جس کو چاہو، عطا کر دو، اور جسے چاہو، محروم رکھو، آپ علیہ السلام سے کچھ پوچھ گچھ نہ ہو گی۔ یعنی اپنے مال میں جیسے چاہو، تصرف کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام

کے لیے یہ جائز کر دیا ہے کہ آپ علیہ السلام جو چاہیں، کریں، آپ علیہ السلام سے اس بارے میں حساب نہیں لیا جائے گا۔ یہ نبی، بادشاہ کی شان ہے، عبد اور رسول کی شان کے خلاف، اس لیے کہ اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کو عطا کرے، یا اس سے روک لے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی مرحمت ہوئی تھی۔ اس لیے یہ تنبیہ کر دی گئی کہ یہ بادشاہت ہے تو ہمارا عطیہ، مگر چونکہ بادشاہ سے کوئی باز پُرس نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے جاؤ، اس بارے میں تم سے بھی کوئی حساب نہیں ہوگا۔

اسلام میں غلامی کے مسئلہ سے ذرا سی مالکیت کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ وہ صرف یہ جتانے کے لیے مقرر کی گئی ہے کہ جو مولائے حقیقی اور مالکِ حقیقی کی مالکیت پر راضی نہیں ہوتا، اس کو پھر غلاموں کی مالکیت پر راضی ہونا پڑتا ہے، مگر اس مالکیت کے بھی جتنے حقوق ہیں، وہ اس سے ظاہر ہیں کہ جو ابھی ابھی غلامی سے قبل خود مالک بننے کی اہلیت رکھتا تھا۔ ملوکیت کا لفظ کسی پہلو سے اس پر عائد ہو نہیں سکتا تھا۔ ہر تصرف اس کا نافذ اور ہر حکم اُس کا ناطق تھا۔ وہی غلامی کے بعد اس طرح مملوک بن جاتا ہے کہ مالکیت کی اس میں اہلیت ہی نہیں رہتی، نہ اس کا کوئی تصرف درست ہوتا ہے، نہ کوئی حکم نافذ ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ اس کے مالک کو اس کو بیچ ڈالنے کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ اس کو مار بھی ڈالے، جب بھی بعض ائمہ کے نزدیک، گو اس کو گناہ کتنا ہی بڑا ہو، مگر دنیا میں اس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ باپ بیٹے میں خالقیت سے ذرا سی مشابہت پائی جاتی ہے، وہاں بھی بیٹے کے قتل کرنے کا قصاص باپ سے نہیں لیا جاتا۔ پس جب کہ مالکیت و خالقیت کی ادنیٰ سی مشابہتوں کے بعد سوال و جواب کا مرحلہ ختم ہو جاتا ہو، تو جہاں یہ دونوں باتیں اپنی پوری حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوں، بھلا وہاں محاسبہ اور سوال کا حق کس کو ہو سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا ہے:

آیت 28:۔ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۳)

ترجمہ وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دِہ نہیں ہے اور سب اس کے آگے جواب دہ ہیں۔

دوم آپ نے کبھی اس مسئلہ پر بھی غور کیا ہے کہ آخر اس عالَم کی آفرینش ہوئی کیوں؟ یہاں صرف ذات جامع صفات کا ایک اقتضاء ہی تو تھا۔ لہٰذا اب جس صورت سے بھی یہ اقتضاء پورا ہوگا، وہی مناسب ہوگی۔ کمال یہ چاہتا ہے کہ مہر وقہر دونوں ہی کا ظہور ہو۔ اس لیے ضروری ہوا کہ دونوں کے اسباب بھی پیدا فرمائے جائیں۔ چونکہ جزا وسزا کا عنوان چاہتا ہے کہ جزا میں عمل کی کچھ تاثیر بھی عیاں رہے تاکہ اچھے پر اچھی جزا، اور بُرے عمل پر اس کی سزا دی جاسکے۔ اس لیے ضروری ٹھہرا کہ بندہ کو کچھ اختیار دے دیا جائے۔ اس تناسب کے لیے جتنا اختیار عقلاً ممکن تھا، وہ عطا کر دیا گیا، اور اسی پر جزا وسزا کو دائر کر دیا گیا۔ اب جب کبھی بندہ اپنے اس عطا کردہ اختیار سے برا عمل کرتا ہے، وہ دنیا میں بھی برا کہلاتا ہے، اور اگر بھلا کرتا ہے، بھلا کہلاتا ہے۔ جب اس کے ان افعال پر دنیا میں تعریف ومذمت کرنا معقول ہوگئی، تو آپ میں معقول کیوں نہ سمجھی جائے۔

ے چلا عدم سے میں ہستی کو، بول اُٹھی تقدیر بلا میں پھنسنے کو کچھ اختیار لیتا جا

رہ گئی یہ بات کہ جب برے افعال کرنا بُری بات ہے تو اُس کا پیدا کرنا کمال کیوں کر سمجھا جائے؟ تو سمجھئے کہ خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے۔ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ عمل اس کے ساتھ اس طرح قائم ہوتا ہے جیسے کپڑے کے ساتھ سفیدی اور سیاہی۔ اب جب اس لحاظ سے کپڑے کو سفید اور سیاہ کہہ سکتے ہیں، تو ان اعمال کے لحاظ سے بندہ کو بُرا اور بھلا بھی کہہ سکیں گے، مگر مخلوق خالق سے علیحدہ رہتی ہے، اور وہ اس کے ساتھ قائم نہیں ہوجاتی۔ لہٰذا بُری مخلوق خالق کی صفت نہیں ہوسکتی۔ البتہ اس کا پیدا کرنا اس کی صفت ہوتی ہے۔ صفتِ خلق بہرکیف کمال ہے۔ اسی لیے ناقص نہ خیر پیدا کرسکتا ہے نہ شر۔ کیونکہ خلق مطلقاً ایک کمال ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ خلقِ شر کمال کیوں ہے؟ تو ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ جب خلقِ کفر میں ظہورِ قہر کی مصلحت بھی ہو، تو پھر اس کو بھی مقتضائے کمال کیوں نہ کہا جائے؟

ے در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد، گر بولہبی نہ باشد

شاعر یہاں یہی مضمون کہہ رہا ہے کہ عالَم میں کفر اس لیے ضروری ہے کہ اگر ابولہب

جیسا کافر نہ ہوتا، تو پھر جہنم کی پیدائش کا فائدہ؟ بادشاہی کا کمال دونوں قسم کی طاقتوں ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے کافر کے حق میں کفر کتنا ہی قبیح سہی، لیکن خالق کے حق میں تو مظہرِ کمال ہوتا ہے۔ دیکھئے، بیت الخلاء یعنی پاخانہ خود کتنی ہی کمتر چیز ہو، لیکن ایک بڑی سے بڑی کوٹھی اس وقت تک ناقص ہی سمجھی جاتی ہے جب تک کہ اس میں یہ ناقص درناقص چیز بھی موجود نہ ہو۔ جس طرح ایک کوٹھی کے لیے بیت الخلاء کا وجود ضروری ہے، اسی طرح عالم کے کمال کے لیے بھی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مؤمنِ کامل کے بالمقابل ایک ابولہب جیسے کافر کی بھی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح کوٹھی میں یہ سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے کہ اس زمین نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو بیت الخلاء بنا دیا، اور اس ٹکڑے میں کیا کمال تھا کہ اس کو شہ نشین بنا دیا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ابولہب نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو کافر بنا دیا، اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ میں کیا کمال تھا کہ ان کو صدیقیت سے نواز دیا۔ یہ سب مالک کے اپنے ارادہ اور پسند کی بات ہے۔ کسی کو اس میں دخل در معقولات کا حق نہیں ہے۔

ے
قسمت کیا قسامِ ازل نے ہر ایک کو جو شخص جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ، تو پروانے کو جلنا غم ہم کو دیا جو سب سے مشکل نظر آیا

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فوائدِ قرآن کریم میں زیرِ تفسیر آیت:

آیت 29:۔ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ○ (الکہف:۴۹)

ترجمہ اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔

مسئلہ تقدیر کا حل اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''رب جو کرے، سو ظلم نہیں، سب اُسی کا مال ہے۔ پر ظاہر میں جو ظلم نظر آئے، وہ بھی نہیں کرتا۔ بے گناہ دوزخ میں نہیں ڈالتا، اور نیکی ضائع نہیں کرتا۔ اور جو کوئی کہے (یعنی اعتراض کرے): گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے؟ سو (یہ) بات نہیں (ہے)، اپنے دل سے پوچھ لے۔ جب گناہ پر دوڑتا ہے، اپنے قصد سے دوڑتا ہے۔ اور جو کوئی کہے: قصد بھی اُسی نے دیا۔ تو قصد دونوں طرف لگتا ہے۔ اور جو کوئی کہے: اُسی نے ایک طرف لگا دیا۔ سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے۔ بندہ سے معاملہ ہوتا ہے اس

کی سمجھ پر۔ بندہ بھی پکڑے گا اسی کو جو اس سے بدی کرے۔ یہ نہ کہے گا کہ اس کا کیا قصور؟ اللہ نے کرادیا"۔

آخر میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نظم ملاحظہ فرمائیں:

1 یاصاحبي! إن الکلام بقدرتك طویل وتحریر الخلاف یطول

ترجمہ عزیز من! تمہاری قدرت کی داستان بہت دراز ہے۔ اگر اس میں مذاہب کی تفصیلات بھی بیان کی جائیں، تو افسانہ اور دراز ہوتا ہے۔

2 ففیك اختیار لیس منك وذلك لجبر اختیار لا یکنك ذهول

ترجمہ اس لیے مختصر یہ سن لو کہ تم میں اختیار کی صفت تو یقیناً پیدا فرمائی گئی ہے، مگر اس اختیار پر تمہارا اختیار نہیں ہے۔ اس لیے یہاں جبر بھی ہے، مگر افعال پر نہیں، اختیار پر ہے۔

3 وأما اختیار مستقل فإنه محال فلا یسألك عنه سؤول

ترجمہ اب رہا، ایسا اختیارِ مطلق جس کے اوپر کسی کا جبر نہ ہو، تو وہ مخلوق کے حق میں محال ہے۔ نہ مخلوق خالق بن سکتی ہے، نہ اختیارِ مستقل اس کو مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق تم سے کوئی حریص سوال نہ کرے۔

4 فأفعالنا منا علی إختیارنا ولکنها نحو القدیر یؤل

ترجمہ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارے افعال ہماری قدرت سے سرزد ہوتے ہیں، اور ہمارے اختیار ہی سے سرزد ہوتے ہیں، لیکن چونکہ ہماری قدرت و اختیار قادرِ مطلق کی عطا فرمودہ ہیں، اس لیے افعال کی نسبت اس طرف بھی رہتی ہے۔

5 وهذا هو الکسب الذی کلفوا به وفیه اقتصاد فلیکنك قبول

ترجمہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں خلق وکسب کا جو فرق فرمایا ہے، اس کی تفسیر بھی یہی ہے، اور یہی درمیانی راہ بھی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ تم اس کو بسر و چشم قبول کرلو۔

6 ویثمر شرٌّ شر ماینبغی له فیزعمه الظلم الصریح جهول

ترجمہ رہا، جزاوسزا کا مسئلہ، تو وہ واضح ہے کہ شر سے شر ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ جاہل آدمی اس کو ظلم سمجھنے لگتا ہے۔

7 کإیراث خبث البذر خبث نباته طباعاً ولا یأتیه قال یقول

ترجمہ دیکھو، اگر خراب درخت کا تخم ہو، تو کیا اس سے ویسا ہی درخت طبعاً پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کون سوال و جواب کرتا ہے کہ اس تخم سے یہ خراب درخت ہی کیوں پیدا ہوا؟

8 ولیس جزاء ذاك عين فعالنا ولكن ستراً حال سوف يزول

ترجمہ اگر غور کرو، تو جس کو تم جزا سمجھ بیٹھے ہو، یہ جزا نہیں، وہی دنیا میں کیے ہوئے تمہارے اچھے برے اعمال ہیں، جو دوزخ اور جنت میں ثواب و عذاب کی شکل میں نظر آئیں گے۔ جو حجاب یہاں ہماری آنکھوں پر اس حقیقت کے دیکھنے سے مانع ہو رہا ہے، قیامت میں وہ اُٹھ کر رہے گا۔ اس حقیقت بات صاف صاف نظر آ جائے گی۔

9 ولا يستوي الميزان إلا بخصلة تفوت بأدنى ميلة فيعول

ترجمہ ترازو کے دونوں پلوں کے برابر رہنے کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے، جہاں ایک طرف جھکاؤ پیدا ہوا، تو برابری ختم ہوگئی۔ اسی طرح تقدیر کے جبر و اختیار کے پلوں کو بھی برابر رکھنا چاہیے، ورنہ جبریہ یا قدریہ میں شامل ہو جاؤ گے۔

(ترجمان السنہ، ج ۳ ص ۲۰ تا ۲۸؛ العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج ۳ ص ۳۸۴)

21 کتابتِ تقدیر کے فوائد

کتابتِ تقدیر میں کچھ مختلف فوائد بھی ہیں:

1 تقدیر پر ایمان کے ذریعہ آدمی اس ہم آہنگ نظم و نظام کو سمجھ سکتا ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ جان لے گا کہ تمام کائنات ایک منظم و متحد قانون کی پابند ہے، کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں پوری طرح یگانگت ہے، سرِ مو تفاوت نہیں۔ (بال برابر بھی فرق نہیں)

2 جس شخص کا تقدیرِ الٰہی پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہوگا اور وہ جانتا ہوگا کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہے، کوئی امر منتظر نہیں۔ ہر بات فیصل ہو چکی ہے۔ اس کی نگاہ اللہ کی قدرت کاملہ کی طرف اُٹھی رہے گی۔ وہ دنیا و مافیہا کو اللہ تعالیٰ کا پَرتو سمجھے گا، وہ جان لے گا کہ ہر چیز قضاء و قدر سے ہے حتی کہ اختیاری اعمال میں بھی بندوں کو جو اختیار حاصل ہے وہ اللہ کی دَین ہے، انھوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی

اختیار حاصل ہو۔ اسی فیصلے کی وجہ سے بندے مختار ہیں، اور بندوں کا حال اس معاملہ میں ایسا ہے جیسا آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا ہے کہ وہ ذی صورت کا پَرتو اور ظل ہے۔ اسی طرح بندوں کو اختیار بھی خالقِ ارض وسماء کی طرف سے ملا ہے، اور جب بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھے گا اور خود کو "مردہ بدست زندہ" سمجھے گا تو وہ ہر معاملہ میں مطمئن رہے گا، کسی معاملہ میں اس کو کوئی غیر معمولی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، وہ ہر حالت کو اللہ کی طرف سے سمجھے گا۔

آیت 1:۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۝ (النساء:78)

ترجمہ آپ ﷺ فرما دیجیے: سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

3 جس طرح دیدارِ خداوندی آخرت میں نصیب ہوگا مگر اس کی تیاری نمازوں کی پابندی کے ذریعہ اسی دنیا میں کرنی ہے۔ اسی طرح تقدیر پر ایمان آدمی میں رفتہ رفتہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یکساں اور ہم آہنگ تدبیرِ خدائی کو سمجھ سکے۔ گو کہ اس کا انکشافِ تام آخرت میں ہوگا مگر اس کی صلاحیت ابھی سے پیدا کرنی ہے، اور وہ تقدیر پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ 1:663-666)

4 تقدیر اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جمیع مخلوقات کا علم پہلے سے حاصل تھا، کیونکہ یہ بدیہی ہے کہ جب تک کسی کو پہلے سے علم نہ ہو، وہ کسی مخلوق کو کسی حکیمانہ نظام کے تحت پیدا نہیں کر سکتا۔

5 تقدیر میں چونکہ ہر چیز کا پورا پورا اندازہ اور اُس کی مخصوص مقدار وشکل بھی لکھی ہوئی موجود ہے۔ اس لیے یہ اس کے علم کی اور واضح دلیل ہے۔ گویا خلق اور پیدا کرنے کے لیے جہاں پہلے سے اس شے کا علم ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس کا صحیح صحیح اندازہ اور اُس کی پوری پوری شکل کا بھی علم ہو، تاکہ اسی کے مناسب اس کو پیدا کیا جا سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آیت 30:۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ (القمر:۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر (اندازہ) کے ساتھ پیدا کی ہے۔

آیت 31:۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (الطلاق:۳)

ترجمہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔

آیت 32:۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ (الفرقان:۱،۲)

ترجمہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

6 تقدیری حالات چونکہ مخلوقات کے وجود سے بھی پہلے مفصلاً لکھ کر رکھ دیئے گئے ہیں، جن کا بقدرِ ضرورت انکشاف انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعہ اُن کے وقوع سے پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ تو یہ اس بات کا اور بدیہی ثبوت ہوگا کہ جب ان اُمور کا علم بندوں کو ممکن ہے، تو پھر خالق کو بھلا کیوں کر نہ ہوگا۔

7 تقدیر کی کتابت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالَم حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے پیدا ہوا ہے، اس طرح نہیں جیسا کہ آفتاب سے دھوپ کا صدور اضطراراً ہوتا ہے۔

8 چونکہ تقدیر عالَم کے وجود سے قبل لکھی گئی، اس لیے جہاں ایک طرف یہ حق تعالیٰ کے اختیار و مشیت کی دلیل ہے، اسی طرح تمام مخلوق کے حدوث کی بھی دلیل ہے۔ حدوث کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ تمام کی تمام مخلوق معدوم تھی، پھر مشیتِ الٰہیہ اور اُس کی قدرت سے پیدا ہوئی ہے۔ یوں نہیں ہے کہ ہمیشہ سے اسی طرح بنی بنائی موجود تھی۔ جب صانعِ عالَم نے عالَم کو پیدا فرمایا اور اس طرح پیدا فرمایا کہ اس کے ساتھ عرش وکرسی بھی پیدا فرمائے۔ اس کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے ابر و باد بھی بنائے، اور باطنی نظام چلانے کے لیے فرشتے بھی مقرر فرمائے، تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اس کا نظام بھی مقرر فرما کر لکھ دیا جاتا۔ بس یہی قضاء وقدر اور اس کی کتابت کی حکمت ہے۔

حوالہ فَإِذَا كَانَ الْخَالِقُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ قَدْ جَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا، وَجَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ أَسْبَابِ الْمَعَايِشِ كَالرِّيَاحِ وَالْأَمْطَارِ وَغَيْرِهَا خَزَائِنَ لَا يُنَزِّلُهَا إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوْمٍ، وَإِذَا كَانَ مِنْ حِكْمَتِهٖ أَنْ جَعَلَ لِهٰذَا الْمُلْكِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ يُدَارُ بِأَعْلٰى دَرَجَةٍ مِنَ التَّقْدِيْرِ وَالتَّنْظِيْمِ عَرْشًا عَظِيْمًا هُوَ مَصْدَرُ التَّدْبِيْرِ، أَفَلَا يَكُوْنُ مِنْ كَمَالِ الْحِكْمَةِ وَالْإِتْقَانِ أَنْ يَكُوْنَ لِذٰلِكَ كِتَابٌ

مُبِينٌ هُوَ مَظْهَرُ ذٰلِكَ النِّظَامِ وَالتَّقْدِيرِ، كَمَا يُعْهَدُ لِلْمَمَالِكِ الْمُنَظَّمَةِ مِنْ كُتُبِ النُّظُمِ وَالْقَوَانِينِ؟ بَلْ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى۔

(تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار)،لرشید رضا، ج ۷ ص ۳۹۸)

وَيُقَالُ إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ طَاهِرٍ أَمِيرَ خُرَاسَانَ لِلْمَأْمُونِ سَأَلَ الْحُسَيْنَ بْنَ الْفَضْلِ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالٰى: "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ مَعَ هٰذَا الْحَدِيثِ". فَأَجَابَ هِيَ شُؤُونٌ يُبْدِيهَا لَا شُؤُونٌ يَبْتَدِيهَا. فَقَامَ إِلَيْهِ وَقَبَّلَ رَأْسَهُ۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱۱ ص ۴۹۲)

ترجمہ حضرت مامون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے والی خراسان: حضرت عبد اللہ بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسین بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''جب سب کچھ طے ہو کر لکھا بھی جا چکا ہے، تو کہیے: پھر ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۝ (الرحمٰن: ۲۹)'' (ہر آن وہ نئی شان میں ہے) کا کیا مطلب ہے؟''۔ انھوں نے جواب دیا: ''اپنی نئی نئی شانوں کا وہ ہر دن اظہار فرمایا کرتا ہے، اگرچہ طے پہلے کر چکا تھا، یہ نہیں کہ ان کی ابتداء ہی اب کرتا ہے''۔ یہ جواب سن کر امیر خراسان حضرت عبداللہ بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ اُٹھ کھڑے ہوئے، اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔

22 تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد

یہ بات باعث تعجب ہے کہ شریعت نے تقدیر پر بحث کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اکثر لوگ ممانعت کے باوجود اس پر بحث کرتے نظر آتے ہیں، جب کہ تقدیر پر ایمان لانے کے بے شمار فوائد ہیں، لیکن ان فوائد کی طرف لوگوں کی توجہ بہت کم جاتی ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے سے نہ صرف انسان کا ایمان مکمل ہوتا ہے بلکہ اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ جو شخص طاعون پھیلنے کے باوجود اپنے شہر میں صبر کر کے رہائش پذیر ہے اور یہ یقین رکھے کہ جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہی ہوگا۔ اس کے لیے شہید کے برابر ثواب ہے۔ (بخاری رقم 3474، 5734، 6619)

اجر و ثواب کے علاوہ عملی زندگی میں انسان کو تقدیر پر ایمان لانے کے ان گنت فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

1 شرک سے نجات

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ:

ا اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں نفع لکھا ہے، ساری دنیا مل کر بھی اسے نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی اور جس کی تقدیر میں نقصان لکھا ہے ساری دنیا مل کر بھی اسے نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی۔

۲ اللہ تعالیٰ نے جو مصائب و آلام کسی کی تقدیر میں لکھے ہیں، ساری دنیا مل کر بھی اسے راحتوں اور مسرتوں میں تبدیل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی، اور جو راحتیں اور مسرتیں کسی کی تقدیر میں لکھی ہیں، ساری دنیا مل کر بھی انھیں مصائب و آلام میں بدلنا چاہے تو نہیں بدل سکتی۔

۳ اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں جتنی اولاد لکھی ہے، ساری دنیا مل کر بھی اسے اولاد سے محروم کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی، اور جس کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے اولاد سے محرومی لکھی ہے، ساری دنیا مل کر بھی اسے اولاد دینا چاہے، تو نہیں دے سکتی۔

۴ اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں بیماری کی جتنی مدت لکھی ہے، اس سے پہلے اسے ساری دنیا مل کر بھی صحت دینا چاہے، تو نہیں دے سکتی اور جتنی مدت اس کی تقدیر میں صحت لکھی ہے، اسے ساری دنیا مل کر بھی بیمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔

۵ اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں جتنی روزی لکھی ہے، ساری دنیا مل کر بھی اس سے وہ روزی چھیننا چاہے، تو بھی چھین نہیں سکتی اور اگر ساری دنیا مل کر بھی اس میں اضافہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔

۶ اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں جتنی زندگی لکھی ہے، اس سے پہلے ساری دنیا مل کر بھی اسے موت دینا چاہے تو نہیں دے سکتی اور جس کی تقدیر میں موت کا جو وقت معین ہے اسے ساری دنیا مل کر بھی ٹالنا چاہے تو نہیں ٹال سکتی۔

۷ اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں کامیابی لکھی ہے ساری دنیا مل کر بھی اسے ناکام بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتی اور جس کی تقدیر میں ناکامی لکھی ہے ساری دنیا مل کر بھی اسے

کامیاب بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتی۔

۸ اللہ تعالیٰ نے جس کی تقدیر میں نظرِ بد لکھی ہے اسے ساری دنیا مل کر بھی نظرِ بد سے بچانا چاہے تو نہیں بچا سکتی۔

قارئین کرام غور فرمایئے! جس شخص کا تقدیر پر یہ غیر متزلزل ایمان ہوگا:

۱ کیا وہ اولاد حاصل کرنے کے لیے کسی درگاہ پر حاضری دے گا؟

۲ کیا وہ شفا حاصل کرنے کے لیے کسی مزار پر جا کر دھاگے باندھے گا یا منتیں مانے گا؟

۳ کیا وہ اپنی حاجتیں اور مرادیں پوری کروانے کے لیے کسی گدی نشین کے حضور نذرانے پیش کرے گا؟

۴ کیا وہ اپنی ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے لیے کسی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائے گا؟

۵ کیا وہ حادثات سے بچنے کے لیے اپنی گاڑی پر کالے کپڑے یا جوتے لٹکائے گا؟

۶ کیا وہ نظر بد سے بچنے کے لیے گھر پر پنجے کا نشان یا کسی مخصوص درخت کی ٹہنیاں لٹکائے گا؟

۷ کیا وہ بری تقدیر سے بچنے کے لیے کسی نجومی کے پاس جائے گا؟

۸ کیا وہ موت سے بچنے کے لیے کسی جن بھوت سے یا کسی چھوٹی بڑی سرکار سے خوف کھائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر پر غیر متزلزل ایمان ہی وہ عظیم نعمت ہے جو انسان کو شرک کی تمام چھوٹی بڑی اقسام سے بچاتا ہے۔ نیز دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے اور دَر دَر پر ذلیل و رسوا ہونے سے نجات دلاتا ہے اور آخرت میں جہنم کے عذابِ الیم سے بھی بچاتا ہے:

آیت 33:۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر: ۱۵، ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰، ۵۱)

ترجمہ پھر کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا!

2 صبر کی توفیق

انسانی زندگی میں دکھ اور سکھ، مصائب و آلام اور مسرت و آرام ساتھ ساتھ چلتے ہیں:

۱ کہیں بوڑھے والدین اپنے اکلوتے سہارے سے محروم ہوتے نظر آتے ہیں۔
۲ کہیں چند روز کی دلہن کا سہاگ اجڑتا نظر آتا ہے۔
۳ کہیں ایک ہی خاندان کے سارے کے سارے افراد کی جان لیوا حادثے کی نذر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔
۴ کہیں نابالغ بچے یتیمی کے صدمے سے دوچار نظر آتے ہیں۔
۵ کہیں لہلہاتی فصلیں بادوباراں کی نظر ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔
۶ کہیں بستیوں کی بستیاں زلزلوں کی زد میں آکر صفحۂ ہستی سے مٹتی نظر آتی ہیں۔
۷ کہیں کاروبار میں لاکھوں اور کروڑوں کا نقصان، ساری زندگی کی کمائی کو آن کی آن میں راکھ کا ڈھیر بنتا نظر آتا ہے۔
۸ کہیں یکے بعد دیگرے اموات کے صدمے اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹتے نظر آتے ہیں۔

ایسے حالات میں فقط تقدیر پر ایمان کا عقیدہ ہی ایک ایسی نعمت ہے جو انسان کو صبر ور سکون عطا کرتا ہے۔ کس قدر سکون بخش اور راحت بخش عقیدہ ہے یہ کہ جو بھی مصیبت، آزمائش یا صدمہ مجھ پر آیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں لکھ رکھا تھا جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی تھی۔ اس مصیبت پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوں گے اور مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز اور دشوار گزار راستوں میں تقدیر پر ایمان بھی انسان کو زندہ رہنے کا حوصلہ اور عزم عطا کرتا ہے۔ صبر و ثبات اور سکون مہیا کرتا ہے جب کہ تقدیر پر ایمان سے محروم لوگ ایسے حالات میں یا تو خودکشی کر لیتے ہیں یا صدموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔۔۔۔ کتنی بڑی نعمت ہے تقدیر پر ایمان!

3 اخلاقِ رذیلہ سے نجات

تقدیر پر ایمان لانے کا ایک بہت ہی اہم فائدہ یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کے اخلاقِ

رذیلہ مثلاً: حسد، کینہ، بغض، نفرت، تکبر اور غرور جیسے کبیرہ گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں کتاب التقدیر میں ایک باب قائم کیا ہے:

وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ○ (الاحزاب:۳۸)

ترجمہ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں سب سے پہلے درج ذیل حدیث لائے ہیں:

حدیث 8:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا، وَلْتَنْكِحْ، فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا". (بخاری رقم 6600)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی عورت اپنی بہن (یعنی پہلی بیوی) کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ (بعد میں) خود اس سے نکاح کر کے اس کا حصہ خود حاصل کرے۔ کیوں کہ اسے تو اتنا ہی ملے گا جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے''۔

ایک مرد کے نکاح میں دو یا تین عورتوں کا آپس میں حسد یا نفرت کرنا تو عام سی بات ہے اور اکثر اوقات دوسرے نکاح سے قبل عورتیں (یا ان کے ولی) یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ پہلی بیوی کو طلاق دی جائے۔ اس حسد کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تقدیر پر ایمان ہی بتایا ہے''۔ اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کر کے عورت کبیرہ گناہ کی مرتکب تو یقیناً ہو جائے گی لیکن اسے ملتا وہی کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھ رکھا ہے نہ اس سے زیادہ، نہ کم۔

آج کل کے مادہ پرستانہ دور میں حسد کا فتنہ بے شمار صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے:

۱ ایک جیسا کاروبار کرنے والے دو تاجر ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔

۲ ایک جیسی فصل بونے والے دو کسان آپس میں ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔

۳ ایک ہی جگہ ملازمت کرنے والے دو افسر آپس میں ایک دوسرے سے حسد کرتے

ہیں۔

۴ رشتہ لینے دینے میں لوگ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔

۵ مال و دولت، اعلیٰ مناصب اور اونچے گھرانوں والے ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔

۶ ایک دوسرے کی معاشرے میں عزت اور وقار پر حسد کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض جاہل اور نادان مرد، عورتیں ایک دوسرے کی اچھی شکل وصورت یا قابلِ رشک صحت اور ایسی ہی دیگر خداداد صلاحیتوں پر حسد کرتے ہیں۔

حسد کی یہ آگ بعض اوقات اس قدر شدت اختیار کر جاتی ہے کہ حاسد اپنے حسد کی آگ بجھانے کے لیے جادو اور ٹونے ٹوٹکے جیسے کفریہ یا کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہو کر محسود کو ہی اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اپنی دنیا و آخرت بھی برباد کر لیتا ہے۔ دین و دنیا کی ساری تباہی تقدیر پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔

۱ اگر تاجر کا یہ ایمان ہو کہ روزی تو اس کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی جا چکی ہے۔ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ۔ تو وہ کبھی حسد میں مبتلا نہ ہو۔

۲ اگر طالب علم کا یہ ایمان ہو کہ اس کی کامیابی یا ناکامی تقدیر میں لکھی ہے، جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا تو کوئی طالب علم کسی دوسرے طالب علم سے حسد نہ کرے۔

۳ اگر کسان کا یہ ایمان ہو کہ میری فصل کی آمدنی تو تقدیر میں پہلے سے لکھی جا چکی ہے، تو وہ کسی دوسرے کسان کی زیادہ آمدنی پر حسد نہ کرے۔

۴ اگر لوگوں کا یہ ایمان راسخ ہو کہ تمہارے بیٹے یا بیٹی کی تقدیر میں جو رشتہ لکھا ہے، اسے کوئی دوسرا چھین نہیں سکتا تو لوگ کبھی رشتوں کے بارے میں ایک دوسرے سے حسد نہ کریں۔

پس تقدیر پر ایمان ہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو ہمیں ان کبائر میں مبتلا ہونے سے بچاتی ہے۔

حسد جہاں دینی اعتبار سے ایمان کی جڑ کاٹنے والا گناہ ہے، وہاں دنیاوی اعتبار سے بھی سخت نقصان دہ ہے۔ ماہرین طب کے نزدیک موجودہ دور کے عام امراض مثلاً:

ڈیپریشن، شوگر، بلڈ پریشر، ہارٹ اٹیک، معدے کا السر، سر درد، جنسی عوارض، اعصابی تناؤ، بے خوابی، جلد پر جھریاں اور سفید بال جن میں معاشرے کا ہر تیسرا فرد مبتلا ہے، کا اصل سبب یہی حسد، کینہ اور بغض کی بیماری ہے۔

حسد، کینہ اور بغض وغیرہ کی طرح تکبر اور غرور بھی بہت مہلک مرض ہے۔

تکبر انسان کرتا ہے: دولت کی فراوانی پر، اعلیٰ منصب پر، معاشرے میں کسی امتیازی مقام و مرتبہ پر، ذہانت اور فطانت پر، اچھی تحریر یا اچھی تقریر کا ملکہ ہونے پر، اپنی خوب صورت اور اچھی آواز پر، اپنی حسین و جمیل شکل و صورت پر، اپنی گاڑی اور بنگلے پر، وغیرہ۔

بلاشبہ یہ ساری اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھ دی تھیں۔ کسی انسان میں یہ طاقت اور قوت نہیں کہ وہ اپنی تقدیر میں لکھی ہوئی نعمتوں میں ذرہ برابر اضافہ کر سکے۔ جس کا یہ ایمان راسخ ہو، اس کے دل میں تکبر کیوں کر پیدا ہوگا؟ وہ تو اپنی تقدیر میں لکھی ان نعمتوں پر انکسار اور عاجزی اختیار کرے گا اور مغرور یا متکبر بننے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن کر رہے گا۔

4 ادعیہ واذکار کا اہتمام

تقدیر بلاشبہ ایک مخفی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو علم نہیں۔ تقدیر اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اچھی تقدیر انسان کے لیے خوشیاں اور مسرتیں لاتی ہے، جب کہ بری تقدیر رنج اور غم لے کر آتی ہے۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ خوشیوں اور مسرتوں کے مواقع دیکھنا چاہتا ہے اور مصائب و آلام سے حتی الامکان محفوظ رہنا چاہتا ہے۔ انسانی فطرت کی یہ کمزوری یا خوبی انسان کو بے اختیار اللہ کے حضور دستِ دعا پھیلانے پر مجبور کر دیتی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہے، مصائب و آلام سے پناہ مانگتا ہے۔

غور فرمائیے! کیا عملی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا کہ:

۱ بجلی کی خراب وائرنگ کے باعث اچانک گھر میں آگ لگ جاتی ہے۔
۲ سارا سال محنت کرنے والا طالب علم امتحان کے دنوں میں بیمار پڑ جاتا ہے۔
۳ غسل خانے میں اچانک پاؤں پھسلنے سے پاؤں میں موچ آجاتی ہے۔
۴ میڈیکل رپورٹ میں اچانک کینسر کی بیماری نکل آتی ہے۔
۵ بارش یا زلزلہ میں اچانک مکان کی چھت گر پڑتی ہے۔
۶ اچھا بھلا سونے والا آدمی صبح جاگتا ہے تو اس کا باز و مفلوج ہوتا ہے۔
۷ اچانک رات کو ڈاکو آتے ہیں اور گھر لوٹ کر لے جاتے ہیں۔
۸ گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے اور آدمی دفتر کی بجائے ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔
۹ چند ماہ کا بچہ گود میں لے کر آپ باہر نکلتے ہیں اور اسے کسی کی نظر لگ جاتی ہے۔

بتایئے ان تمام مسائل کا اور ان جیسے دیگر بیسیوں مسائل کا ہمارے پاس کیا حل ہے؟ عملی زندگی میں ہمیں ایسے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے اور یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو ہماری تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں لیکن ہم سے مخفی ہوتی ہیں۔

اس مخفی تقدیر سے بچنے کا راستہ اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ انسان ہر وقت اور ہر لمحے اللہ تعالیٰ سے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا رہے اور بری تقدیر سے، بری نظر سے، برے ساتھی سے، برے دن سے، بری رات سے، برے لمحہ سے، برے حادثات سے اور بری موت سے ہر وقت اللہ کی پناہ طلب کرتا رہے۔

امر واقعی یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان ہماری زندگی کے چند ایک پہلوؤں پر ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر معاشرے میں تقدیر پر ایمان راسخ ہو جائے تو پورے کا پورا معاشرہ شرک، حسد، بغض، کینہ، نفرت، لڑائی جھگڑا، ناشکری، گلے شکوے، تکبر اور غرور جیسی قبیح برائیوں سے پاک اور صاف ہو کر توحید، خلوص، شکر گزاری، ہمدردی، محبت، اخوت، راحت، عاجزی اور انکسار جیسی اعلیٰ وارفع اقتدار کا گہوارہ بن جائے۔ پورا معاشرہ نہ سہی کم از کم ہم اپنے گھروں میں، اپنی اولادوں میں اور اپنے بہن بھائیوں میں یہ تعلیم عام کر کے اپنے قریبی ماحول کو پرسکون بنا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

23 قضاء وقدر اور اکتشافات عصریہ کا اس پر اثر وقدر

اگر چہ عہدِ قدیم سے یہ مسئلہ عقلاء کے درمیان معرکۂ بحث بنا ہوا ہے، مگر ہمارے دور میں جس نظریہ کے ماتحت اس پر نظر ڈالی جارہی ہے، وہ قدیم نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ عہدِ ماضی میں خالق کی زبردست ہستی تو سب کو مسلّم تھی بحث صرف اسی میں تھی کہ بندوں کے افعال قدرت کی گرفت سے آزاد ہیں یا ان پر بھی اس کا فولادی شکنجہ کسا ہوا ہے؟ لیکن دورِ حاضر کا انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ جب اکتشافات عصریہ (Modern Discoveries) نے یہ ثابت کر کے دکھا دیا ہے کہ انسان اپنے افعال کی دنیا ہی نہیں بلکہ اپنی ضروریات کی جملہ مصنوعات کی تخلیق وتخریب کے لیے خود کافی ہے، تو اب کسی خارجی قدرت کو بے وجہ تسلیم کیے چلے جانا محض بے معنی اور کورانہ تقلید ہے۔ گویا اب بحث یہ نہیں رہی کہ کوئی خارجی طاقت تو موجود ہے، مگر ہمارے افعال پر اس کا کنٹرول کتنا ہے بلکہ نقطۂ بحث یہ بن گیا ہے کہ انسانی قدرت کے ان مظاہروں کے بعد کیا اس پر کسی خارجی قدرت کا تسلط تسلیم کر لینا معقول بھی ہے؟ عالم غیب سے اس نا آشنا جماعت کو یہ خبر ہی نہیں کہ مسئلہ تقدیر انسانی جدوجہد یا اس کی درماندگی کی وجہ سے کسی وقت بھی زیر بحث نہیں رہا، بلکہ ہمیشہ زیر بحث یہ رہا ہے کہ انسانی افعال خواہ وہ معمولی سے معمولی ہوں یا مشکل سے مشکل، درحقیقت ان میں انسانی قدرت کا دخل ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کتنا؟ جس جماعت کا خیال یہ ہے کہ انسان گو خود مخلوق ہے مگر اپنے افعال کی تخلیق کی اس کو پوری پوری قدرت عطا کر دی گئی ہے، اس کے نزدیک اس کے محیر العقول کارنامے اور اس کے معمولی سے معمولی افعال دونوں کے دونوں اسی کی قدرت کے رہینِ منت ہیں، اور جس کے نزدیک اس کو یہ قدرت عطا نہیں ہوئی، اس کے نزدیک بھی انسانی افعال میں معمولی اور غیر معمولی کی کوئی تفریق نہیں، خواہ وہ سائنس کی جدید ایجادات ہوں یا ادنیٰ سے ادنیٰ افعال، دونوں کے دونوں اس کی قدرت سے خارج اور براہِ راست قدرت الٰہیہ کے زیر اثر ہیں۔

پس انسان کی مصنوعات کی حیرت انگیز ترقیات دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا گویا اب مسئلہ تقدیر سے حجاب اٹھ گیا ہے، صرف ایک خوش فہمی ہے۔ یاد رکھیئے، کارخانۂ عجائبات جتنا پھیلتا چلا جائے گا قضاء وقدر کا سوال بھی اتنا ہی اور پھیلتا چلا جائے گا کیونکہ قضاء وقدر کا سبق ہمیں اپنی مصنوعات اور مساعی سے کہیں باہر جا کر نہیں پڑھنا ہے، بلکہ خود اپنے ان افعال ہی کے ضمن میں پڑھنا ہے۔ اس لیے افعال کا عمق جتنا اور بڑھتا رہے گا قضاء وقدر کا سوال بھی اتنی ہی گہرائی میں اٹھتا رہے گا۔

24 قضاء وقدر اور انسانی جدوجہد سے اس کا تعلق

موجودہ مفکرین کو ایک مغالطہ یہاں یہ بھی ہے کہ مسئلہ قضاء وقدر انسانی ترقیات میں ایک بہت بڑی رکاوٹ کا باعث ہے۔ ان کے زُعم میں انسانی دماغ پر کسی فوقانی طاقت کی قہرمانی کے اعتقاد کا اثر اس کے عزائم اور قوائے عملیہ پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ تقدیر پر یقین کر کے عزم و ہمت کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی پوری پوری جدو جہد کر نہیں سکتا بلکہ اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا اور نوشتۂ تقدیر پر اعتماد کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہتا ہے۔ یہ مغالطہ بھی محض اپنی ہی خام خیالی کا ثمرہ ہے کیونکہ اس مسئلہ کا حاصل محض ایک غیبی حقیقت کا انکشاف ہے یعنی یہ کہ عالمِ اسباب میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے خواہ وہ اسباب ہوں یا ان کے نتائج۔ یہ دونوں حالتیں اس کے وسیع احاطہ میں شامل ہوتی ہیں۔ یوں نہیں ہے کہ تقدیر تو کہیں جداگانہ لکھی ہوئی رکھی ہے اور انسانی افعال اس سے کہیں ایک طرف ہو رہے ہیں، بلکہ وہ انسانوں کی ان ہی مختلف جدو جہد میں پنہاں ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی یہ ظاہری جدو جہد سب اسی کی مسخر اور اسی کے تابع ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے بھی، تو کر نہیں سکتا، بلکہ اس کے دل میں اس ارادہ کا خطور بھی نہیں ہو سکتا۔

اگر تقدیر کے تحت صرف ثمرات و نتائج ہوتے اور اسباب و وسائل اس سے باہر، تو اب اسباب و وسائل میں ضعف کا امکان ہوتا، اور ہر انسان یہ خیال کر سکتا تھا کہ جب نتائج طے شدہ ہیں، تو اب اپنی جدو جہد بے سود ہے، لیکن جب کہ نتائج کی طرح اسباب بھی

احاطۂ تقدیر میں شامل ہو چکے ہیں، تو صرف اس عقیدہ سے ترکِ اسباب کا اثر کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ ثمرات ونتائج کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا۔ فرض کرلو اگر ہمیں کسی معاملہ میں اپنی کامیابی یا ناکامی کا علم ہو جائے، تو ہوسکتا ہے کہ ہماری عملی جدو جہد بھی سرد پڑ جائے، لیکن اگر نتائج کا علم ہی نہ ہو، اور اسباب کے علم کے ساتھ ساتھ ان پر قدرت بھی حاصل رہے تو کیا کوئی انسان ان کے ارتکاب سے باز رہ سکتا ہے، یا اس کے عزم میں کوئی ادنیٰ سا اضمحلال بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ نتائج سے لاعلمی کی وجہ سے اسباب کے ارتکاب کرنے پر فطرۃً مجبور ہو گا اور اسے ہونا بھی چاہیے۔ بلکہ اگر نتائج کا علم بھی ہو جائے، پھر بھی قضاء وقدر پر اعتقاد کسی ادنیٰ ضعف کا موجب نہیں ہوسکتا کیونکہ تقدیر یہ تعلیم نہیں دیتی کہ جب نتائج میرے احاطہ میں شامل ہو چکے ہیں تو اب وہ برآمد ہو کر ہی رہیں گے خواہ تم سعی کرو یا نہ کرو، بلکہ یہ حکم دیتی ہے کہ تم میری طرف مت دیکھو، تم اپنی عملی جدو جہد جاری رکھو اور اپنی حماقت سے یہ مت سمجھو کہ اسباب ووسائل کا ارتکاب کرنا میرے وسیع احاطہ سے خارج ہے وہ بھی ٹھیک نتائج کی طرح اس کے اندر داخل ہے۔ اس لیے جس طرح نتائج مقدرہ کا ظہور ضروری ہے۔ اسی طرح اسبابِ مقدرہ کا ارتکاب کرنا بھی لازمی ہے۔ ہاں ضروری ہے کہ قضاء وقدر پر ایمان رکھنے کے بعد اسباب پر وہ اعتماد نہیں رہتا جو منکرینِ قدر کو ہوتا ہے، تو ہمیں اس بات کا اعتراف کر لینے میں ذرا تامل نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک اسباب پر یہ بے اعتمادی ایمان باللہ کا لازمی ثمرہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود قضاء وقدر کا نتیجہ ترکِ اسباب نہیں نکلتا۔ مؤمن بالقدر بھی پوری سعی کرتا ہے مگر اس یقین پر کہ فتح ونصرت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، لیکن چونکہ ارتکابِ اسباب کے لیے اس کا حکم ہے اور ان ہی کے ضمن میں اس کا وعدۂ نصرت بھی ہے۔ اس لیے ان کا ارتکاب لازم ہے اور جو منکرِ قدر ہے سعی وہ بھی کرتا ہے مگر بندۂ اسباب بن کر۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ صرف ایک علمی اور مخفی حقیقت کا انکشاف ہے۔ اگر اس کو انسانی جدو جہد کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا بھی اختلاف ہوتا، تو اس عقیدہ پر ایمان لانے کے ساتھ شریعت ہم پر عملی جد و جہد کا بوجھ کبھی نہ ڈالتی، حالانکہ قرآن کریم کی صدہا

آیات، احادیث کے دفتر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک لمحہ ہم کو یہی سبق دیتا ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی زندگی اگر دیکھی جائے، تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قضاء وقدر پر اعتماد کا سبق انھوں نے ہمیشہ عملی جدوجہد کے ضمن میں ہی پڑھا ہے۔ فتح وشکست کے میدانوں اور نماز و نیاز کی عبادت گاہوں میں دونوں جگہ یکساں عملی سرگرمی نظر آتی ہے۔ تقدیر کا انکار کرنے والے شاید اس کا کوئی شمہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔

25 مسئلہ تقدیر کے لاینحل ہونے کا راز

یہاں دو حقیقتیں اپنی اپنی جگہ اس طرح ثابت شدہ ہیں کہ جب انسان ان کو جدا جدا دیکھتا ہے تو ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، مگر جب دونوں کو جمع کرنے کی سعی کرتا ہے تو یکسر ناکام ہو کر رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دو باتیں ہیں تو جس طرح وہ علیحدہ علیحدہ صحیح ہیں، اسی طرح دونوں کو مل کر بھی صحیح رہنا چاہیے۔ مگر اس مسئلہ میں جب ان دو ثابت شدہ حقائق پر ایک ساتھ نظر ڈالی جاتی ہے، تو ان میں کھلا تضاد نظر آنے لگتا ہے۔ اس لیے نہ تو انسان بیک وقت دو متضاد باتوں پر جزم ہی کر سکتا ہے اور نہ ثابت شدہ حقائق کے صاف انکار کر دینے کی جرات کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کے سامنے تفویض و تسلیم کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

دیکھئے، انسان جب اپنے وجدان کی طرف غور کرتا ہے تو اپنے نفس میں جبر کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی محسوس نہیں کرتا اور اس کو اتنا ہی مختار پاتا ہے جتنا کہ صفتِ اختیار کا تقاضا ہونا چاہیے۔ اپنے اس بدیہی وجدان کے ساتھ جب وہ دین کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اس کو یہ باور کراتا ہے کہ کائناتِ ہستی کا کوئی ذرہ حتیٰ کہ خود اس کے ارادات وخطراتِ قلبیہ بھی اس کی اپنی قدرت میں نہیں ہیں بلکہ وہ سب ارادۂ الٰہیہ کے تحت گردش کرتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ قدرت کے سامنے مجبورِ محض ہے۔ اسی کے ساتھ جب وہ اس طرف بھی نظر ڈالتا ہے کہ اس جبر کے باوجود آخرت میں وہ اپنے افعال پر مسئول بھی ہے، تو اس کی حیرت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ مسئلہ اس کے سامنے اور

پُر پیچ بن جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اول تو جب انسان کو اپنا مختار ہونا آفتاب کی طرح محسوس ہو، تو وہ اپنے مجبور ہونے کا یقین کرے تو کیسے کرے؟ اور اگر مجبور فرض کرلے تو ایک مجبور کو مسئول مانے تو کیونکر مانے؟ مگر جب کہ ایک سچا مذہب اس کو یہی تعلیم دیتا ہے تو وہ انکار کیسے کرسکتا ہے؟ اب ایک طرف تو اس کے سامنے اپنے وجدان کا یقین ہوتا ہے، دوسری طرف مذہب کا یقین ہوتا ہے اور ہوتے ہیں دونوں متضاد۔ آخر مسئلۂ تقدیر اس کے لیے ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہاں محض عقلی شہسوار تو آزاد ہے۔ مشکل اس کی ہے جس نے عقل کے ساتھ ساتھ مذہب کی قید و بند بھی اپنے سر لے رکھی ہو۔

اس عالمِ سراسیمگی میں جبریہ پر تو قدرت الٰہیہ کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ انہوں نے انسانی وجدان ہی کو غلط قرار دے دیا اور صاف اعلان کردیا کہ انسان میں نہ تو قدرت ہے اور نہ اختیار۔ وہ محض ایک پتھر کی طرح مجبور ہے۔ قدرت الٰہیہ جس طرح اور جس طرف چاہتی ہے اس کو کشاں کشاں لیے پھرتی ہے۔ ان کے نزدیک جو قادر مطلق اور مالک علی الاطلاق ہو، وہ مجبورِ محض سے بھی سوال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لہٰذا اب مجبور کے مسئول ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں رہا۔ یہ فیصلہ تسلیم کرلینا اس فرقہ کے لیے خواہ کتنا ہی خوش کن ہو لیکن ایک خالی الذہن انسان کے لیے اپنے وجدان کے خلاف اس کو تسلیم کرلینا سخت مشکل ہے۔ اس لیے دوسری جماعت (معتزلہ) نے اس کو قطعاً غیر معقول سمجھا اور ان پر انسان کو پتھر کی طرح مجبور سمجھ لینا پھر اس مجبور کو مسئول ٹھہرانا اتنا گراں بار ہوا کہ انہوں نے بندوں کو اپنے افعال کا خود خالق قرار دے ڈالا، اور یہ تسلیم کرلیا کہ بندہ میں اپنے افعال کی تخلیق کی قدرت ہے اور اسی قدرت سے وہ افعال کرتا ہے، اور جب اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اس کو مسئول بھی ہونا چاہیے۔ اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ مسئلۂ تقدیر گو مشکل ہے مگر اس کا انکار اس سے زیادہ مشکل ہے۔

یہاں آپ نے دیکھا کہ ان دونوں جماعتوں نے اپنے خیال کے مطابق اس مسئلہ کا حل تلاش تو کرلیا مگر یا بداہت کی تکذیب کی یا نصوص قرآن کی تخصیص کی۔ یہاں اہل السنت والجماعت نے معاملہ سلجھتا ہوا نہ دیکھ کر تفویض کی راہ لی اور اس اعتراف میں

کوئی باک نہ سمجھا کہ اگر کوئی عقدہ ان سے حل نہ ہوسکا، تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس بناء پر اس کا انکار اور تاویل دونوں ہی غلط ہیں۔

اس حد پر پہنچ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کے دلوں میں مذہب کی جانب سے کچھ شکوک پیدا ہونے نہیں چاہئیں کیونکہ سب سے پہلے تو ان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب بھی انسان نے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی حقیقت کا سراغ لگانا چاہا ہے تو وہ ہمیشہ ناکام ہی رہا ہے حتیٰ کہ قدیم عقلاء نے تو قاعدہ کلیہ کے طور پر کہہ دیا ہے: "التحدید الحقیقی عسیر جدا" کسی چیز کی ٹھیک ٹھیک حقیقت کا پتہ چلانا یا تو ناممکن ہے یا اتنا مشکل ہے کہ اس کو قریب قریب ناممکن کہہ دینا چاہیے۔ قدیم عقلاء نے تو بعض جگہ اپنے عجز کا اعتراف بھی کرلیا ہے لیکن آج کے عقلاء زمانہ اس اعتراف میں بھی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ دیکھو ہوا اور پانی کتنی کثیر الاستعمال چیزوں میں سے ہیں لیکن اب تک جو ان کے آخری اجزاء سمجھے گئے تھے اب ثابت ہوگیا ہے کہ وہ آخری نہیں تھے، ان کا تجزیہ ابھی اور ہوسکتا ہے اور ہوگیا ہے۔ جب اتنی تگ ودو کے بعد ایسی معمولی معمولی اشیاء کی حقیقت دریافت نہیں ہوسکی، تو باریک مسائل میں اگر ذرا توقف کرلیا جاتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر خود انسان ہی کو لے لیجئے جب اس نے اپنی حقیقت دریافت کرنے کے لیے قدم اٹھایا تو صدیوں کے بعد جس نتیجہ پر وہ پہنچا، وہ یہ تھا کہ اصل میں وہ ایک بندر تھا۔ میں اس وقت یہ بحث نہیں کرنا چاہتا کہ یہ تحقیق کس حد تک صحیح تھی لیکن صرف یہ تنبیہ کرنی چاہتا ہوں کہ بہت جلد اس خیال کی بھی تغلیط کردی گئی اور ابھی تک خود انسان کی حقیقت بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے۔ یہی حال اس جگہ بھی سمجھیے۔ چونکہ یہاں بھی افعالِ انسانی اور قدرتِ انسانی کی حقیقت میں گفتگو ہورہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جو دشواری ہر چیز کی حقیقت تلاش کرنے میں پیش آئی ہے یہاں بھی پیش آئے۔ اگر یہاں شریعت اپنی جانب سے تقدیر کی حقیقت کا اعلان نہ کرچکی ہوتی، تو اس مسئلہ میں بھی آپ کی بحث وتمحیص کی وہی حیثیت رہتی جو اس قسم کے دوسرے مسکوت عنہ مسائل میں ہے۔ لیکن یہاں تو بڑی مشکل یہ ہے کہ بعض مصالح کی بنا پر شریعت یہاں خود اس کی حقیقت کا اعلان

کر چکی ہے۔ اس لیے اب آپ پر اسی کا تسلیم کر لیا لازم ہو گیا ہے۔ اتنی عقل ناقص العقل انسان میں بھی نہیں کہ وہ رازہائے قدرت کو پورا پورا پاسکتا۔ اس لیے مذہب نے یہاں ایک ہی راستہ تعلیم کیا ہے اور وہ تفویض وتسلیم کا ہے۔ جس مذہب کی صداقت اور معقولیت اور ہزاروں مسائل میں ثابت ہو چکی ہو، کچھ حرج تو نہ تھا اگر انسان صبر کر کے اس ایک مسئلہ کو اس کے بیان پر مان لیتا، مگر وہ اتنا کم عقل ہے کہ اپنی کم عقلی کو بھی نہیں سمجھتا اور جتنا اس کو روکا جاتا ہے وہ اتنا ہی اس کی تحقیق کے اور در پے ہونے لگتا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ قدس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: سرِ تقدیر ہم سے بالاتر کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو بندہ کے افعال میں خود اس کی قدرت کا احساس بدیہی ہے۔ ادھر مذہب یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار وقدرت سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی چارہ کار نہیں کہ دونوں قدرتوں کو تسلیم کر لیا جائے۔ اب جو بھی بندہ سے صادر ہوتا ہے ہر جگہ اس میں ان دو قدرتوں کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہاں جو باریکی پیدا ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم کتنا ہی تجزیہ کریں مگر کسی مرتبہ میں بھی جا کر بندہ کی قدرت کو اور حق تعالیٰ کی قدرت کو علیحدہ علیحدہ ممتاز نہیں کر سکتے، یعنی یہ ہی نہیں کہہ سکتے کہ اس فعل میں اتنا کام تو بندہ کی قدرت سے ہوا اور اتنا قدرت الٰہیہ سے۔ آپ بندہ کے افعال کا تجزیہ کرتے چلے جائیے آپ کو کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں قدرت الٰہیہ کا اثر نہ ہو۔ اور جب تک یہ بات صاف نہ ہو اس وقت تک بندہ کا مختار کہنا بھی مشکل ہے اور مجبور کہنا بھی۔ اس لیے اب اس کو نہ مختار کہے بنتی ہے نہ مجبور۔ دیکھئے، ایک شہسوار گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے ارادہ واختیار سے اس کو چلاتا ہے اور گھوڑا گو اس کے اختیار کے ماتحت ہی چلتا ہے، مگر آپ یہ بھی بداہۃً جانتے ہیں کہ چلتا ہے وہ اپنی قدرت سے ہے، اپنے مالک کی قدرت سے نہیں چلتا۔ مگر یہاں دو قدرتیں علیحدہ علیحدہ سمجھنے میں آپ کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ لیکن یہاں قدرتِ عبد کی حقیقت یہ نہیں۔ اس کے جس مرتبہ میں بھی غور کیجئے گا وہ قدرتِ الٰہیہ سے علیحدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ تجزیہ کیے چلے جائیے، مگر قدرتِ عبد کے علیحدہ اور قدرت الٰہیہ کے علیحدہ علیحدہ

کرنے سے آخر عاجز ہو جائیں گے اور جب تک یہ امتیاز پیدا نہ کرلیں اس وقت تک جبر واختیار کے ان اشکالات حل نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ مسئلہ بھی حل نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ کا اشکال یوں نہیں ہے کہ یہاں کوئی غیر معقول چیز موجود ہے بلکہ یوں ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں ملتی۔ اور حسیات میں جہاں نظائر نہیں ملتے، عقل خود اپنا ہی حکم مقدم رکھتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جو مجھ کو تسلیم کر چکا ہے اس کو میرا حکم ماننا ہوگا، اور یہی ایمان بالتقدیر ہے۔ آخر جنت و دوزخ کو کس نے دیکھا؟ بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات کو کس نے دیکھا؟ تمام حقائق غیبیہ ہیں۔ یہاں جو شخص محض انبیاء علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کر کے ان کو تسلیم کر چکا ہے، بس وہی مؤمن ہے اور جس نے راہِ انحراف اختیار کی وہ منکر شمار ہو جاتا ہے۔

26 ناتمام اختیار کا فائدہ

اس ساری تحقیق کا حاصل اگر یہی ہے کہ انسان میں اختیار تو ہے مگر ہے ناتمام، اور ناتمام بھی ایسا جو صرف انسان کے لفظی طور پر مختار کہلانے کے لیے کافی ہو، اور بس۔ تو صرف اتنے سے اختیار کے مان لینے سے تو جزاء وسزا کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس کا جواب پہلے تو یہ ہے کہ اگر حاکم علی الاطلاق ایسا ہی کر دیتا، تو ظلم پھر بھی نہ تھا، مگر اس کی حکمت نے چاہا کہ عمل اور اس کی جزاء وسزا کے مابین کچھ صوری مناسبت بھی باقی رکھے۔ اس لیے اس نے انسان کو ایک ناتمام سا اختیار مرحمت فرما دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قدرت نے انسان کو عملی اور علمی ہر دو پہلوؤں میں دوسرے حیوانات سے امتیاز بخشا ہے۔ اس کا عملی امتیاز یہ ہے کہ اس کا نفس اپنے برے بھلے افعال کے اثرات کو اس طرح جذب کر لیتا ہے جیسا سیاہی کو جاذب۔ حیوانات کے نفوس میں یہ خاصیت نہیں۔ ان سے بھی افعال اختیاریہ سرزد ہوتے ہیں مگر ادھر صادر ہوئے ادھر فناء ہو گئے۔ ان کے نفس میں ان افعال سے کوئی رنگ پیدا

نہیں ہوتا، مگر انسان جب افعال اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اس کا نفس اسی کے مناسب اثرات سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے۔ افعال غیر اختیار یہ کا یہاں بھی کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر نہ مدح کی جاتی ہے نہ قدح۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح زہر مہلک ہوتا ہے مگر اس کے مہلک ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ حلق کی راہ سے پیٹ میں پہنچے۔ اسی طرح افعال کی تاثیر کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کا صدور اختیار کی راہ سے ہو، اور اس کی یہی وجہ ہے کہ جب تک ان افعال کا صدور اختیار سے نہیں ہوتا۔ نفسِ انسانی میں ان کا اثر بھی پیدا نہیں ہوتا۔ حکمتِ الٰہیہ چاہتی ہے کہ جس کا اثر نفسِ انسانی میں پیدا ہو چکا ہے اس پر یا تو انعام فرمائے یا اس کا انتقام لے، اور جس عمل کا اس میں کوئی اثر پیدا نہیں ہوا، اس کی باز پرس نہ فرمائے۔ اب اگر یہ اختیار صرف اسی مناسبت کے پیدا کرنے کے لیے شرط کیا گیا ہے تو اس کے لیے مستقل اختیار ضروری ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو عالم علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔ ایک عالمِ تقدیر، وہ غیب درغیب ہے۔ دوسرا عالمِ تکلیف یعنی جس میں ہم کو افعالِ شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے۔ یہ مشہود ہی مشہود ہے۔ عالمِ تکلیف میں بندہ کھلا ہوا مختار رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ جب تک اس کا اختیار مستقل نظر آنے نہیں لگتا یعنی وہ بالغ نہیں ہو جاتا، اس سے افعالِ شرعیہ کا مطالبہ بھی نہیں ہوتا، مگر یہاں عالمِ تقدیر ظاہر نہیں ہے اور جہاں عالمِ تقدیر ظاہر ہے، وہاں اس کو مجبور ہی مجبور بنایا گیا ہے، مگر وہاں ہم مکلف بھی نہیں ہیں۔ ان دونوں عالموں کے درمیان خلط کر دینے سے مفت میں اشکالات پیدا ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیبی نظر میں ہم صرف ایک مجبور مخلوق ہیں۔ حکمتِ ایزدی نے اس جہان میں ہم کو بصورت مختار ظاہر فرما دیا ہے۔ اب چاہو تو اس کو ناتمام اختیار سے تعبیر کر لو، اور چاہو تو اس جہان کے لحاظ سے مستقل اختیار کہہ دو۔ جزاء وسزا

کا مسئلہ بس اسی پر دائر ہے۔ جو اس عالم میں موجود ہے اس کو دوسرے عالم میں اپنے مجبور ہونے کا عذر کرنا نہ چاہیے، اور نہ یہ معقول ہوسکتا ہے۔ مشہور ہے قصہَ زمین بر سرِ زمین۔ یہاں جب کبھی اپنے نفس کو دیکھو گے تو اس کو مختار ہی پاؤ گے۔ پھر اپنے اس بدیہی وجدان کو چھوڑ کر تقدیر میں الجھنا کٹ حجتی نہیں تو اور کیا ہے؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان جب کتے کو لاٹھی مارتا ہے تو کتا کبھی لاٹھی کو قصوروار نہیں سمجھتا، وہ انسان ہی پر حملہ کرتا ہے، یا اگر کسی پھل دار درخت سے کوئی پھل اس کتے پر گرتا ہے تو وہ کبھی درخت پر حملہ نہیں کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجبور و مختار کے فرق کو ایک کتا بھی سمجھتا ہے، جس کو مختار سمجھتا ہے اس پر حملہ کرتا ہے، اور جس کو مجبور سمجھتا ہے اس پر حملہ بھی نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کھلے ہوئے فرق کو نظر انداز کر کے محض تقدیر کے مسئلہ میں الجھنے کے لیے اپنے نفس کو مجبورِ محض کہہ دینا کتنا غیر معقول ہے!!

والله تعالى أعلم بالصواب.

وصلى الله تعالى على خير خلقه وخيرته محمد وسلم تسليما كثيرا

باب 2

تقدیر پر ایمان

1 تقدیر پر ایمان

1 حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خلق الله تَعَالَى الْأَشْيَاء لَا من شَيْء وَكَانَ الله تَعَالَى عَالما فِي الْأَزَل بالأشياء قبل كَونهَا وَهُوَ الَّذِي قدر الْأَشْيَاء وقضاها وَلَا يكون فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الآخِرَة شَيْء الا بمشيئته وَعلمه وقضائه وَقدره وَكتبه فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ وَلَكِن كتبه بِالْوَصْفِ لَا بالحكم وَالْقَضَاء وَالْقدر والمشيئة صِفَاته فِي الْأَزَل بِلَا كَيفَ يعلم الله تَعَالَى فِي الْمَعْدُوم فِي حَال عدمه مَعْدُوما وَيعلم انه كَيفَ يكون إِذا أوجده وَيعلم الله الْمَوْجُود فِي حَال وجوده وَيعلم انه كَيفَ فناؤه وَيعلم الله الْقَائِم فِي حَال قِيَامه قَائِما وَإِذا قعد فقد علمه قَاعِدا فِي حَال قعوده من غير ان يتَغَيَّر علمه أَو يحدث لَهُ علم وَلَكِن التَّغَيُّر وَالِاخْتِلَاف يحدث عِنْد المخلوقين.

(الفقہ الاکبر ص ۲۹۔ الناشر: مکتبۃ الفرقان، الإمارات العربیۃ۔ ۱۴۱۹ھ)

ترجمہ: اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے لیکن بغیر کسی مادہ کے۔ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے تمام اشیاء کا عالم ہے جب کہ وہ اشیاء ظاہر نہ ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کا ایک اندازہ ٹھہرایا اور ان کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ دنیا اور آخرت میں کوئی چیز

ایسی نہیں جو اس کی مشیت، علم اور قضاوقدر کے بغیر وقوع پذیر ہو سکے اور اُس نے یہ لوحِ محفوظ میں درج کر دیا ہے لیکن اُس کی یہ نوشت وصف کے لحاظ اور اعتبار سے لوحِ محفوظ میں مندرج ہے، نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ قضاوقدر اور مشیت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفتیں ہیں مگر بلا کیف۔ اللہ تعالیٰ معدوم کو اس کے معدوم ہونے کی حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب اس کو پیدا کرے گا تو وہ کیسا ہوگا؟ اور موجود چیز کو اُس کی موجودگی کی حالت میں جانتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کس طرح فنا ہوگی اور وہ قائم کو بحالتِ قیام جانتا ہے اور جب وہ بیٹھ جائے تو اس کو بحالتِ قعود بھی جانتا ہے۔ لیکن اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا اور نہ اس کے لیے کوئی نیا علم حادث اور حاصل ہوتا ہے۔ یہ تغیر اور اختلاف جو کچھ بھی ہے، مخلوق کے یہاں ہوتا ہے۔

2 حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

1 خَلَقَ الْخَلْقَ بعلمه۔

ترجمہ اس نے مخلوق کو اپنے علم کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

2 وقَدَّرَ لهم أقداراً۔

ترجمہ اور سب کی اس نے تقدیر ٹھہرائی ہے۔

3 وضَرَبَ لهم آجالاً۔

ترجمہ اور ان کی عمریں مقرر کی ہیں۔

4 وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ من أفعالهم، قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ، وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُونَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ۔

ترجمہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی جانتا تھا، کہ وہ کیا کچھ کرنے والے ہیں۔

5 وأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهِ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی معصیت سے منع کیا ہے۔

6 وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِتَقْدِيرِهِ وَمَشِيئَتِهِ، وَمَشِيئَتُهُ تَنْفُذُ، لَا مَشِيئَةَ

لِلْعِبَادِ إِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ، فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لم يكن۔

ترجمہ ہر چیز اس کی قدرت اور مشیت سے جاری ہوتی ہے۔ اور اس کی مشیت نافذ ہے۔ اور بندوں کی مشیت کوئی نہیں بجز اس کے جو وہ چاہے ان کے لیے۔ پس وہ ان کے لیے جو چاہے، وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے، وہ نہیں ہوتا۔

7 يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ، وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلًا، وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ، ويخذل ويبتلي عدلا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور (گناہ کی آلودگی سے) بچاتا ہے اور اپنے فضل سے اسے عافیت بخشتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے (اس کو سوءِ استعداد کی وجہ سے) گمراہ اور رسوا کرتا ہے۔ اور اسے ابتلاء و آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔

8 وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيْئَتِهٖ بَيْنَ فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ۔

ترجمہ سب پلٹتے ہیں اس کی مشیت میں اس کے فضل و عدل کے درمیان۔

9 وَهُوَ مُتَعَالٍ عن الأضداد والأنداد۔

ترجمہ وہ شریکوں سے پاک ہے۔

10 لَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ، وَلَا غالب لأمره۔

ترجمہ اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

11 آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهٖ۔ وَأَيْقَنَّا أَنَّ كُلًّا مِنْ عنده۔

ترجمہ ہم ان سب باتوں پر ایمان لائے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں اسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

12 وَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَعَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ جُمْلَةً وَاحِدَةً، فَلَا يُزَادُ فِيْ ذٰلِكَ العدد ولا ينقص منه۔

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ دفعۃً ازل ہی سے جانتا ہے کہ کتنے آدمی جنت میں اور کتنے آدمی دوزخ میں داخل ہوں گے۔ ان کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

13 وَكَذٰلِكَ أَفْعَالُهُمْ فِيْمَا عَلِمَ مِنْهُمْ أَنْ يَفْعَلُوْهُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ۔ وَالسَّعِيْدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شقي

بقضاء الله.

ترجمہ: اسی طرح بندوں کے افعال واعمال کو بھی اللہ تعالیٰ ان کے کرنے سے پہلے ہی جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کام کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور اعمال کا دار و مدار تو خاتمہ پر ہے۔ سعید (نیک بخت) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے نیک بخت ہوا، اور شقی (بد بخت) بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے بد بخت ہوا۔

14 وَأَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللهِ تَعَالَى فِي خَلْقِهِ، لَمْ يَطَّلِعْ عَلَى ذٰلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ، وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِي ذٰلِكَ ذَرِيعَةُ الْخِذْلَانِ، وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ، وَ دَرَجَةُ الطُّغْيَانِ، فَالْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ ذٰلِكَ نَظَرًا وَفِكْرًا وَوَسْوَسَةً. فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى طَوَى عِلْمَ الْقَدَرِ عَنْ أَنَامِهِ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ: لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ. (الْأَنْبِيَاءِ: 23). فَمَنْ سَأَلَ: "لِمَ فَعَلَ؟". فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ، وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ، كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ.

ترجمہ: اور تقدیر کی اصل یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ اس کی مخلوق میں اس پر اللہ تعالیٰ نے کسی مقرب فرشتہ، کسی نبی اور رسول کو مطلع نہیں کیا۔ اس میں تَعَمُّق (باریک طریقہ سے اس میں غور کرنا) اور نظر وفکر کرنا خذلان (رسوائی) کا ذریعہ ہے، اور محرومی کی سیڑھی ہے، اور سرکشی میں قدم رکھنا ہے۔ پس اس میں نظر وفکر کرنے یا وسوسہ سے بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم اپنی مخلوق سے لپیٹ دیا ہے (مخفی کر دیا ہے)، اور اس مقصد کو حاصل کرنے سے روک دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آیت 1:۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ○ (الْأَنْبِيَاءِ: 23)

ترجمہ: وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دِہ نہیں ہے اور سب جواب دِہ ہیں۔ پس جس شخص نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو اُس شخص نے اللہ کی کتاب کو رد کیا، وہ کافر ہوا۔

(العقيدة الطحاوية، ص ۳۵، ۳۶ رقم 18 تا 28، ص ۴۹، ۵۰ رقم 45)

☐ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ طَوَى اللهُ تَعَالٰى عِلْمَ الْقَدَرِ عَلَى الْعَالَمِ. فَلَمْ يعلمه نبی مرسل ولاملك مُقَرَّبٌ. (نووی شرح مسلم ج١٦ص١٩٦)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم تمام عالَم سے لپیٹ دیا ہے (پوشیدہ کر دیا ہے)۔ اس کو نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے، اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

3 تقدیر پر ایمان یہ ہے:

''اس بات پر ایمان لایا جائے اور مانا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے (خواہ وہ خیر ہو، یا شر)، وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیّت سے ہے، جس کو وہ پہلے ہی طے کر چکا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو، اور دنیا کا یہ کارخانہ اُس کی منشا کے خلاف اور اس کی مرضی کے خلاف چل رہا ہو۔ ایسا ماننے میں اللہ تعالیٰ کی انتہائی عاجزی اور بے چارگی لازم آئے گی''۔

(معارف الحدیث ج١ص ٥٢۔ المؤلف: حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ١٤١٧ھ)۔ دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی۔ تاریخ طبع: اپریل ٢٠٠٠ء)

4 اصطلاحِ شریعت میں تقدیر کہتے ہیں: ''جو کچھ اب تک ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور اسی کے مطابق ہو رہا ہے''۔

قَدَرَ (ض، ن) قَدَرًا وَ قَدْرًا (بفتح الدال وسکونها) اور قَدَّرَ تَقْدِيْرًا کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا۔ حکم لگانا۔ کہا جاتا ہے: قَدَّرَ اللهُ عَلَيْهِ الْأَمْرَ: اور قَدَّرَ لَهُ الْأَمْرَ: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا۔ کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی۔ اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے: قضاء (فیصلہ) کا۔ یعنی کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے جو پلاننگ کی ہے اس کا نام ''تقدیرِ الٰہی'' ہے۔ عربی میں عام طور پر لفظ ''قَدَر'' مستعمل ہے اور اردو میں ''تقدیر''۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔

(والقدر) ای وبالقضاء والقدر (خیره وشره) ای نفعه وضره، وحلوه و مره، حال كونه (من الله تعالى) فلا تغيير للتقدير. فيجب الرضاء بالقضاء والقدر، وهو تعيين كل مخلوق بمرتبته التي توجد من حسن

وقبح ونفع وضر، وما يحيط به من مكان وزمان، وما يترتب عليه من ثواب اوعقاب. (شرح ملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص۲۹)

5 جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، وہی ہوتا ہے، جو ان کو منظور نہ ہو، وہ نہیں ہوتا۔

آیت 2:۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ. (البروج:۱۶)

ترجمہ اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے۔

آیت 3:۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (القصص:۶۸)

ترجمہ تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے، یہ انتخاب ان لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ اللہ پاک ہے اور بہت بالاتر ہے، اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

التَّعَلُّقَاتُ الثَّانِيَةُ لِلْقُدْرَةِ وَالْإِرَادَةِ يَعْنِي التَّنْجِيزِيَّةَ مُتَرَتِّبَةٌ. فَتَعَلُّقُ الْقُدْرَةِ تَابِعٌ لِتَعَلُّقِ الْإِرَادَةِ وَتَعَلُّقُ الْإِرَادَةِ تَابِعٌ لِتَعَلُّقِ الْعِلْمِ. فَلَا يُوجِدُ أَوْ يُعْدِمُ سُبْحَانَهُ مِنَ الْمُمْكِنَاتِ عِنْدَنَا إِلَّا مَا أَرَادَ إِيجَادَهُ وَإِعْدَامَهُ مِنْهُ وَلَا يُرِيدُ إِلَّا مَا عَلِمَ. فَمَا عَلِمَ مِنْهَا أَنَّهُ يَكُونُ أَرَادَهُ. وَمَا عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ لَمْ يُرِدْهُ.

(لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية لشرح الدرة المضية فی عقد الفرقة المرضية،السفارینی، ج۱ص۱۵۵،۱۵۶)

6 ہر اچھی اور بُری چیز اللہ تعالیٰ کے علم اور اندازے کے مطابق ہے، کوئی اچھی یا بُری چیز اللہ تعالیٰ کے علم اور ان کے اندازے سے باہر نہیں۔

آیت 4:۔ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ. (القمر:۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

آیت 5:۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ. (الصافات:۹۶)

ترجمہ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔

آیت 6:۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. (الشمس:۸)

ترجمہ   پھر اس کی بدی (فُجور) اور اس کی پرہیز گاری (تقویٰ) اس پر الہام کردی۔

آیت 6:۔اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ۔ (النساء:۷۸)

ترجمہ   موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: ''یہ اللہ کی طرف سے ہے''۔ اور کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: ''اے نبی! یہ آپ ﷺ کی بدولت ہے''۔ آپ ﷺ کہہ دیں: ''سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے''۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی؟۔

(والقدر) ای وبالقضاء والقدر (خیرہ وشرہ) ای نفعه وضره، وحلوه و مره، حال کونه (من الله تعالى) فلا تغییر للتقدیر، فیجب الرضاء بالقضاء والقدر، وهو تعیین کل مخلوق بمرتبته التی توجد من حسن وقبح ونفع وضر، وما یحیط به من مکان وزمان، وما یترتب علیه من ثواب اوعقاب۔ (شرح ملّا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص۲۹)

7   جو کام ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے پہلے اس کو سمجھ لیتے ہیں، مکان اگر بناتے ہیں تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تا کہ مکان کی تعمیر نقشہ کے مطابق ظہور میں آئے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس عالم کا نقشہ بھی خدا کے یہاں پہلے ہی سے ایک پنہاں وجود رکھتا ہو اور اس نقشہ ہی کے مطابق اس وجود ظاہری کا کارخانہ برقرار ہوتا ہو۔

اہل اسلام اسی وجود پنہائی کو تقدیر کہتے ہیں اور اس کے مطابق اس کارخانہ عالم کو بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضاء ہے۔ اسی کو قضاء وقدر کہتے ہیں۔

آیت 7:۔مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ۔ (الاحزاب:۳۸)

ترجمہ   نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا

ہو۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں رہی ہے، جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

آیت 8:۔بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (البقرہ:۱۱۷)

ترجمہ وہ آسمانوں اور زمین کا موجِد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے۔

آیت 9:۔هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۔ (الانعام:۲)

ترجمہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی ، اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔ مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔

أن القدر وهو مايقع من العبد المقدّر في الازل من خيره وشره وحلوه ومره كائن منه سبحانه وتعالى بخلقه وارادته. ماشاء كان وما لا، فلا۔ (والقضاء والقدر):المراد باحدهما الحكم الاجمالي وبالآخر التفصيلي. (شرح ملّا علی القاری علی الفقہ الأکبر ص۷۵)

5 عقیدۂ تقدیر کو تسلیم کرنے سے انسان مجبورِ محض نہیں ہوجاتا بلکہ اس میں صفتِ ارادہ واختیار باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ ہر آدمی کے مشاہدہ میں یہ بات ہے کہ وہ اپنے اختیار سے جو کرنا چاہتا ہے، کرتا ہے اور جو نہیں کرنا چاہتا، نہیں کرتا۔

وملخص الكلام ماأشار اليه الامام حجة الاسلام الغزالي، وهو انه: لمابطل الجبر المحض بالضرورة وكون العبد خالقا لافعاله بالدليل، وجب الاقتصاد في الاعتقاد وهو انها مقدورة بقدرة الله تعالى اختراعاً، بقدرة العبد على وجه اخر من التعلق يعبرعنه عندنا بالاكتساب. (شرح المقاصد:۳/۱۶۶،۱۶۷)

ان العبد مختار مستطيع على الطاعة والمعصية، وليس بمجبور،

والتوفیق من اللہ تعالیٰ کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ:

آیت 10:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۔ (النساء:۱۳۶)

(شرح ملّا علی القاری علی الفقہ الأکبر، ص۸۶)

2 قضاء وقدر کی حقیقت اور شرعی نظر میں اِس کی اہمیت

شرعی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اُس نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی طرح ایمان بالتقدیر کو بھی اسلام کا ایک رکنِ لازم قرار دیا ہے۔ گویا جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا، وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننا اسی وقت صحیح طور پر ماننا کہا جاسکتا ہے، جب کہ ان کی فرمودہ تمام باتوں کو بھی تسلیم کیا جائے۔ لہٰذا صرف تقدیر ہی نہیں بلکہ اس کی تمام کتابوں کا ماننا، اس کے رسولوں اور فرشتوں کو ماننا، جنت و دوزخ اور اسی طرح قیامت کا ماننا بھی لازم ہوگا۔ ادیانِ سماویہ میں کسی دین کو بھی اِن اُمور میں اختلاف نہیں رہا۔ اسی لیے ان اُمور کو اصولِ دین کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تنہائی میں، محفلوں میں، کوچوں میں، اور بازاروں میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی، جہاں پہنچ کر ایک بار نہیں، بار بار ان کا اعلان نہ کیا ہو۔ فرمائیے کہ اِس شد و مد کے اعلان کے بعد بھی اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کر گزرتا ہے، کیا وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہے؟ اور کیا جو رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانتا، وہ صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے؟

ایمان بالتقدیر کی پوری اہمیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے اس کی حقیقت کو ذرا تفصیل کے ساتھ سمجھ لیں۔ اس کے بعد آپ کو یہ سمجھ لینا آسان ہوگا کہ اس کو رکنِ اسلام کی حیثیت کیوں دی گئی ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقدیر صرف اس یقین کا نام نہیں ہے کہ کائنات میں جو حرکت و سکون ہو رہا ہے، ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم حاصل ہے، کیونکہ یہ تو قضا و قدر کی بحث نہیں ہے۔ یہ تو صفتِ علم کا مسئلہ ہے۔ اس میں تو اسلامی فرقوں میں سے کسی کو بھی کلام نہیں ہے۔ جو شخص اس کا منکر ہے، وہ تو کھلا کافر ہے۔ تقدیر کے جس معنی کے سمجھنے کی توفیق صرف اہلِ حق کے حصہ میں آئی ہے، وہ یہ ہے: ''تقدیر کے آگے تمام عالم مجبور ہے۔ اس کا کوئی ذرّہ اس کے خلاف جنبش نہیں کر سکتا۔ جس کے حق میں جنتی ہونا طے پا چکا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جنتی شخص ہی کے سے عمل کرے، اور جس کے لیے اس کے خلاف طے ہو گیا ہے، اس کے لیے بھی یہ ممکن نہیں رہا، کہ وہ کوئی دوسرا عمل کر سکے۔ اب کے باوجود انسان سے افعالِ شرعیہ کا مطالبہ کیا گیا ہے''۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۲۶، ۱۲۷)

تفصیل یہ ہے کہ کارخانۂ عالم تمام کا تمام اسباب و مسبّبات کے پورے پورے تناسب کے ساتھ قدرت نے باہم اس طرح اُلجھا دیا ہے کہ اس کی ظاہری سطح کو دیکھ کر یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اپنا نظام قائم رکھنے کے لیے شاید یہی خود بخود کافی ہو۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لا کر کسی ظن و تخمین سے نہیں، بلکہ پوری تحقیق سے یہ تعلیم فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہو گئی، اسی طرح اُس کا نظامِ عمل بھی خود بخود نہیں بن گیا، بلکہ خالقِ کائنات نے اُس کو شرفِ وجود بخشنے سے قبل ہی اس کا نظامِ عمل بھی بنا کر رکھ دیا تھا۔ عالم نہ خود اپنا کوئی نظامِ حیات بنا سکتا ہے، نہ اس پر خود عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ جس طرح سر تا سر اپنے وجود میں خالق کا محتاج ہے، اسی طرح اپنے نظامِ حیات میں بھی بلکہ اس پر عمل کرنے میں بھی اسی کا محتاج ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کی زبانی انسان کو اپنی بے کسی و بے بسی کی داستان معلوم ہوتی ہے، تو پھر اس کے اعتقاد کی دنیا بھی بدل جاتی ہے، اور اس میں ایک عظیم انقلاب برپا ہونے لگتا ہے۔ اسبابِ سفلیہ اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے ہوش رُبا نظارے اس کی نظروں میں ہیچ بن جاتے ہیں۔ اسبابِ مجازیہ کی تاثیر کا تصور اس کے دماغ سے نکل جاتا ہے، وہ ان کا ارتکاب کرتا تو ضرور ہے مگر ان کو معبود بنا کر اُن سے چپک نہیں جاتا، بلکہ اس حالت میں بھی اس کی دوربین نظریں برابر مؤثرِ حقیقی کی طرف

لگی رہتی ہیں، اور اس طرح معبودانِ باطلہ سے کٹ کر معبودِ برحق سے ملنے کا راستہ صاف ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ ایمان بالقدر کی اہمیت صرف اس لیے نہیں ہے کہ اس کے بغیر انسان کو اپنی خود مختاری کے گھمنڈ سے نجات حاصل نہیں ہوتی، یا عالمِ غیب کی ایک ضروری حقیقت سے جہل کا داغ دور نہیں ہوتا، بلکہ اس لیے بھی ہے کہ اس کے بغیر پروردگارِ عالم سے عالم کا کوئی ربط ہی قائم نہیں رہتا۔ جو لوگ اس کے قائل نہیں، وہ یا تو خالق سے مستغنیٰ بن چکے ہیں، یا اس کو ایسی حیثیت دے چکے ہیں، جس کے بعد اس کا خالق ماننا، نہ ماننا برابر ہو جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے میں تقدیر کا ماننا بھی کیوں داخل ہے؟ اور تقدیر کا انکار اللہ تعالیٰ کے انکار کے مرادف کیوں ہے؟ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدیث 1:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، وَالْقَاسِمُ بْنُ هِزَّانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "الْقَدَرُ نِظَامُ التَّوْحِيدِ، فَمَنْ وَحَّدَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَآمَنَ بِالْقَدَرِ فَهِيَ الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى الَّتِي لَا انْفِصَامَ لَهَا، وَمَنْ وَحَّدَ اللهَ تَعَالَى وَ كَذَّبَ بِالْقَدَرِ نَقَضَ التَّوْحِيدَ"۔

(القدر، الفِرْيَابِي، رقم 205؛ معجم اوسط طبرانی رقم 3573 مرفوعاً: رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَفِيهِ هَانِئُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ وَهُوَ ضَعِيفٌ: مجمع الزوائد رقم 11835؛ الشریعة للآجری رقم 456؛ السنة، لعبد الله بن أحمد، رقم 925، 928؛ الإبانة الكبرى لابن بطة، رقم 1618، 1619، 1624؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، رقم 1224؛ الأربعون حديثا، الآجُرِّيُّ، رقم 7؛ قال الالبانی: وقد رواه هبة الله اللالكائي في "اعتقاد أهل السنة" عن الأوزاعي: قال لنا بعض أصحابنا: عن الزهري، عن ابن عباس قال: فذكره موقوفاً عليه. وهو الأشبه بالصواب: الأحاديث الضعيفة: رقم 4072)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نظامِ توحید ایمان بالقدر پر دائر ہے۔ پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ مانتا ہے، اور تقدیر پر ایمان لاتا ہے، تو یہ ایسا

مضبوط سہارا ہے، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور جس نے توحید باری تعالیٰ کو اختیار کر لیا، اور تقدیر کا انکار کر دیا، تو اُس نے توحید کو بھی باطل کر دیا''۔

3 تقدیر پر ایمان لانا ارکانِ ایمان میں سے ہے

حدیث 2:۔ قَالَ: "فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ". قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ". قَالَ: "صَدَقْتَ". الحديث.

(مسلم کتاب الایمان رقم 1-8؛ ترمذی رقم 2610؛ نسائی رقم 4990؛ ابن ماجہ رقم 63؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 21؛ ابوداؤد رقم 4695؛ مسند احمد رقم 184، 191، 367، 374، 5856؛ تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المَرْوَزِی، رقم 374؛ القدر للفریابی رقم 210؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 4 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 168، 173؛ الشریعۃ للآجری رقم 206، 378؛ الإيمان لابن مندہ رقم 8، 13، 14؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 2180؛ الاعتقاد، بیہقی، ص ٢٠٦؛ البعث والنشور، بیہقی، رقم 2 (الشوامی)؛ السنن الصغير للبيهقي رقم 10؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 181، 186؛ المدخل إلى السنن الكبرى، بيهقي، رقم 315؛ شعب الایمان رقم 274؛ الصحيحة رقم 2903)

ترجمہ: اُس شخص (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے عرض کیا: ''ایمان کی حالت بتایئے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور قیامت کا یقین رکھو۔ تقدیرِ الٰہی کو یعنی ہر خیر و شر کو اسی کی طرف سے ہونے کو سچا جانو''۔ آنے والے نے عرض کیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا''۔

حدیث 3:۔ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ بِشْرَانَ، أنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّفَّارُ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الصَّغَانِيُّ، ثنا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، ثنا أَبُو سِنَانٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَابْنُ يَعْمَرَ جَالِسَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ فَجَاءَ ابْنُ عُمَرَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فِي سُؤَالِ الرَّجُلِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ

الْإِيمَانِ، وَقَالَ فِي جَوَابِهِ قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ". (الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد بیہقی، ص ۱۳۴)

ترجمہ حضرت ابن بریدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اور حضرت ابن یعمر رحمۃ اللہ علیہ دونوں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان فرمائی جس میں ایک شخص (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے ایمان کے بارے میں سوال کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''ایمان یہ ہے: تُو (۱) اللہ تعالیٰ پر، (۲) اس کے فرشتوں پر، (۳) اس کی کتابوں پر، (۴) اس کے رسولوں پر، (۵) (قیامت کے دن قبروں سے) اٹھنے پر، قیامت کے دن حساب کتاب پر، جنت پر اور جہنم پر، (۶) اور یہ کہ خیر اور شر کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پر ایمان لائے''۔

حدیث 4:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ: حَتَّى يَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، بَعَثَنِي بِالْحَقِّ، وَحَتَّى يُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَحَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ".

(صحیح: مسند أحمد، رقم 758، 1112؛ ترمذی رقم 2145؛ ابن ماجہ رقم 81؛ ابن حبان رقم 178؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 30316؛ مسند عبد بن حمید رقم 75؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 130، 887؛ البزار رقم 904؛ القدر، الفِرْيابي، رقم 194، 195؛ الطيالسي رقم 108؛ الخطيب في "تاريخ بغداد" 366/3؛ أبو يعلى رقم 352، 376، 583؛ الشریعۃ للآجری رقم 374؛ مستدرک حاکم رقم 90، 91، 92؛ فوائد تمام رقم 1442؛ الإبانة الكبرى لابن بطة، رقم 1449، 1450، 1459؛ البعث والنشور، بیہقی، (الشوامی) رقم 6؛ القضاء والقدر بیہقی، رقم 190، 193؛ شرح السنۃ، بغوی، رقم 66؛ الاحادیث المختارۃ رقم 440، 441، 442؛ مشکوٰۃ رقم 104؛ صحیح الجامع رقم 7584)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی آدمی اس

وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لے آئے: جب تک وہ ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ'' یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (حضرت محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جب تک کہ وہ موت کے بعد اُٹھائے جانے پر (قیامت میں حشر نشر پر) ایمان نہ لے آئے، اور جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے''۔

4 تقدیر اچھی ہو، یا بُری، اُس پر ایمان لانا واجب ہے

حدیث 5:۔ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يُؤْمِنُ الْمَرْءُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ"۔

(صحیح: مسند أحمد، رقم 6703، 6985؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 134؛ اللالكائي في "الاعتقاد" رقم 1387،1108؛ الآجري في "الشريعة" رقم 376، 377؛ بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث رقم 740؛ القدر للفريابي رقم 202، 203، 204؛ معجم اوسط طبرانی رقم 1955، 7043؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 195؛ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ: مجمع الزوائد رقم 11834)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک تقدیر، خواہ اچھی ہو یا بری، پر ایمان نہ لائے''۔

حدیث 6:۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُبَادَةَ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو. وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

(صحیح: ترمذی رقم 2144؛ صریح السنة للطبری، رقم 20؛ صَحِيحُ الْجَامِعِ: 7585؛ الصَّحِيحَة: 2439)

ترجمہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک تقدیر، خواہ اچھی ہو یا بری، پر ایمان نہ لائے، یہاں تک کہ اُسے یقین ہو کہ جو کچھ مصیبت اس پر آئی ہے وہ اس سے بچنے والا نہیں تھا اور جس مصیبت سے بچا، وہ اس پر آنے والی نہیں تھی''۔

حدیث 7:۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى الْجَرَّارُ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ أَبِي الْمُسَاوِرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الْكُوفَةَ، أَتَيْنَاهُ فِي نَفَرٍ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْكُوفَةِ، فَقُلْنَا لَهُ: "حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ". فَقَالَ: "أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "يَا عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ! أَسْلِمْ تَسْلَمْ". قُلْتُ: "وَمَا الْإِسْلَامُ؟". فَقَالَ: "تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، وَتُؤْمِنُ بِالْأَقْدَارِ كُلِّهَا، خَيْرِهَا وَشَرِّهَا، حُلْوِهَا وَمُرِّهَا".

(سنن ابن ماجه، رقم 87؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 198؛ ابن أبي عاصم فی "السنة"، رقم 135؛ الطبرانی فی "الکبیر" 17/ (رقم 182)؛ الخطیب فی "تاریخ بغداد" 11/ 68 - 69؛ أبو نعیم فی "الدلائل" رقم 471؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ أَبِي الْمُسَاوِرِ وَهُوَ مَتْرُوكٌ: مجمع الزوائد رقم 11844؛ هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ لاتفاقهم على ضعف عبد الأعلى وله شاهد من حديث جابر، رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ فِي جَامعه: مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه، للبوصیری: ج1 ص14، رقم 30)

ترجمہ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جب کوفہ آئے، تو ہم اہل کوفہ کے کچھ سمجھدار لوگوں کو لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہم نے اُن سے گزارش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو باتیں آپ رضی اللہ عنہ نے سنی ہیں، وہ ہمیں سنائیں''۔ انھوں نے فرمایا: ''میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عدی! اسلام قبول کرلو، تم اَمن وچین سے رہو گے''۔ میں نے عرض کیا: ''اسلام کیا چیز ہے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس بات کی گواہی دو کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ کی ذات، اور اس بات کی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں،

اور اس بات پر بھی یقین کرو کہ بُرا بھلا اور تلخ و شیریں جو کچھ ظاہر ہوتا رہتا ہے، وہ سب پہلے سے مقدر ہو چکا ہے"۔

حدیث 8:۔حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلَاءِ الْحَسَنُ بْنُ سَوَّارٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ زِيَادٍ، حَدَّثَنِي عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ، حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عُبَادَةَ، وَهُوَ مَرِيضٌ، أَتَخَايَلُ فِيهِ الْمَوْتَ. فَقُلْتُ: "يَا أَبَتَاهُ! أَوْصِنِي وَاجْتَهِدْ لِي". فَقَالَ: "أَجْلِسُونِي". فَلَمَّا أَجْلَسُوهُ قَالَ: "يَا بُنَيَّ! إِنَّكَ لَنْ تَطْعَمَ طَعْمَ الْإِيمَانِ، وَلَنْ تَبْلُغَ حَقَّ حَقِيقَةِ الْعِلْمِ بِاللهِ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ". قَالَ: قُلْتُ: "يَا أَبَتَاهُ! وَكَيْفَ لِي أَنْ أَعْلَمَ مَا خَيْرُ الْقَدَرِ مِنْ شَرِّهِ؟". قَالَ: "تَعْلَمُ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ". يَا بُنَيَّ! إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ. ثُمَّ قَالَ: اكْتُبْ فَجَرَى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ". "يَا بُنَيَّ! إِنْ مِتَّ وَلَسْتَ عَلَى ذٰلِكَ دَخَلْتَ النَّارَ".

(صحیح: مسند أحمد رقم 22705، 22707؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 35922؛ ترمذی رقم 2155، 3319؛ ابوداؤد رقم 4700؛ ابوداؤد طیالسی رقم 578؛ مسند ابن الجعد رقم 3444؛ ابن أبي عاصم فی "السنة" رقم 104، 105، 107؛ مسند الشامیین رقم 58، 59، 1949؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1363، 1446، 1448؛ مسند البزار رقم 2687؛ القدر للفریابی رقم 425؛ الكنى والأسماء، للدولابی رقم 555؛ الآجری فی "الشريعة" رقم 181، 372؛ اللالكائی فی "شرح أصول اعتقاد أهل السنة" رقم 357، 1097؛ أبو نعيم فی "الحلية" 248/5؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 20875؛ "الاعتقاد" بيهقی ص 136؛ وصايا العلماء عند حضور الموت لإبن زبر الربعی، ص۴۹؛ صحیح الجامع رقم 2017، 2018؛ مشکوۃ رقم 94؛ الصحيحة رقم 133؛ تخريج الطحاوية رقم 271؛ الظلال رقم 102-105)

ترجمہ: حضرت ولید بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے مرض الوفات میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: "اے ابا جان!

مجھے کوئی وصیت فرمایئے اور کوئی کسر نہ چھوڑیئے‘‘۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’مجھے بٹھا دو‘‘۔ پھر جب اُن کو بٹھا دیا گیا، تو انھوں نے فرمایا: ’’اے میرے عزیز فرزند! تم کو اس وقت تک ایمان کی حقیقت کی لذت نہیں آسکتی، اور تم اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، جب تک تم اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ‘‘۔ میں نے عرض کیا: ’’اے ابا جان! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ بری اور اچھی تقدیر کیا ہے؟‘‘۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’جب تک تم اس کا یقین نہ کرو کہ جو خیر وشر تم کو پہنچ گیا، وہ کبھی خطا نہیں کر سکتا تھا، اور جو نہیں پہنچا اس کا پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اے میرے عزیز فرزند! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے: ’’اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا، اور اسے حکم دیا: ’’لکھو‘‘۔ اس نے عرض کیا: ’’کیا لکھوں؟‘‘۔ فرمایا: ’’وہ سب کچھ لکھو جو قیامت تک ہونے والا ہے‘‘۔ اے میرے عزیز فرزند! جو شخص اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مرے گا، وہ دوزخ میں داخل ہوگا‘‘۔

حدیث جبریل میں ایمانیات میں تؤمن بالقدر خیرہ وشرہ آیا ہے یعنی مومن ہونے کے لئے تقدیر پر ایمان ضروری ہے اور اس کے بھلے برے ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اور ابن ماجہ کے مقدمہ میں

وَتُؤْمِنُ بِالْأَقْدَارِ كُلِّهَا. خَيْرِهَا وَشَرِّهَا. حُلْوِهَا وَمُرِّهَا.

(ابن ماجہ رقم 87؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 135؛ الطبراني في "الكبير" 17/ رقم 182)

ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام طے کردہ باتوں پر، خواہ وہ بھلی ہوں یا بری بھی ہوں یا کڑوی، ایمان لانا ضروری ہے۔ ان حدیثوں میں ضمیروں کا مرجع ’’قَدَرِ‘‘ اور ’’أَقْدَارِ‘‘ ہیں، اور تقدیر الٰہی کا بھلا، بُرا اور میٹھا، کڑوا ہونا انسانوں کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی پلاننگ کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے۔ پس بھلی بری تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ طے کردہ باتیں انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، میٹھی ہوں یا کڑوی، یعنی اچھی لگیں یا بری۔ سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسے گھی کے بارے میں تجویز الٰہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ مہلک ہے۔

اسی طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے اعمال ہیں، اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں، یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں۔ اسی طرح بچے کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مر جانا ناپسند ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الٰہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے۔ لوگ بڑی قیمت دے کر گھی خریدتے ہیں، اور استعمال کرتے ہیں، اور زہر کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا۔ اور کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الٰہی پر اعتراض نہیں، مگر جب ایمان و اعمال صالحہ اور کفر و اعمال طالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں چھانٹتا ہے اور جب اس کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو جزع فزع کی حد کر دیتا ہے۔ یہ تقدیر پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغۃ: 1:191)

خلاصہ: یہ ہے کہ لوگ ''بھلی بری تقدیر'' کا مطلب نفس الامر کے اعتبار سے بھلی بری تقدیر یعنی فی نفسہٖ بھلی بری تقدیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اس اعتبار سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی برا نہیں کارخانۂ خداوندی میں۔ بلکہ مراد انسان کے تعلق سے بھلا برا ہونا ہے۔ یعنی انسان کے لئے مفید اور غیر مفید ہونا ہے، اور اس کو کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور مفید باتیں حاصل کرنے کی اور مضر باتوں سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ پس اعمال و واقعات میں بھی یہ بات مان لینی چاہئے اور یہی بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

5 کیا تقدیر بُری بھی ہوتی ہے؟

حدیثِ جبرائیل علیہ السلام میں ایمان کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تُو ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یومِ آخرت پر اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بری''۔ (مسلم کتاب الایمان رقم 8)

حدیث شریف کے ان الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر بُری بھی ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تقدیر کبھی بُری نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ اچھی ہی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں "وَشَرِّہٖ" (بُری تقدیر) کا لفظ انسانوں کی سوچ اور طرزِ عمل کے پیشِ نظر استعمال کیا گیا ہے۔ چوں کہ بعض لوگ، موت یا مالی نقصان وغیرہ کو بُرا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا انسانوں کی سوچ کے مطابق اُسے بُرا کہہ دیا گیا ہے، لیکن اللہ کی طرف سے اس میں کوئی بُرائی نہیں ہوتی، بلکہ کوئی نہ کوئی ایسی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے جو ان کے لیے خیر اور بھلائی کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر خواہ کیسی ہی ہو، وہ نتائج کے اعتبار سے اچھی ہوتی ہے۔

حدیث کے ان الفاظ کی حقیقت کو ہم قرآن مجید کی ایک آیت کے حوالے سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمائی ہے:۔

آیت 11:۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ○ (الرعد: ۹)

ترجمہ وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔

آیت کریمہ میں "غیب" کا لفظ محض انسانوں کو سمجھانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی چیز غیب نہیں ہے۔ روزِ اوّل سے لے کر روزِ ابد تک ہر چیز ایک کھلی کتاب کی طرح حاضر ہی حاضر ہے، لیکن پھر بھی غیب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کے لیے واقعی حاضر اور غائب ہے۔ لہٰذا "غیب" کا لفظ استعمال کر کے یہ وضاحت فرما دی گئی ہے کہ جسے تم غیب سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے۔

آیت 12:۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ (النحل: ۱۹)

ترجمہ حالانکہ وہ تمہارے کھلے سے بھی واقف ہے اور چھپے سے بھی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، سب کچھ ظاہر ہی ظاہر ہے، لیکن لوگوں کے نزدیک یہ دو مختلف حالتیں اپنا وجود رکھتی ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو سمجھانے کے لیے وہی لفظ استعمال کیے گئے ہیں، جو لوگ استعمال کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ "لیل" (رات) اور "نہار" (دن) کا لفظ استعمال

فرمایا۔مثلاً:

آیت13:۔سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ○(الرعد:١٠)

ترجمہ تم میں سے کوئی شخص خواہ زور سے بات کرے یا آہستہ، اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو، یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو، اس کے لیے سب یکساں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے رات کی تاریکی کوئی معنی نہیں رکھتی۔اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر چیز دن کی طرح روشن ہی روشن ہے، لیکن اس کے باوجود ''لیل'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو ان کی روزمرہ کی گفتگو کے مطابق بات واضح کر دی جائے۔

بالکل اسی طرح ''بُری تقدیر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ وہ تقدیر جسے تم بُرا سمجھتے ہو، اس پر بھی ایمان لاؤ، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی بُری تقدیر نہیں لکھی۔ ہر انسان کی تقدیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں کوئی نہ کوئی ایسی حکمت پوشیدہ ہے جسے وہ نہیں جانتا، لیکن اس میں اس کے لیے کوئی نہ کوئی خیر اور بھلائی کا پہلو ضرور ہوتا ہے۔

6 اقسامِ تقدیر

(۱) تقدیر مبرم:۔ یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل ہوتی ہے۔اس میں کچھ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، لوح محفوظ میں ایک ہی بات لکھی ہوتی ہے، جو ہو کے رہتی ہے۔

(۲) تقدیر معلق:۔ یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل نہیں ہوتی بلکہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔اس تقدیر کو اللہ تبارک و تعالیٰ کسی دوسرے کام کے ساتھ معلق کر کے لکھتے ہیں کہ اگر فلاں کام ہوا تو فلان دوسرا کام بھی ہوگا، اور اگر فلان کام نہ ہوا تو فلاں دوسرا کام بھی نہیں ہوگا۔مثلاً: زید نے اپنے والدین کی خدمت کی، تو اس کی عمر لمبی ہوگی۔اور اگر خدمت نہ کی اس کی عمر لمبی نہیں ہوگی۔

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق بندوں کے اعتبار سے ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر تقدیر مبرم ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کام کے انجام اور خاتمہ کے متعلق ازل سے ہی واقف اور پوری طرح آگاہ ہیں۔

آیت 14:- یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ. (الرعد:۳۹)

ترجمہ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔

تقدیرِ معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر تقدیر مبرم اور ملزم ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ لازم کرنے والا ہے، جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے لیکن اس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف نہیں ہوسکتا۔ اور تقدیرِ معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے: ''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک عمر بڑھاتا ہے، اور جھوٹ روزی گھٹاتا ہے، اور دعا فیصلۂ خداوندی کو پھیر دیتی ہے''۔ یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہورِ حوادث کے اعتبار سے ہیں، علمِ الٰہی کے تعلق سے ہر شی طے شدہ ہے۔ ازل سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ طالب علم اگر محنت کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا، اور کھیلے گا تو فیل ہوگا۔ یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں۔ ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہونے والا ہے، بلکہ وہ پہلو انہی کا طے کیا ہوا ہے، ورنہ علمِ الٰہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا کیونکہ ماننا پڑے گا کہ کچھ باتیں ان کو ازل میں متعین طور پر معلوم نہیں تھیں۔ توبہ! توبہ!۔

اس سے جبر اس لیے لازم نہیں آتا کہ علم: معلوم سے پیدا ہوتا ہے، یعنی معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم کبھی علم کے تابع نہیں ہوتا، جیسے تاج محل کا واقعی علم وہ ہے جو تاج محل سے حاصل ہو، تاج محل کبھی ہمارے تصور کے تابع نہیں ہوسکتا۔ بس فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے، اکتسابی نہیں۔ اس لیے وہ معلومات کے محتاج نہیں، وہ لایزال میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے۔ اس کو ازل سے بغیر معلومات کے جانتے ہیں اور چونکہ ان کا علم واقعہ کے مطابق ہے۔ اس لیے وہ جو کچھ جانتے ہیں وہی ہوگا، ورنہ

ان کا علم غلط ہو جائے گا، مگر قاعدہ وہی رہے گا کہ علم: معلوم سے حاصل ہوتا ہے، یعنی علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔ اس لئے جبر لازم نہیں آئے گا۔

(عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو) : رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا (قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ":... جَمْعُ مِقْدَارٍ، وَهُوَ الشَّيْءُ الَّذِي يُعْرَفُ بِهِ قَدْرُ الشَّيْءِ، وَكَمِّيَّتُهُ كَالْمِكْيَالِ، وَالْمِيزَانِ، وَقَدْ يُسْتَعْمَلُ بِمَعْنَى الْقَدَرِ نَفْسِهِ، وَهُوَ الْكَمِّيَّةُ، وَالْكَيْفِيَّةُ (قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ، وَالْأَرْضَ) : وَمَعْنَى كَتَبَ اللهُ: أَجْرَى اللهُ الْقَلَمَ عَلَى اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ بِإِيجَادِ مَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّعَلُّقِ، وَأَثْبَتَ فِيهِ مَقَادِيرَ الْخَلْقِ مَا كَانَ، وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ عَلَى وَفْقِ مَا تَعَلَّقَتْ بِهِ إِرَادَتُهُ أَزَلًا كَإِثْبَاتِ الْكَاتِبِ مَا فِي ذِهْنِهِ بِقَلَمِهِ عَلَى لَوْحِهِ، وَقِيلَ: أَمَرَ اللهُ الْقَلَمَ أَنْ يُثْبِتَ فِي اللَّوْحِ مَا سَيُوجَدُ مِنَ الْخَلَائِقِ ذَاتًا وَصِفَةً، وَفِعْلًا، وَخَيْرًا، وَشَرًّا عَلَى مَا تَعَلَّقَتْ بِهِ إِرَادَتُهُ، وَحِكْمَةُ ذَلِكَ إِطْلَاعُ الْمَلَائِكَةِ عَلَى مَا سَيَقَعُ لِيَزْدَادُوا بِوُقُوعِهِ إِيمَانًا، وَتَصْدِيقًا، وَيَعْلَمُوا مَنْ يَسْتَحِقُّ الْمَدْحَ وَالذَّمَّ فَيَعْرِفُوا لِكُلٍّ مَرْتَبَتَهُ..... أَوْ قَدَّرَ وَعَيَّنَ مَقَادِيرَهُمْ تَعْيِينًا بَتًّا لَا يَتَأَتَّى خِلَافُهُ بِالنِّسْبَةِ لِمَا فِي عِلْمِهِ الْقَدِيمِ الْمُعَبَّرِ عَنْهُ بِأُمِّ الْكِتَابِ، أَوْ مُعَلَّقًا كَأَنْ يَكْتُبَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ فُلَانٌ يَعِيشُ عِشْرِينَ سَنَةً إِنْ حَجَّ، وَخَمْسَةَ عَشَرَ إِنْ لَمْ يَحُجَّ، وَهَذَا هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ الْمَحْوَ وَالْإِثْبَاتَ الْمَذْكُورَيْنِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: "يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ"۔ (الرعد:۳۹) أَيِ: الَّتِي لَا مَحْوَ فِيهَا، وَلَا إِثْبَاتَ فَلَا يَقَعُ فِيهِمَا إِلَّا مَا يُوَافِقُ مَا أُبْرِمَ فِيهَا. كَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ، وَفِي كَلَامِهِ خَفَاءٌ إِذِ الْمُعَلَّقُ، وَالْمُبْرَمُ كُلٌّ مِنْهُمَا مُثْبَتٌ فِي اللَّوْحِ غَيْرُ قَابِلٍ لِلْمَحْوِ، نَعَمِ الْمُعَلَّقُ فِي الْحَقِيقَةِ مُبْرَمٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى عِلْمِهِ تَعَالَى، فَتَعْبِيرُهُ بِالْمَحْوِ إِنَّمَا هُوَ مِنَ التَّرْدِيدِ الْوَاقِعِ فِي اللَّوْحِ إِلَى تَحْقِيقِ الْأَمْرِ الْمُبْرَمِ الْمُبْهَمِ الَّذِي هُوَ مَعْلُومٌ فِي أُمِّ الْكِتَابِ، أَوْ مَحْوُ أَحَدِ الشِّقَّيْنِ الَّذِي لَيْسَ فِي عِلْمِهِ تَعَالَى. فَتَأَمَّلْ فَإِنَّهُ دَقِيقٌ، وَبِالتَّحْقِيقِ حَقِيقٌ. (مرقاة المفاتيح، ج۱ ص ۱۴۷، ۱۴۸)

7 مراتب تقدیر

تقدیر کے پانچ درجات اور مراتب ہیں:

١ ''ازلی'':۔ وہ امور جن کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازل میں فیصلہ فرمالیا تھا۔ ان امور سے متعلقہ تقدیر کو تقدیر ازلی کہتے ہیں۔

٢ ''کتابی'':۔ وہ امور جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرش کو پیدا کرنے کے بعد اور زمین وآسمان کو پیدا کرنے سے پہلے طے فرمایا۔

٣ ''ارواحی'':۔ وہ امور جو صلب آدمؑ سے ذریت آدمؑ کو نکالنے کے وقت ''یوم عہدِ الست'' میں طے کیے گئے۔

٤ ''مبدءِ الولادۃ'':۔ وہ امور جو بچے کے لیے اس وقت طے کیے جاتے ہیں، جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

٥ وہ امور جو دیگر بعض امور پر موقوف کیے گئے ہیں۔

ہر سال لیلۃ القدر میں ہر بندہ کی اس سال کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔

تقدیر کے ان پانچ درجات میں سے پہلے چار درجات تقدیر مبرم کے درجات ہیں جو کہ اٹل ہیں، ان میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ آخری درجہ تقدیر معلق کا ہے، اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔

حوالہ وَقدوَقع ذٰلِكَ(القدر) خمس مَرَّات.

فأولها: أَنه أجمع فِي الْأَزَل أَن يُوجد الْعَالم على أحسن وَجه مُمكن مراعيا للْمصَالح مؤثرا لما هُوَ الْخَيْر النسبي حِين وجوده. وَكَانَ علم الله يَنْتَهِي إِلَى تعْيين صُورَة وَاحِدَة من الصُّور لَا يشاركها غَيرهَا. فَكَانَت الْحَوَادِث سلسلة مترتبة مجتمعا وجودهَا، لَا تصدق على كثيرين. فإرادة إِيجَاد الْعَالم مِمَّن لَا تخفى عَلَيْهِ خافية هُوَ بِعَيْنِه تَخْصِيص صُورَة وجوده إِلَى آخر مَا ينجر إِلَيْهِ الْأَمر.

وَثَانِيهَا: أَنه قدر الْمَقَادِير. ويروى أَنه كتب مقادير الْخَلَائق كلهَا. وَالْمعْنَى وَاحِد

قبل أن يخلق السَّمٰوات وَالْأَرْض بِخَمْسِينَ ألف سنة، وَذٰلِكَ أنه خلق الْخَلَائق حسب الْعِنَايَة الأزلية فِي خيال الْعَرْش، فصور هُنَالك بجميع الصُّور، وَهُوَ الْمعبر عَنهُ بِالذكر فِي الشَّرَائِع، فتحقق هُنَالكَ مثلا صُورَة مُحَمَّد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَعثه إِلَى الْخلق فِي وَقت كَذَا، وانذاره لَهُم وإنكار أبي لَهب وإحاطة الْخَطِيئَة بِنَفسِهِ فِي الدُّنْيَا، ثمَّ اشتعال النَّار عَلَيْهِ فِي الْآخِرَة، وَهٰذِه الصُّورَة سَبَب لحدوث الْحَوَادِث على نَحْو مَا كَانَت هُنَالك، كتأثير الصُّورَة المنتقشة فِي أَنْفُسنَا فِي زلق الرجل على الْجذع الْمَوْضُوع فَوق الجدران، وَلم تكن لتزلق لَو كَانَت على الأَرْض.

وَثَالِثهَا: أَنه لما خلق آدم عَلَيْهِ السَّلَام ليَكُون أَبَا الْبشر، وليبدأ مِنْهُ نوع الْإِنْسَان أحدث فِي عَالم الْمِثَال صور بنيه وَمثل سعادتهم و شقاوتهم بِالنورِ والظلمة، وجعلهم بِحَيْثُ يكلفون، وَخلق فيهم مَعْرفَته والاخبات لَهُ، وَهُوَ أصل الْمِيثَاق المدسوس فِي فطرتهم، فيؤاخذون بِهِ، وَإِن نسوا الْوَاقِعَة إِذا النُّفُوس المخلوقة فِي الأَرْض إِنَّمَا هِيَ ظلّ الصُّور الْمَوْجُودَة يَوْمئِذٍ، فمدسوس فِيهَا مَا دس يَوْمئِذٍ.

وَرَابِعهَا: حِين نفخ الرّوح فِي الْجَنِين، فَكَمَا أَن النواة إِذا ألقيت فِي الأَرْض فِي وَقت مَخْصُوص، وأحاط بهَا تَدْبِير مَخْصُوص علم المطلع على خاصية نوع النّخل، وخاصية تِلْكَ الأَرْض وَذٰلِكَ المَاء والهواء أَنه يحسن نباتها، ويتحقق من شَأْنه على بعض الْأَمر، فَكَذٰلِك تتلقى الْمَلَائِكَة الْمُدبرَة يَوْمئِذٍ، وينكشف عَلَيْهِم الْأَمر فِي عمره ورزقه، وَهل يعْمل عمل من غلبت ملكيته على بهيميته، أَو بِالْعَكْسِ، وَأي نَحْو تكون سعادته وشقاوته.

وخامسها: قبيل حُدُوث الْحَادِثَة، فَينزل الْأَمر من حَظِيرَة الْقُدس إِلَى الأَرْض، وينتقل شَيْء مثالي، فتنبسط أَحْكَامه فِي الأَرْض.

(حجۃ اللہ البالغۃ، الشاہ ولی اللہ الدہلوی، ج ۱ ص ۱۲۷، ۱۲۸)

(وتقديره) اى بمقدار قدره اولا، وكتبه فى اللوح المحفوظ وحرّره ثانيا، واظهره فى عالم الكون وقرّره ثالثا، ثم يجزيه جزاءً وافياً فى عالم العقبى رابعاً۔ (شرح ملّا علی القاری علی الفقہ الاکبر، ص ۹۴)

8 تقدیر سے متعلق تین شبہات کا ازالہ

شبہات: مسئلہ تقدیر کے بارے میں تین شبہات عموماً لوگوں کو پیش آتے ہیں:

1 دنیا میں اچھا بُرا جو کچھ ہوتا ہے، اگر یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر سے ہے، اور اللہ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے، تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام برائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذ اللہ!) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

2 جب کچھ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدور ہو چکا ہے، اور اس کی تقدیر اٹل ہے، تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا انھیں کوئی جزا اور سزا نہ ملنی چاہیے۔

3 جو کچھ ہونا ہے، جب وہ سب پہلے سے ہی مقدر ہو چکا ہے اور اس کے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے، تو پھر کسی مقصد کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا دنیا یا آخرت کے کسی کام کے لیے محنت اور کوشش فضول ہے۔

جواب یہ تینوں شبہات تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ کی تقدیر اس کے علمِ ازلی کے مطابق ہے، اور اس کارخانۂ عالم میں جو کچھ، جس طرح اور جس صفت کے ساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے، وہ بالکل اسی طرح، اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کے ساتھ اس کے علمِ ازلی میں تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرما دیا ہے۔

ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال و افعال پر غور کرے گا، وہ بغیر کسی شک وشبہ کے اس حقیقت کو محسوس کرے گا کہ اس دنیا میں ہم جو بھی اچھے یا بُرے عمل کرتے ہیں، وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں، ہر کام کے کرنے کے وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اس کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں، پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے اللہ کے عطا کردہ ارادے اور

اختیار سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلے کے مطابق عمل ہوتا ہے۔
پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرمایا اور اس پورے سلسلے کے وجود کا فیصلہ فرما دیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے، بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں، وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے۔ گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے کہ فلاں شخص اچھا یا بُرا کام کرے گا، بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ اور اختیار سے ایسا کرے گا۔ پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے، پھر اس کو یہ جزا یا سزا ملے گی۔
الغرض! ہم کو اعمال میں جو ایک طرح کی خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے، جس کی بنا پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، وہ بھی تقدیر میں ہے، اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اُسی پر ہے، اور اُسی کی بنا پر انسان مکلف ہے، اور اسی پر جزا و سزا کی بنیاد ہے۔
بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے۔ لہٰذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں، اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔
ایسے ہی جن مقاصد کے لیے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دُنیا میں کرتے ہیں، تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو ان ہی تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔
الغرض! تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائے گی، بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دُنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے، تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔
تقدیر میں اسباب و مُسببات کا پورا سلسلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ تقدیر میں جو کچھ ہے، وہ آپ سے آپ مل جائے گا، اور اس بنا پر اس عالمِ اسباب کی کوششوں اور تدبیروں سے دست بردار ہونا دراصل تقدیر کی حقیقت سے ناواقفی ہے۔ اوپر بیان کردہ بعض احادیث میں بعض صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے سوالات کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے۔

الغرض! اگر تقدیر کی پوری حقیقت سامنے رکھ لی جائے، تو ان شاء اللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

(معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۱۹۔ المولف: حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۴۱۷ھ)۔ دار الاشاعت اردو بازار، کراچی۔ تاریخ طبع: اپریل ۲۰۰۰ھ)

تنبیہ: تقدیر کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے۔ اس نے اپنے علم کی بنیاد پر تقدیر لکھی کہ کون سا بندہ دنیا میں کیا کرے گا۔ یہ اللہ کے علم میں ہے جس کو اُس نے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ البتہ بندہ عمل میں خودمختار اور آزاد ہے، جیسا کہ نصوص میں ہے:

آیت 15:۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:۲۹)

ترجمہ: اب جس کا جی چاہے مان لے، اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔

آیت 16:۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ (البلد:۱۰)

ترجمہ: اور کیا دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیئے؟

لیکن چونکہ اللہ کے علم اور اندازے میں غلطی کا وہم بھی نہیں ہے۔ اس لیے بندہ خود مختار اور آزاد ہو کر بھی وہی کرتا ہے، جو اللہ نے اپنے علم کی بنیاد پر تقدیر میں لکھ دیا ہے، اور پھر بندہ اپنے کیے ہوئے عمل کے مطابق جزا و سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

۹ فرقہ قدریہ کی مختصر تاریخ اور ان کے کفر کی ضروری تنقیح

احادیثِ قضاء وقدر پڑھنے سے قبل ضروری ہے کہ فرقہ قدریہ کی مختصر تاریخ معلوم کر لی جائے تاکہ یہ بات بخوبی واضح ہو جائے کہ احادیث میں اس فرقہ کے متعلق جو تعبیری شدت اختیار کی گئی ہے وہ کیوں کی گئی ہے؟ اور ائمہ وعلماء نے اس فرقہ کی جو تکفیر کی ہے، وہ کس بنیاد پر کی ہے؟۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہدِ مسعود میں اس فرقہ کا نام ونشان نہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں اس کا ظہور ہوا، اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت بقیدِ حیات تھے، انہوں نے پوری

قوت کے ساتھ اس کے استیصال میں حصہ لیا، جن میں سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ عراق سے اس فتنے کا آغاز ہوا، اور بصرہ کے ایک یہودی النسل شخص نے اس کی بنیاد ڈالی جس کا نام سوسن یا سیویہ تھا۔ پھر اس سے معبد جہنی نے، اور معبد جہنی سے غیلان نے اس عقیدہ کو سیکھا۔ شدہ شدہ یہ فتنہ بصرہ سے لے کر شام وحجاز تک پھیل گیا۔ لکھتے ہیں کہ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ جب خانہ کعبہ کو آگ لگی، تو کسی شخص کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ تقدیر الٰہی یوں ہی ہوگی۔ اس پر کسی دوسرے شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ بھلا ایسا کیوں مقدر فرماتا۔ بس اتنی بات پر قضاء وقدر کی بحث چل پڑی۔

قدریہ کا عقیدہ یہ تھا: ''الأمر انف''۔ عربی زبان میں ''روض انف'' اس باغ کو کہتے ہیں جس میں سرسبزی کے باوجود کسی جانور نے منہ نہ ڈالا ہو۔ اور یہاں اس سے غرض یہ ہے کہ بندہ کی سعادت وشقاوت بھی خود اپنے ہی عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کو پہلے سے نہ اس کا علم ہوتا ہے اور نہ کہیں اس کی کتابت ہوتی ہے۔ ہر انسان جب کسی عمل کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے وہی خود اس کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے۔ پھر اسی کے مطابق اس کو عملی جامہ پہنا دیتا ہے۔ اسی ذہنی نقشہ تیار کرنے کا دوسرا نام خلق ہے۔ کسی شاعر نے ذیل کے شعر میں خلق کا لفظ اسی معنی میں اختیار کیا ہے:

وَلَأَنْتَ تَفْرِيْ مَا خَلَقْتَ وَبَعْـ ... ـضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِيْ

أَيْ: أَنْتَ تُنَفِّذُ مَا خَلَقْتَ أَيْ: قَدَّرْتَ بِخِلَافِ غَيْرِكَ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَطِيعُ كُلَّ مَا يُرِيدُ، فَالْخَلْقُ التَّقْدِيرُ، وَالْفَرْيُ التَّنْفِيذُ.

(معارج القبول بشرح سلم الوصول إلى علم الأصول، ج۱ص ۱۳۲۔ المؤلف : حافظ بن أحمد بن علي الحكمي رحمه الله (المتوفى: 1377ھ)

ترجمہ: ان کی شان تو ایک تمہاری ہے کہ جو ذہن میں سوچ لیتے ہو اس کو خارج میں عملی جامہ بھی پہنا کر رہتے ہو اور تمہارے سوا اور لوگ ہیں کہ وہ خیالات تو پکا لیتے ہیں مگر اکثر اس کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔

اس بناء پر قدریہ کو بندہ کے خالق کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا۔ اس بد بخت جماعت کا یہ عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ گو اپنے بندوں کے لیے شریعت نازل فرماتا ہے، مگر اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون اس کی فرمان برداری کرے گا اور کون نافرمانی؟ کون ان میں دوزخی ہوگا اور کون جنتی؟ یہاں تک کہ جب بندے خود عمل کر کے دوزخ اور جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں، تو اب اس کو بھی دوزخیوں اور جنتیوں کا علم ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من هذه الخرافات۔ اس عقیدہ کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ قرآن کریم ان دونوں باتوں کے خلاف بھرا پڑا ہے۔ وہ تصریح کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کو جملہ اشیاء کا پہلے سے علم حاصل ہے، اور آئندہ جو کچھ ہوتا ہے، وہ سب اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ نیز وہ اپنے اس علم کو قیدِ کتابت میں بھی لا چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

آیت 17:۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر: ۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

کبھی وہ اپنے علمِ ازلی کا اظہار بھی فرما دیتا ہے جیسا کہ شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

آیت 18:۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (ص: ۸۵)

ترجمہ میں جہنم کو تجھ سے اور اُن سب لوگوں سے بھر دوں گا جو اِن انسانوں میں سے تیری پیروی کریں گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آیت 19:۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ○ (طٰہٰ: ۱۲۹)

ترجمہ اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت کی ایک مدت مقرر نہ کی جا چکی ہوتی، تو ضرور ان کا بھی فیصلہ چکا دیا جاتا۔

رسولوں کے متعلق فرمایا:

آیت 20:۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۷۱-۱۷۳)

ترجمہ اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے

گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔

ایک اور موقع پر فرمایا ہے:

آیت 21:۔وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○ (ہود:۱۱۰)

ترجمہ ہم اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دے چکے ہیں اور اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا (جس طرح آج اس کتاب کے بارے میں کیا جارہا ہے جو تمہیں دی گئی ہے)۔ اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان کبھی کا فیصلہ چکا دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسی طرح تقدیر کی کتابت کے متعلق بھی بہت سی آیات میں تصریح موجود ہے:

آیت 22:۔اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (الحج:۷۰)

ترجمہ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے۔ اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، پھر جو عمل بھی وہ کرنے والی تھی، اُن سب کا اس کو پہلے سے علم حاصل تھا۔ اس نے اپنے اس علم کو کتاب کی شکل عنایت فرمائی۔ چنانچہ اب وہ کتاب کی شکل میں موجود ہے۔ چاہو تو اس کی تصدیق کے لیے مذکورہ بالا آیت پڑھ لو۔ (ملاحظہ فرمائیں: تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۵۲)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آیت 23:۔مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (الحدید:۲۲)

ترجمہ کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اُس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا

اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

آیت 24:۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ (الانبیاء:۱۰۵)

ترجمہ اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔

محو و اثبات کے متعلق فرمایا:

آیت 25:۔ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ○ (الرعد:۳۹)

ترجمہ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔

الغرض علمِ ازلی اور اُس کی کتابت کے متعلق قرآن مجید میں بے شمار آیات موجود ہیں یہاں ان سب کا احصار مقصود نہیں ہے۔ صرف بطور مشتے نمونہ از خروارے چند آیات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرقہ کی تکفیر کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی فرقہ کے حق میں ہے۔

علماء اسلام رحمہم اللہ نے جب اس عقیدہ کو باطل کر دکھایا اور اس کی دھجیاں اڑا دیں، تو ان کو لاچار ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور وہ علمِ الٰہی کے تو قائل ہو گئے، مگر افعالِ عباد کا مشیتِ الٰہیہ کے تحت ہونے کا ان کو پھر بھی انکار رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان فرمایا ہے:

وَقَدْ حَكَى الْمُصَنِّفُونَ فِي الْمَقَالَاتِ عَنْ طَوَائِفَ مِنَ الْقَدَرِيَّةِ إِنْكَارَ كَوْنِ الْبَارِئِ عَالِمًا بِشَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِ الْعِبَادِ قَبْلَ وُقُوعِهَا مِنْهُمْ. وَإِنَّمَا يَعْلَمُهَا بَعْدَ كَوْنِهَا. قَالَ الْقُرْطُبِيُّ وَغَيْرُهُ: قَدِ انْقَرَضَ هٰذَا الْمَذْهَبُ وَلَا نَعْرِفُ أَحَدًا يُنْسَبُ إِلَيْهِ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ. قَالَ: وَالْقَدَرِيَّةُ الْيَوْمَ مُطْبِقُونَ عَلَى أَنَّ اللَّهَ عَالِمٌ بِأَفْعَالِ الْعِبَادِ قَبْلَ وُقُوعِهَا. وَإِنَّمَا خَالَفُوا السَّلَفَ فِي

زَعْمِهِمْ بِأَنَّ أَفْعَالَ الْعِبَادِ مَقْدُورَةٌ لَهُمْ وَوَاقِعَةٌ مِنْهُمْ عَلَى جِهَةِ الِاسْتِقْلَالِ وَهُوَ مَعَ كَوْنِهِ مَذْهَبًا بَاطِلًا أَخَفُّ مِنَ الْمَذْهَبِ الْأَوَّلِ وَأَمَّا الْمُتَأَخِّرُونَ مِنْهُمْ فَأَنْكَرُوا تَعَلُّقَ الْإِرَادَةِ بِأَفْعَالِ الْعِبَادِ فِرَارًا مِنْ تَعَلُّقِ الْقَدِيمِ بِالْمُحْدَثِ وَهُمْ مَخْصُومُونَ بِمَا قَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنْ سَلَّمَ الْقَدَرِيُّ الْعِلْمَ خُصِمَ يَعْنِي يُقَالُ لَهُ أَيَجُوزُ أَنْ يَقَعَ فِي الْوُجُودِ خِلَافُ مَا تَضَمَّنَهُ الْعِلْمُ فَإِنْ مَنَعَ وَافَقَ قَوْلَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَإِنْ أَجَازَ لَزِمَهُ نِسْبَةُ الْجَهْلِ تَعَالَى اللهُ عَنْ ذٰلِكَ تَنْبِيهٌ ظَاهِرُ السِّيَاقِ يقتضي أَن الْإِيمَان لايطلق إِلَّا عَلَى مَنْ صَدَّقَ بِجَمِيعِ مَا ذُكِرَ وَقَدِ اكْتَفَى الْفُقَهَاءُ بِإِطْلَاقِ الْإِيمَانِ عَلَى مَنْ آمن بِاللهِ وَرَسُوله. وَلَا اخْتِلَاف أَن الْإِيمَانَ بِرَسُولِ اللهِ الْمُرَادُ بِهِ الْإِيمَانُ بِوُجُودِهِ وَبِمَا جَاءَ بِهِ عَنْ رَبِّهِ فَيَدْخُلُ جَمِيعُ مَا ذُكِرَ تَحْتَ ذٰلِكَ. وَاللهُ أَعْلَمُ. (فتح الباری ج۱ ص۱۱۹ تحت رقم 50)

اس جماعت کو کافر کہنا تو مشکل ہے، البتہ ان کو بدعتی کہنے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلقِ افعالِ عباد کا مسئلہ خود ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کی تحقیق میں خود اہل سنت کا قلم بھی کسی ایک رائے پر نہیں جم سکا۔ ایسے مسئلہ میں کفر کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو مسائل عہدِ سلف میں مسلّم ہوں اور قطعی ثبوت کے ساتھ ہم تک پہنچ جائیں۔ ان میں تاویل یا ان کا انکار تو ایک لحہ کے لیے بھی قابل برداشت نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ ختم نبوت، نزول عیسٰی علیہ السلام۔ لیکن جو مسائل اس وقت زیر بحث نہیں آسکے اور بعد میں دماغی کاوشوں، عقلاء کی نکتہ سنجیوں یا زائغین کی مغالطہ آمیزیوں سے پیدا ہو گئے ہیں، اگر شریعتِ اسلام میں اس کا کوئی واضح حکم نہیں ملتا تو اس کے انکار یا اقرار سے تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ خلقِ افعالِ عباد کا مسئلہ بھی ان ہی میں داخل ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں جو فرقے بھی اہلِ حق سے جدا ہو گئے ہیں، ان کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ البتہ بدعت کے حکم سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے قدریہ کے متعلق ائمہ کی جو تکفیر نقل کر دی ہے۔ اس کو اسی تفصیل کے

ماتحت سمجھنا چاہیے۔ یعنی یہ وہ فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا ان کے وجود سے قبل کوئی علم نہیں ہوتا، اور نہ پہلے سے لوحِ محفوظ یا کہیں ان کی کتابت ہوتی ہے۔ (دیکھیے: الإیمان لابن تیمیة، ص ۲۹۹ـ ۳۰۲)

ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم جیسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ ومسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اگر کہیں کسی قدری راوی کی روایت اپنی اپنی صحیح میں درج فرمائی ہیں تو وہ اسی دوسرے فرقہ کا شخص ہوا ہے کیونکہ پہلا فرقہ بالاتفاق کافر ہے اور کافر کی روایت کے مردود ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ بدعتی کی روایت کے قبول ورد میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل کا محل اصولِ حدیث ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ ابی داود میں قدریہ اور چند بدعتی فرقوں کے ظہور کی تاریخ اس ترتیب سے تحریر فرمائی ہے:

وَأَمَّا الْإِرْجَاء وَالرَّفْض وَالْقَدَر وَالتَّجَهُّم وَالْحُلُول وَغَيْرهَا مِنَ الْبِدَع فَإِنَّهَا حَدَثَتْ بَعْدَ انْقِرَاض عَصْر الصَّحَابَة. وَبِدْعَة الْقَدَر أَدْرَكَتْ آخِر عَصْر الصَّحَابَة فَأَنْكَرَهَا مَنْ كَانَ مِنْهُمْ حَيًّا كَعَبْدِ الله بن عمر وابن عباس وأمثالهما رضي الله عنهم. وأكثر مَا يَجِيء مِنْ ذَمّهمْ فَإِنَّمَا هُوَ مَوْقُوف عَلَى الصَّحَابَة مِنْ قَوْلهمْ فِيهِ. ثُمَّ حَدَثَتْ بِدْعَة الْإِرْجَاء بَعْدَ انْقِرَاض عَصْر الصَّحَابَة فَتَكَلَّمَ فِيهَا كِبَار التَّابِعِينَ الَّذِينَ أَدْرَكُوهَا كَمَا حَكَيْنَاهُ عَنْهُمْ، ثُمَّ حَدَثَتْ بِدْعَة التَّجَهُّم بَعْدَ انْقِرَاض عَصْر التَّابِعِينَ. وَاسْتَفْحَلَ أَمْرهَا وَاسْتَطَارَ شَرّهَا فِي زَمَن الْأَئِمَّة كَالْإِمَامِ أَحْمَد وَذَوِيهِ. ثُمَّ حَدَثَتْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِدْعَة الْحُلُول وَظَهَرَ أَمْرهَا فِي زَمَن الْحُسَيْن الْحَلَّاج.

(عون المعبود شرح سنن أبي داود، ومعه حاشية ابن القيم: تهذيب سنن أبي داود وإيضاح علله ومشكلاته ج ۱۲ ص ۲۹۸)

یعنی تقدیر کے انکار کی بدعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں شروع ہوئی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اس قسم کے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو اس دور میں بقیدِ حیات تھے اس کی تردید میں کافی حصہ لیا۔ اسی

لیے اس فرقہ کی مذمت جن احادیث میں آئی ہے وہ کثرت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے اقوال ہیں۔ اس کے بعد ارجاء کی بدعت نکلی، ان کی تردید میں اکابر تابعین رحمہم اللہ نے حصہ لیا، پھر جب عہد تابعین رحمہم اللہ بھی ختم ہوا، تو جہمیہ فرقہ پیدا ہوا، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسے ائمہ کے دور میں اس کا خوب چرچا رہا۔ اس کے بعد حلول کا عقیدہ ظاہر ہوا اور حسین حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس کا زور وشور ہوا۔

10 منکرینِ تقدیر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت کلمات

حدیث 9:۔حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي بِمِنًى، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْقَدَرِيَّةُ مَجُوسُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ: إِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ، وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ"۔

(حسن: سنن ابی داود رقم 4691؛ مسند احمد رقم 5584، 6077؛ السنة لابن أبي عاصم، رقم 338؛ القدر، للفریابی، رقم 216؛ الشریعۃ للآجری، رقم 381؛ معجم اوسط طبرانی رقم 2494؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1512؛ مستدرک حاکم رقم 286؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1150؛ الاعتقاد، بیہقی، ص ۲۳۶؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 20869؛ القضاء والقدر، بیهقی، رقم 407، 408؛ معرفة السنن والآثار، بیهقی، رقم 20128؛ مشکوٰۃ رقم 107؛ صححه الألباني في ظلال الجنة: 342؛ صحیح الجامع: 5163؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَفِيهِ زَكَرِيَّا بْنُ مَنْظُورٍ، وَثَّقَهُ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَغَيْرُهُ، وَضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ: مجمع الزوائد رقم 11874؛ الروض النضير رقم 197؛ الظلال رقم 328-329؛ الصحيحة رقم 2748)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’تقدیر کا انکار کرنے والے اس اُمّت کے مجوسی ہیں۔ اگر بیمار ہوجائیں تو ان کی عیادت بھی نہ کرنا، اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہونا‘‘۔

تشریح: حدیث مذکور میں عیادت اور جنازہ میں شرکت کے متعلق خاص طور پر ممانعت فرمانے

کا نکتہ یہ ہے کہ یہ اُن حقوق میں سے ہیں جو عام مسلمانوں کے لیے واجب ہیں۔ پس جب منکرین تقدیر کے لیے یہ عام حقوق بھی واجب نہ رہے، تو سوچو کہ اُن کا شمار کیا مسلمانوں کے زمرہ میں ہوگا۔ قدریہ چونکہ تقدیر کے منکر ہیں اور بندوں کے افعال کا خالق خود اُن کو قرار دیتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی گویا خالق میں تقسیم کے قائل ہو گئے، جس طرح مجوس قائل ہیں، یہ خیر و شر کے خالق جدا جدا مانتے ہیں، اور منکرینِ تقدیر بندوں کے افعال کے خالق جدا جدا مانتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس اُمت کے مجوس یہ ہوئے، بلکہ یہ اُن سے بھی بدتر ہیں کہ مجوس تو صرف دو (۲) خالق کے قائل ہیں، اور یہ بے شمار خالقوں کے قائل ہو گئے۔ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْهُ۔

حدیث 10:۔حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى الكُوفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ حَبِيبٍ، وَعَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ، عَنْ نِزَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الإِسْلَامِ نَصِيبٌ: الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ". وَفِي البَابِ عَنْ عُمَرَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ. وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

(ترمذی رقم 2149؛ ابن ماجہ رقم 62؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 334؛ الشریعۃ للآجری رقم 310؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1272؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1156؛ الاعتقاد بیہقی ص ۲۳۸؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 435؛ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: ابن ماجہ رقم 73؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 344، 948)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اُمت کے دو گروہ: قدریہ (منکرین تقدیر) اور مُرْجِئَہ، کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے''۔

حدیث 11:۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ الْمَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: "جَاءَ مُشْرِكُو قُرَيْشٍ يُخَاصِمُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَدَرِ، فَنَزَلَتْ {يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ

ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ. إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [القمر: 49]".

(مسلم رقم 19 - 2656؛ مسند احمد رقم 9736، 10164؛ خلق أفعال العباد ص ۴۹؛ سنن ابن ماجہ رقم 83؛ ترمذی رقم 2157، 3290؛ القدر، الفریابی رقم 245؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11647 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ الإبانة الكبرى لابن بطة. رقم 1429، 1500، 1534؛ الاعتقاد، بیہقی، ص ۱۳۵؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 1، 175؛ ابن حبان رقم 6139؛ شعب الایمان رقم 180؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 349؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 946، 947)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مشرکین قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلۂ تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

آیت 26:۔ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ○ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر: ۴۷ تا ۴۹)

ترجمہ یہ مجرم لوگ درحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان کی عقل ماری گئی ہے۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزا۔ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

حدیث 12:۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْعُرُوقِيُّ، ثنا قُرَّةُ بْنُ حَبِيبٍ، ثنا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَعْدَةَ الْمَخْزُومِيِّ، عَنِ ابْنِ زُرَارَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [القمر: 49]. قَالَ: "نَزَلَتْ فِي أُنَاسٍ مِنْ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ يُكَذِّبُونَ بِقَدَرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ".

(معجم کبیر طبرانی رقم 5316؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَفِيهِ مَنْ لَمْ أَعْرِفْهُ: مجمع الزوائد رقم 11385؛ جمع الجوامع، السیوطی، رقم 83/14287؛ الصَّحِيحَة: 1539)

ترجمہ حضرت زُرارۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

آیت 27:۔ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى

وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۞ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۞ (القمر: ۴۷ تا ۴۹)

ترجمہ یہ مجرم لوگ درحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان کی عقل ماری گئی ہے۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزا۔ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

''یہ میری اُمت کے آخری زمانہ میں پیدا ہونے والے اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو تقدیرِ الٰہی کا انکار کریں گے''۔

حدیث 13:۔ ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مِهْرَانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "الرَّجْمُ حَدٌّ مِنْ حُدُودِ اللهِ، فَلَا تُخْدَعُوا عَنْهُ، وَآيَةُ ذٰلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ، وَأَبُو بَكْرٍ رَجَمَ، وَرَجَمْتُ أَنَا بَعْدُ، وَسَيَجِيءُ قَوْمٌ يُكَذِّبُونَ بِالْقَدَرِ، وَيُكَذِّبُونَ بِالْحَوْضِ، وَيُكَذِّبُونَ بِالشَّفَاعَةِ، وَيُكَذِّبُونَ بِقَوْمٍ يَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ".

(السنة لابن أبي عاصم رقم 343، 697؛ صححه الألباني في ظلال الجنة: رقم 697)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''رجم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد ہے۔ لہٰذا اس بارے میں دھوکہ نہ کھا جانا، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رجم کیا، اور اُن کے بعد میں نے بھی رجم کیا۔ عنقریب ایسی قوم آئے گی جو تقدیر کا انکار کرے گی، حوضِ کوثر کا انکار کرے گی، شفاعت کا انکار کرے گی، اور جہنم سے نکلنے والی (مسلمان) قوم کا انکار کرے گی (گنہگار مسلمانوں کا سزا بھگتنے کے بعد، یا شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکلنا ہوگا)۔

حدیث 3:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقَزَّازُ، قَالَ: ثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ عَنْبَسَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أُخِّرَ الْكَلَامُ فِي الْقَدَرِ لِشِرَارِ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ، وَمِرَاءٌ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ".

(معجم اوسط طبرانی رقم 5909؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 350؛ مسند البزار رقم 7796، 10079؛ قال الحاکم: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. قال الذهبی: عنبسة ثقة لكن لم يرويا له: مستدرک حاکم رقم 3765؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 449؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَزَادَ "لِشِرَارُ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ"، وَرِجَالُ الْبَزَّارِ فِي أَحَدِ الْإِسْنَادَيْنِ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ عُمَرَ بْنِ أَبِي خَلِيفَةَ وَهُوَ ثِقَةٌ: مجمع الزوائد رقم 11855؛ صحيح الجامع: 226؛ الصحيحة: 1124)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آخری زمانہ میں میری اُمت کے شریر لوگوں کے لیے تقدیر میں کلام کرنا موخر کر دیا گیا ہے۔ (یعنی وہ شریر لوگ تقدیر کے بارے میں بحث مباحثہ کریں گے) اور قرآن مجید میں جھگڑا کرنا کفر ہے''۔

حدیث 13:۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ دُحَيْمٍ الدِّمَشْقِيُّ، ثنا أَبِي ح، وحَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، ثنا دُحَيْمٌ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي سَلَّامٍ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثَةٌ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ: عَاقٌّ، وَمَنَّانٌ، وَمُكَذِّبٌ بِقَدَرٍ"۔

(معجم کبیر طبرانی رقم 7547، 7938؛ البر والصلة (عن ابن المبارك وغيره)، للحسين بن حرب رقم 103؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 430؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ. وفي سنده عُمَرُ بْنُ يَزِيدَ وَهُوَ ضَعِيفٌ: مجمع الزوائد رقم 11884؛ جمع الجوامع رقم 81/ 2929؛ صحيح الجامع: 3065؛ الصحيحة: 1785)

ترجمہ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین آدمیوں کی اللہ تعالیٰ فرضی اور نفلی عبادت قبول نہیں کرے گا: ماں باپ کا نافرمان، احسان جتلانے والا، اور تقدیر کا انکار کرنے والا''۔

حدیث 14:۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ السُّوَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ عُتْبَةَ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ يُونُسَ بْنَ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَائِذِ

اللهِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ، وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ، وَلَا مُكَذِّبٌ بِقَدَرٍ".

(مسند احمد رقم 27484؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 321؛ حسنه الألبانی فی ظلال الجنة: 321؛ مسند البزار رقم 4106؛ القدر، الفریابی رقم 201؛ مسند الشامیین رقم 2200، 2212؛ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ، وَالطَّبَرَانِيُّ وَزَادَ "وَلَا مَنَّانٌ". وَفِيهِ سُلَيْمَانُ بْنُ عُتْبَةَ الدِّمَشْقِيُّ، وَثَّقَهُ أَبُو حَاتِمٍ وَغَيْرُهُ، وَضَعَّفَهُ ابْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُ: مجمع الزوائد رقم 11856؛ جمع الجوامع رقم 1737/ 1744، 26098/ 26105؛ الصَّحِيحَة: 675؛ صَحِيحُ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ: 2362)

ترجمہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں داخل نہیں ہوگا: ماں باپ کا نافرمان، شراب میں مدہوش رہنے والا، اور تقدیر کا انکار کرنے والا''۔

حدیث 15 :- ثنا هَارُونُ بْنُ مُوسَى الْفَرْوِيُّ، ثنا أَبُو ضَمْرَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ جَعْفَرٍ الْأَسَدِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَا يَرِدَانِ عَلَيَّ الْحَوْضَ: الْقَدَرِيَّةُ، وَالْمُرْجِئَةُ".

(السنۃ لابن ابی عاصم رقم 949؛ معجم اوسط رقم 4204؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1157؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 426؛ تهذيب الآثار، أبو جعفر الطبری، رقم 973؛ الصَّحِيحَة: 2748)

الْمُرْجِئَةُ: نُسِبُوا إِلَى الْإِرْجَاءِ، وَهُوَ التَّأْخِيرُ، لِأَنَّهُمْ أَخَّرُوا الْأَعْمَالَ عَنِ الْإِيمَانِ فَقَالُوا: الْإِيمَانُ هُوَ التَّصْدِيقُ بِالْقَلْبِ فَقَطْ. وَلَمْ يَشْتَرِطْ جُمْهُورُهُمُ النُّطْقَ، وَجَعَلُوا لِلْعُصَاةِ اسْمَ الْإِيمَانِ عَلَى الْكَمَالِ. وَقَالُوا: لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيمَانِ ذَنْبٌ أَصْلًا. وَمَقَالَاتُهُمْ مَشْهُورَةٌ فِي كُتُبِ الْأُصُولِ.

(فتح الباری: تحت رقم 48)

ترجمہ حضرت ابو لیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اُمت کے دو گروہ: قدریہ (منکرین تقدیر) اور مُرجِئہ، میرے پاس حوضِ کوثر پر

نہیں آسکیں گے"۔

مُرْجِئَةُ: وہ لوگ جو کہتے ہیں: ایمان صرف اقرار کرنا ہے، اس میں عمل کا کوئی وجود نہیں ہے۔

حدیث 16:۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْفَرْغَانِيُّ قَالَ: نا هَارُونُ بْنُ مُوسٰى، الْفَرْوِيُّ قَالَ: نا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَا يَرِدَانِ عَلَيَّ الْحَوْضَ، وَلَا يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ: الْقَدَرِيَّةُ، وَالْمُرْجِئَةُ"۔

(معجم اوسط طبرانی رقم 4204؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ. وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ هَارُونَ بْنِ مُوسَى الْفَرْوِيِّ وَهُوَ ثِقَةٌ: مجمع الزوائد رقم 11889؛ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ: التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوی، ج ۲ ص ۹۴؛ بإسناد صحيح: السراج المنير شرح الجامع الصغير العزيزی، ج ۳ ص ۲۶۴؛ الصَّحِيحَة: رقم 2748؛)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری اُمّت کے دو گروہ: قدریہ (منکرین تقدیر) اور مُرْجِئَة، میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں آسکیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے"۔

مُرْجِئَةُ: وہ لوگ جو کہتے ہیں: ایمان صرف اقرار کرنا ہے، اس میں عمل کا کوئی وجود نہیں ہے۔

حدیث 17:۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو صَخْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: "إِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ"۔ فَقَالَ لَهُ: "إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ، فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ. فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "يَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوْ فِي أُمَّتِي - الشَّكُّ مِنْهُ - خَسْفٌ أَوْ مَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدَرِ"۔ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

(حسن: ترمذی رقم 2152، 2153؛ ابن ماجہ رقم 4061؛ مسند احمد رقم 6208، 5867؛ مشکوۃ رقم 116؛ الصحيحة تحت حديث: 1787)

ترجمہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص

آیا اور اس نے کہا: ''فلاں شخص آپ رضی اللہ عنہ کو سلام کہتا ہے''۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے سنا ہے کہ اُس نے تقدیر کے متعلق کوئی نیا عقیدہ اختیار کیا ہے۔ اگر اُس نے نیا عقیدہ اختیار کیا ہو، تو میری طرف سے اس کو سلام مت کہنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے: ''اس اُمت میں، یا میری اُمت میں جو لوگ تقدیر کا انکار کریں گے، اُن پر عذاب نازل ہوگا: زمین میں دھنسا کر، یا اُس کی شکل بدل کر، یا اوپر سے پتھر برسا کر''۔

حدیث 18 :- حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي أَبُو صَخْرٍ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ لِابْنِ عُمَرَ صَدِيقٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ يُكَاتِبُهُ فَكَتَبَ إِلَيْهِ مَرَّةً عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ إِنَّهُ بَلَغَنِي: "أَنَّكَ تَكَلَّمْتَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكْتُبَ إِلَيَّ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ يُكَذِّبُونَ بِالْقَدَرِ"۔

(حسن: مسند أحمد رقم 5639، 5867، 6208؛ ابوداود رقم 4613؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 340؛ القدر، الفریابی، رقم 220؛ الشریعۃ للآجری رقم 383؛ معجم اوسط طبرانی رقم 5303؛ معجم صغیر طبرانی رقم 800؛ صححه الحاكم على شرط مسلم. ووافقه الذهبي: مستدرک حاکم رقم 285؛ سنن کبریٰ بیہقی، رقم 20881؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 409، 417؛ صحیح الجامع: 3669)

ترجمہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک شامی دوست تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس مضمون کا ایک خط بھیجا: ''مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے تقدیر کے بارے میں کچھ بات چیت شروع کر دی ہے۔ لہٰذا آئندہ سے ہرگز مجھ سے خط وکتابت نہ رکھنا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ''اس اُمت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے''۔

حدیث 19 :- حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ شَرِيكٍ الْهُذَلِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مَيْمُونٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تُجَالِسُوا أَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوهُمْ".

وَقَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَرَّةً: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(مسند أحمد رقم206؛حاشية: إسناده صحيح:مسند الإمام أحمد بن حنبل: بتحقيق: أحمد محمد شاکر رقم206؛ابوداؤد رقم4710، 4720؛السنۃ، لابن ابی عاصم رقم 330؛القدر، للفریابی، رقم227، 228 مسند ابی یعلی رقم245، 246؛ابن حبان رقم79؛الشریعۃ للآجری رقم543؛الإبانة الكبرى لابن بطة رقم365، 1274، 1520، 1997؛مستدرک حاکم رقم 287؛شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم186، 1124؛الاعتقاد، بیہقی، ص۲۳۶؛سنن کبریٰ بیہقی رقم20873؛القضاء والقدر، بیہقی، رقم438، 439؛مشکوۃ رقم108)۔

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''منکرینِ تقدیر کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو، اور نہ اُن کے ساتھ سلام میں پیش قدمی کرو''۔

تشریح یعنی متعدی بیماری اگر ہے تو یہ ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اُن کی صحبت سے بھی بچا جائے۔

حدیث 20:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَسَمِعْتُهُ أَنَا مِنْهُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ الْأَسَدِيُّ، حَدَّثَنَا فِطْرٌ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ الْوَالِبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "ثَلَاثٌ أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي: الِاسْتِسْقَاءُ بِالْأَنْوَاءِ، وَحَيْفُ السُّلْطَانِ، وَتَكْذِيبٌ بِالْقَدَرِ".

(مسند أحمد رقم20832؛ابن أبي عاصم في "السنة" رقم324؛مسند ابو یعلی رقم7462، 7470؛البزار (2181- كشف الأستار)، وأبو يعلى (7470)، والطبراني في "الكبير" رقم1853؛ "معجم الأوسط" رقم 1852؛ "معجم الصغير" رقم112؛(صحيح) ... [حم طب]عن جابر بن سمرة. الصحيحة 1127: ع ابن أبي عاصم، طب، طص، عم: صحيح الجامع الصغير وزياداته. للألباني رقم3022؛رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى، وَأَحْمَدُ، وَالْبَزَّارُ، وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الثَّلَاثَةِ، وَفِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِينٍ، وَضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ. وَلِهَذَا الْحَدِيثِ طُرُقٌ فِي الْقَدَرِ: مجمع الزوائد رقم9202)

ترجمہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اپنی اُمت کے متعلق تین باتوں کا اندیشہ ہے: نچھتروں (ستاروں) سے بارش طلب کرنا، بادشاہ کا ظلم کرنا اور تقدیر کا انکار کرنا''۔

حدیث 21:۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الْمَوَالِي الْمُزَنِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَوْهَبٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ كَانَ: الزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللهِ، وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللهِ، وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوتِ لِيُعِزَّ بِذٰلِكَ مَنْ أَذَلَّ اللهُ، وَيُذِلَّ مَنْ أَعَزَّ اللهُ، وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرَمِ اللهِ، وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِي مَا حَرَّمَ اللهُ، وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي"۔

(حسن: ترمذی رقم 2154؛ اخبار مکہ للازرقی رقم 1484؛ السنة، لابن أبي عاصم، رقم 44، 337؛ شرح مشکل الآثار رقم 3460؛ ابن حبان رقم 5749؛ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَا أَعْرِفُ لَهُ عِلَّةً وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الذهبي أيضاً: صحيح ولا أعرف له علة: مستدرک حاکم رقم 102، 3940، 3941، 7011؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 424؛ موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ج۱ ص۱۵۴ رقم 52؛ المعجم الکبیر، ج۳ ص۱۲۶ رقم 2883؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَوْهَبٍ، قَالَ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ: فِيهِ ضَعْفٌ، وَضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ فِي رِوَايَةٍ، وَوَثَّقَهُ فِي أُخْرَى، وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: صَالِحُ الْحَدِيثِ، وَوَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج۱ ص۱۷۶ رقم 820؛ المعجم الأوسط، ج۲ ص۱۸۶ رقم 1667؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج۷ ص۲۰۵ رقم 11876؛ مشکوٰۃ رقم 109)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”چھ (۶) شخص ایسے ہیں جن پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں۔ (تم جانتے ہو کہ) ہر نبی کی دعا مقبول ہی ہوتی ہے (لٰہذا میری لعنت معمولی نہیں):

۱ کتاب اللہ میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے والا

۲ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا منکر

۳ ظلم وتعدی کر کے بادشاہ بن بیٹھنے والا، جس کی حرکات ناشائستہ یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ عزت بندوں کو ذلیل کر ڈالے، اور جو قابلِ ذلت ہوں اُن کو عزت دے۔

۴ اللہ تعالیٰ کے حرم میں جو باتیں ناروا ہوں، اُن کو حلال کر دینے والا

۵ میری اولاد کا احترام نہ رکھنے والا

۶ میرا طریقہ چھوڑ بیٹھنے والا''۔

11 منکرینِ تقدیر کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سخت کلمات

حدیث22:۔حَدَّثَنِي أَبُو خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ كَهْمَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، ح وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ - وَهٰذَا حَدِيثُهُ - حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، قَالَ: كَانَ أَوَّلَ مَنْ قَالَ فِي الْقَدَرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ، فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ - أَوْ مُعْتَمِرَيْنِ - فَقُلْنَا: لَوْ لَقِينَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُولُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدَرِ، فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ، فَاكْتَنَفْتُهُ أَنَا وَصَاحِبِي أَحَدُنَا عَنْ يَمِينِهِ، وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ، فَظَنَنْتُ أَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: "أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِنَّهُ قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَتَقَفَّرُونَ الْعِلْمَ، وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ، وَأَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنْ لَا قَدَرَ، وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ، قَالَ: "فَإِذَا لَقِيتَ أُولٰئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ، وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي". وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: "لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ". (مسلم رقم1-8)

ترجمہ حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر میں جس نے سب سے پہلے کلام کیا، وہ بصرہ میں ایک شخص معبد جہنی تھا۔ میں اور میرے ساتھ حضرت حمید بن عبد الرحمٰن حمیری رحمۃ اللہ علیہ حج یا عمرہ کرنے کی نیت سے نکلے۔ تو ہم نے کہا: ''کاش! ہمیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص مل جاتا، تو ہم اس سے ان شبہات کے متعلق جو یہ لوگ تقدیر کے بارے میں نکالتے رہتے ہیں، کچھ باتیں دریافت کر لیتے۔ اتفاقاً ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نصیب ہوگئی۔ اس وقت وہ اور میں مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ بس میں اور میرا ساتھی ایک اُن کی دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں جانب سے اُن کو لپٹ گئے۔ میں جانتا تھا کہ میرا رفیق سلسلۂ گفتگو کا آغاز میرے ہی سپرد کرے گا۔ اس بنا پر میں نے ہی عرض کیا: ''اے ابوعبدالرحمٰن! (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) ہمارے اطراف میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم میں بہت کدوکاوش بھی کرتے ہیں۔ پھر اُن کی مفصل روئیداد بیان کی۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور دنیا کے واقعات کسی تقدیر کے بغیر یونہی چلتے رہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب اُن سے تمہاری ملاقات ہو، تو اُن کو مطلع کر دینا کہ نہ میرا اُن سے کوئی تعلق رہا، نہ اُن کا مجھ سے۔ اس ذات کی قسم، جس کے نام کی قسم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کھاتا ہے: ''اگر اُن میں سے کسی کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو، اور وہ اس کو خیرات کر ڈالے، جب بھی وہ اس وقت تک اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ اس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو''۔

حدیث23:۔حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَلَفٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْكَلْبِيُّ، قَالَ: رَأَيْتُ شَيْخًا يَزْحَفُ عِنْدَ قَصْرِ أَوْسٍ، فَقَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رضی اللہ عنہ يَقُولُ: "لَوْ أَنَّ عَبْدًا أَقَامَ اللَّيْلَ وَصَامَ النَّهَارَ، ثُمَّ كَذَّبَ بِشَيْءٍ مِنْ قَدَرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَأَكَبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ عَلَى رَأْسِهِ، أَسْفَلَهُ أَعْلَاهُ". قَالَ: قُلْتُ لَهُ: "أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ؟" قَالَ: "أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ".

(الإبانة الكبرى لابن بطة، رقم 1460، 1649)

ترجمہ حضرت ابوبکر کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے قصرِ اوس کے نزدیک ایک بوڑھے شخص (رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا کہ وہ سرینوں پر گھسٹ رہا تھا، تو وہ فرمانے لگے: میں نے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اگر کوئی شخص راتوں میں قیام کرتا ہے اور دن کو روزے رکھتا ہے، پھر وہ تقدیر کا انکار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالے گا۔ اس کا سر نیچے اور پاؤں اوپر ہوں گے''۔ میں نے اس کو کہا: ''آپ نے اس کو خود حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟''۔ تو وہ کہنے لگا: ''ہاں، میں نے خود اس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے''۔

12 حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مسئلہ تقدیر میں وضاحت اور اس کی اہمیت

قرآنِ مجید اور حدیث شریف کے معانی و مطالب جس طرح حضرات سلفِ صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے سمجھے اور بیان کیے ہیں، وہی صحیح اور درست ہیں کیونکہ اُن میں علم اور علم کا عمق، خدا خوفی اور ورع جس طرح موجود تھا۔ وہ بعد کے آنے والوں کو نصیب نہیں ہو سکا۔ زمانۂ رسالت کے قُرب کی برکت اور خیر القرون کی سعادت سے جس انداز سے وہ بہرہ ور ہوئے، وہ انہی حضرات کا حصہ ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر منکرین تقدیر کو نصیحت کرتے ہوئے ایسی بہترین باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو حرزِ جان بنانے کے لائق ہیں۔ انہوں نے طویل مضمون میں ان لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا اور پوری ہمدردی اور دلسوزی سے ان کی خیر خواہی کی۔ ان لوگوں کا شبہ یہ تھا کہ اگر تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ قرآن (وحدیث) سے ثابت ہے، تو قرآنِ مجید میں ایسی آیات کیوں موجود ہیں جن سے تقدیر کی نفی ہوتی ہے۔ ان کے اس شبہ کو رد کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حدیث 24: ۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: كَتَبَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَسْأَلُهُ عَنِ الْقَدَرِ، ح وحَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُؤَذِّنُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَسَدُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ دُلَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ، يُحَدِّثُنَا عَنِ النَّضْرِ، ح وحَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ،

عَنْ قَبِيصَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، عَنْ أَبِي الصَّلْتِ، وَهٰذَا لَفْظُ حَدِيثِ ابْنِ كَثِيرٍ وَمَعْنَاهُمْ، قَالَ: كَتَبَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَسْأَلُهُ عَنِ الْقَدَرِ، فَكَتَبَ: "أَمَّا بَعْدُ! أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ، وَالِاقْتِصَادِ فِي أَمْرِهِ، وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَرْكِ مَا أَحْدَثَ الْمُحْدِثُونَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ، وَكُفُوا مُؤْنَتَهُ، فَعَلَيْكَ بِلُزُومِ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا لَكَ - بِإِذْنِ اللهِ - عِصْمَةٌ، ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يَبْتَدِعِ النَّاسُ بِدْعَةً إِلَّا قَدْ مَضَى قَبْلَهَا مَا هُوَ دَلِيلٌ عَلَيْهَا أَوْ عِبْرَةٌ فِيهَا، فَإِنَّ السُّنَّةَ إِنَّمَا سَنَّهَا مَنْ قَدْ عَلِمَ مَا فِي خِلَافِهَا - وَلَمْ يَقُلِ ابْنُ كَثِيرٍ مَنْ قَدْ عَلِمَ مِنَ - الْخَطَإِ وَالزَّلَلِ وَالْحُمْقِ وَالتَّعَمُّقِ، فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِيَ بِهِ الْقَوْمُ لِأَنْفُسِهِمْ، فَإِنَّهُمْ عَلَى عِلْمٍ وَقَفُوا، وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوا، وَهُمْ عَلَى كَشْفِ الْأُمُورِ كَانُوا أَقْوَى، وَبِفَضْلِ مَا كَانُوا فِيهِ أَوْلَى، فَإِنْ كَانَ الْهُدَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَقَدْ سَبَقْتُمُوهُمْ إِلَيْهِ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّمَا حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَا أَحْدَثَهُ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ وَرَغِبَ بِنَفْسِهِ عَنْهُمْ، فَإِنَّهُمْ هُمُ السَّابِقُونَ، فَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ بِمَا يَكْفِي، وَوَصَفُوا مِنْهُ مَا يَشْفِي، فَمَا دُونَهُمْ مِنْ مَقْصَرٍ، وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ مَحْسَرٍ، وَقَدْ قَصَّرَ قَوْمٌ دُونَهُمْ فَجَفَوْا، وَطَمَحَ عَنْهُمْ أَقْوَامٌ فَغَلَوْا، وَإِنَّهُمْ بَيْنَ ذٰلِكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ، كَتَبْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْإِقْرَارِ بِالْقَدَرِ فَعَلَى الْخَبِيرِ - بِإِذْنِ اللهِ - وَقَعْتَ، مَا أَعْلَمُ مَا أَحْدَثَ النَّاسُ مِنْ مُحْدَثَةٍ، وَلَا ابْتَدَعُوا مِنْ بِدْعَةٍ هِيَ أَبْيَنُ أَثَرًا وَلَا أَثْبَتُ أَمْرًا مِنَ الْإِقْرَارِ بِالْقَدَرِ، لَقَدْ كَانَ ذَكَرَهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الْجُهَلَاءُ يَتَكَلَّمُونَ بِهِ فِي كَلَامِهِمْ وَفِي شِعْرِهِمْ، يُعَزُّونَ بِهِ أَنْفُسَهُمْ عَلَى مَا فَاتَهُمْ، ثُمَّ لَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ بَعْدُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَقَدْ ذَكَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَيْرِ حَدِيثٍ وَلَا حَدِيثَيْنِ، وَقَدْ سَمِعَهُ مِنْهُ الْمُسْلِمُونَ فَتَكَلَّمُوا بِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ، يَقِينًا وَتَسْلِيمًا لِرَبِّهِمْ، وَتَضْعِيفًا لِأَنْفُسِهِمْ، أَنْ يَكُونَ شَيْءٌ لَمْ يُحِطْ بِهِ عِلْمُهُ، وَلَمْ يُحْصِهِ كِتَابُهُ، وَلَمْ يَمْضِ فِيهِ قَدَرُهُ، وَإِنَّهُ مَعَ ذٰلِكَ لَفِي مُحْكَمِ كِتَابِهِ:

مِنْهُ اقْتَبَسُوهُ، وَمِنْهُ تَعَلَّمُوهُ، وَلَئِنْ قُلْتُمْ لِمَ أَنْزَلَ اللهُ آيَةَ كَذَا لِمَ قَالَ كَذَا لَقَدْ قَرَءُوا مِنْهُ مَا قَرَأْتُمْ، وَعَلِمُوا مِنْ تَأْوِيلِهِ مَا جَهِلْتُمْ، وَقَالُوا بَعْدَ ذٰلِكَ: كُلِّهِ بِكِتَابٍ وَقَدَرٍ، وَ كُتِبَتِ الشَّقَاوَةُ، وَمَا يُقَدَّرْ يَكُنْ، وَمَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، وَلَا نَمْلِكُ لِأَنْفُسِنَا ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، ثُمَّ رَغِبُوا بَعْدَ ذٰلِكَ وَرَهِبُوا"۔

(صحیح: سنن أبي داود، رقم 4612؛ القدر، الفِرْيابي، رقم 446؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1833؛ أبو بكر الآجري في "الشريعة" رقم 530؛ القضاء والقدر، بيهقي، رقم 539)

ترجمہ کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے لکھ کر پوچھا: ''مسئلہ قدر (تقدیر) کیا ہے؟''۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''حمد وصلوٰۃ کے بعد میں تجھے خوفِ خدا اور اس کے معاملے میں اعتدال کی وصیت کرتا ہوں۔ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے اتباع کا حکم دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے جاری ہونے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دین کی وضاحت ہوجانے کے بعد جو کچھ بدعت ایجاد کرنے والوں نے نئی چیزیں ایجاد کرلی ہیں، اسے ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تجھ پر لازم ہے کہ سنت کو اختیار کرے کیونکہ وہ بحکمِ خداوندی تیرے بچاؤ کا سبب ہے۔ پھر تجھے معلوم ہو کہ لوگوں نے جو کچھ بدعت نکالی، اس کے خلاف اس سے قبل دلیل موجود ہے، یا اس کے باطل ہونے پر عبرت موجود ہے، کیونکہ سنت جس نے جاری کی ہے اسے معلوم تھا کہ اس کے خلاف کیا کچھ ہے، یعنی بدعت میں خطا ہے، پھسلن ہے، حماقت ہے اور تکلف ہے۔ پس تو اپنے لیے وہی پسند کر جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔ کیونکہ وہ علم پر قائم ہوئے تھے اور گہری نظر سے ان کو بدعات سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ وہ یقیناً گہرے مسائل کو کھولنے پر زیادہ قوی تھے۔ علم وبصیرت ان میں وافر تھے۔ اور اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم کاربند ہو تو پھر اس کی طرف سے ان لوگوں سے آگے گزر گئے ہو۔ اور اگر تم کہو کہ یہ چیز تو ان کے بعد پیدا ہوئی، سو جس نے بدعت نکالی وہ ان کی راہ کے علاوہ دوسری راہ پر چلا اور اپنے آپ کو ان سے الگ کرلیا، کیونکہ سبقت لے جانے والے وہی ہیں اور انھوں نے اس

میں کافی گفتگو کی ہے اوراس کا وہ وصف بیان کیا ہے جو شافی ہے۔ ان سے ورے کوئی تفریط نہیں اوران سے پرے کوئی افراط نہیں۔ کچھ لوگوں نے ان سے ورے تفریط کی تو اعتدال سے نکل گئے اور کچھ لوگ ان سے اوپر گئے تو حد کو پھلانگ گئے۔ وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ) افراط وتفریط کے درمیان ہدایت پر تھے۔

تو نے تقدیر کے اقرار کے متعلق سوال لکھا ہے۔ سو تو نے بحکم خداوندی ایک خبر رکھنے والے سے دریافت کیا ہے۔ لوگوں نے کوئی بدعت نہیں نکالی اور کوئی نئی بات ایجاد نہیں کی جس کا اثر اور جس کا معاملہ زیادہ ثابت ہو جتنا کہ تقدیر کا اقرار ضروری ہے۔ اس کا ذکر زمانہ جاہلیت میں تھا جسے وہ اپنے کلام اور اشعار میں بیان کرتے تھے۔ اور فوت شدہ چیزوں پر اس کے ذکر سے اپنے آپ کو تسلی دیتے تھے۔ پھر اسلام نے اس کی شدت کو اور بڑھایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی احادیث میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر سنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس میں از راہِ یقین اور اپنے ربّ کے لیے تسلیم اور اپنے آپ کو اس کے آگے ضعیف ثابت کرنے کے نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی، اور اپنے کو انھوں نے اس چیز سے کمزور جانا کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا جانیں کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہے اور اس کی کتاب نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہے اور اس کی تقدیر اس میں نہیں چلی ہے اور اس کے باوجود وہ اس کی محکم کتاب میں ہے۔ اسی سے انھوں نے اسی کو لیا اور اسی سے سیکھا۔

اور اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں آیت کیوں نازل فرمائی ہے (جس سے تقدیر کا انکار ثابت ہوتا ہے)؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیوں فرمایا ہے؟ (تو اس کا جواب یہ ہے) کہ بلاشبہ قرآنِ مجید کی یہ آیتیں اور مضمون حضراتِ سلفِ صالحین رحمہم اللہ نے بھی پڑھا ہے، جیسا کہ تم پڑھتے ہو، مگر وہ اس کا مطلب سمجھ گئے اور تم نہ سمجھ سکے اور باوجود اس کے انہوں نے (پہلے ہی سے اعمال کے) لکھنے کا اور تقدیر کا اقرار کیا۔ سو جو چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں سے مقدر ہوتی ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور جس کو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔ ہم اپنے لیے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ پھر وہ راغب

الی اللہ (اللہ کی طرف رجوع کرنے والے) بھی ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہے۔

تشریح مراد واضح ہے کہ قرآنِ مجید کی ان آیات سے اگر تمہیں تقدیر کا انکار معلوم ہوتا ہے تو یہی قرآنِ مجید اور اس کی آیات حضرات سلفِ صالحین رحمہم اللہ کے سامنے بھی تھیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو ان آیات سے نفی معلوم نہ ہوئی اور تمہیں معلوم ہوگئی ہے۔ کیسے باور کیا جائے کہ تم ان آیات کی تہہ تک رسائی حاصل کر گئے اور ان پر یہ راز منکشف نہ ہوسکا؟ اگرچہ تم قرآنِ مجید کی آیات پڑھتے ہو، لیکن ان کا مطلب نہیں سمجھتے اور ٹھوکر کھا جاتے ہو۔ حضرات سلفِ صالحین رحمہم اللہ ان کی تہ تک پہنچ گئے، تو انہی کے دامن سے وابستہ رہنا ضروری اور کامیابی کی چابی ہے۔ ان سے اعراض ہلاکت خیز ہے۔ اس لیے قرآنِ مجید کی ہر آیت اور ہر حدیث کا مطلب سمجھنے کے لیے حضرات سلفِ صالحین رحمہم اللہ کا دامن تھامنا ضروری ہے اور یہی ہے نجات کا راستہ۔

تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رحمہم اللہ کا تعامل کسی مسئلے میں حجتِ قاطعہ شمار ہوتا تھا، اور احادیث کی صحت و سقم کے لیے معیار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جو احادیث اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے تعامل کے خلاف ہوتیں، انہیں شاذ، منسوخ یا مؤول سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مؤطا امام مالکؒ میں جگہ جگہ تعاملِ اہلِ مدینہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور جو احادیث اہلِ مدینہ کے تعامل کے خلاف ہوں، انہیں غیر معمول بہا قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی میں احادیث کے جتنے مجموعے مرتب کیے گئے۔ ان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا تعامل بھی ذکر کیا جاتا تھا۔ لیکن خیر القرون کے بعد چونکہ یہ معیاری تعامل آنکھوں کے سامنے نہیں رہا تھا۔ اس لیے احادیث کی صحت و سقم اور ان کے معمول بہا ہونے یا نہ ہونے کا مدار صرف سند کی صحت و ضعف اور راویوں کی جرح و تعدیل پر رہ گیا۔ اور روایات کے مقابلے میں تعاملِ سلف کی اہمیت نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو خیال ہونے لگا کہ ایک ایسی روایت جس کے

راوی ثقہ ہوں، اس کے مقابلے میں حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کسی روایت کے راویوں کی ثقاہت و عدالت اور فہم و دیانت کو حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل پر ترجیح دے ڈالنا، نہ صرف یہ کہ صحت مندانہ طرزِ فکر نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر اسے شیعیت اور رفض کا خفی شعبہ کہا جائے، تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ شیعیت اور رفض کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ بعد کے راویوں کے بھروسے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو نصِ نبوی کی مخالفت سے مطعون کیا جائے۔

اولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے (اپنی استعداد کے مطابق) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال اور احوال کو اپنے اندر ایسا جذب کرلیا تھا کہ ان کی سیرت جمالِ نبوی کا آئینہ بن گئی تھی۔ پھر وہ سنت کے ایسے عاشق تھے کہ ان کے نزدیک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سنت دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی تھی۔

ثانیاً قرآنِ کریم میں ان کے راستے کو "سَبِيْلُ الْمُؤْمِنِيْنَ" کہہ کر ان کی اقتداء کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 28:۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝

(النساء:۱۱۵)

ترجمہ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے۔ اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

ثالثاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصاً حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتداء کے بارے میں جو وصیتیں اور تاکیدیں فرمائی ہیں۔ جیسا کہ اوپر کچھ نصوص بیان کردی گئی ہیں۔

ان وجوہ کے پیشِ نظر سنتِ ثابتہ وہی ہے جس پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ کا تعامل رہا۔ اور جو روایت ان کے تعامل کے خلاف ہو وہ یا تو منسوخ کہلائے گی یا اس میں تاویل کی ضرورت ہوگی۔ ایسی روایات جو تعاملِ سلف کے خلاف ہوں، صدرِ اول میں ''شاذ'' شمار کی جاتی تھیں۔ اور جس طرح متاخرین محدثین کی اصطلاحی ''شاذ'' روایت حجت نہیں۔ اسی طرح متقدمین کے نزدیک ایسی شاذ روایات حجت نہیں تھیں۔

اگر بنظرِ تعمق دیکھا جائے تو تعامل ہی کی برکت سے ہمارے دین کا نصف حصہ عملاً متواتر ہے۔ اور تعامل ہی تعلیم و تعلّم کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ اگر تعامل کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو محض روایات کو سامنے رکھ کر کوئی شخص نماز کا مکمل نقشہ بھی مرتب نہیں کر سکتا، جو دن میں پانچ بار پڑھی جاتی ہے۔ چہ جائیکہ پورے دین کا نظام مرتب کر دیا جائے۔ اس لیے صحیح طرزِ فکر یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے تعامل اور روایت کو بیک وقت پیشِ نظر رکھ کر دونوں کے درمیان تطبیق دی جائے۔ یہی وہ کارنامہ ہے جو ائمۂ احناف رحمہم اللہ نے انجام دیا۔ انہوں نے کسی مسئلہ میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے تعامل سے صرفِ نظر نہیں کیا۔ لیکن بعد کے فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کو اس معیار کا قائم رکھنا مشکل تھا۔ اس لیے انہوں نے روایات کی صحت وضعف کو اصل معیار قرار دیا۔

اثر 1:۔ مَالِكٌ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَقَالَ: "مَا رَأْيُكَ فِي هٰؤُلَاءِ الْقَدَرِيَّةِ؟". قَالَ: فَقُلْتُ: "رَأْيِي أَنْ تَسْتَتِيبَهُمْ. فَإِنْ قَبِلُوا، وَإِلَّا عَرَضْتَهُمْ عَلَى السَّيْفِ". فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: "وَذٰلِكَ رَأْيِي". قَالَ مَالِكٌ: "وَذٰلِكَ رَأْيِي".

(الموطأ مالك، ج ۵ ص ۱۳۲۴ رقم 3342)

ترجمہ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا حضرت ابو سہیل بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چل رہا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ان منکرین تقدیر کے بارے

میں آپ کی کیا رائے ہے؟"۔ میں نے عرض کیا: "میری رائے یہ ہے کہ ان سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر اگر یہ لوگ اس عقیدہ سے توبہ کرلیں، تو ٹھیک ہے، ورنہ آپ ان سے تلوار کے ساتھ لڑائی کریں"۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: "میری بھی یہی رائے ہے"۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میری بھی یہی رائے ہے"۔

13 منکرِ تقدیر کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

اثر 2:۔ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ، ثنا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّاطَرِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ يُسْأَلُ عَنْ تَزْوِيجِ الْقَدَرِيِّ فَقَرَأَ: ﴿وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ﴾ [البقرة: 221]

(السنۃ لابن ابی عاصم 198؛ صححه الألبانی فی الظلال: رقم 198؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1859، 1860؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1352؛ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ج 6 ص 326؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 556)

ترجمہ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے منکر تقدیر سے شادی کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انھوں نے یہ آیت پڑھی:

آیت 29:۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ (البقرة: ۲۲۱)

ترجمہ تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام، مشرک شریف سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی

طرف بلاتا ہے، اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، تو قع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے۔

14 تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ سے ممانعت

تقدیر کے متعلق بحث نہیں کرنی چاہیے اور اس میں زیادہ کھود کرید میں نہیں پڑنا چاہیے، احادیث مبارکہ میں اس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس موضوع کی اکثر باتیں انسانی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

حدیث25:۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحٌ الْمُرِّيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتَّى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِي وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ، فَقَالَ: "أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا الأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَتَنَازَعُوا فِيهِ"۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ. وَهَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

(ترمذی رقم 2133؛مسند البزار،رقم10063؛مسند أبي يعلى،رقم6045؛الإبانة الكبرى لابن بطة،رقم539،رقم1983؛القضاء والقدر بيهقي،رقم441)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضا وقدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا)، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت برافروختہ اور غضب ناک ہوئے، یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا، اور اس قدر سرخ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ''کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے؟ کیا میں تمھارے لیے یہی پیغام لایا ہوں (کہ تم قضا وقدر جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو)؟ خبردار! تم سے پہلی اُمتیں اُسی وقت ہلاک ہوئیں جب کہ اُنھوں نے اس مسئلہ میں حجت وبحث کو اپنا

طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو"۔

تشریح: قضاوقدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل ونازک مسئلہ ہے۔ لہٰذا مؤمن کو چاہیے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے، تو بحث اور حجت نہ کرے، بلکہ اپنے دل ودماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ تعالیٰ کے صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے۔

تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہیے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حقیقت بیان فرمادی ہے (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لیے آسان نہیں ہے)، تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، تو اُن کے لیے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں، بلکہ اپنے قول اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت میں تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست دین حاصل کررہے تھے۔ ان کو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا، تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم ومربی کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا: "تم سے پہلی اُمتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جب انھوں نے اس مسئلہ میں حجت وبحث کا طریقہ اختیار کیا"۔ تو یہاں اُمتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً ان کی گمراہی ہے۔ قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لیے بکثرت ہوا ہے۔ اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اُس وقت آئیں، جب انھوں نے اس مسئلہ کو حجت وبحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُمت محمدیہ میں بھی اعتقادی

گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اور نزاع سے فرمائی گئی ہے۔ پس اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مؤمن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینانِ قلبی کے لیے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہلِ علم سے سوال کرے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اوپر بیان کردہ حدیثوں میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب ہی میں اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے۔

انسانی عاقبت نا اندیشی کی بھی انتہا ہی ہے کہ جس مسئلہ میں گفتگو کرنے کی عاقبت معلوم ہو چکی ہو، اس میں بھی ممانعت کے باوجود وہ الجھنے سے باز نہیں آتا۔ یہاں ممانعت اس لیے نہیں کہ درحقیقت یہاں کچھ پانی مرتا ہے، بلکہ دریا میں جہاں پانی زیادہ گہرا اور خطرناک ہوتا ہے، وہاں ہر شفیق نا آموزوں کو تیراکی سے روکا جاتا ہے۔

انسانی تفتیش کی اس طبعی حرص کو ختم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر آثارِ غضب نمایاں ہوں اور بس یہ دیکھتے ہی مخاطبین کے قلوب اس بحث سے ایسے متنفر ہو جائیں کہ دلوں میں کبھی اس کا خطرہ بھی نہ گزر سکے۔ سبحان اللہ! یہ غصہ بھی کیسی شانِ رحمت لیے ہوئے تھا۔

حدیث 26:۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ عُثْمَانَ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَذَكَرَ لَهَا شَيْئًا مِنَ الْقَدَرِ، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ تَكَلَّمَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ لَمْ يُسْأَلْ عَنْهُ".

(سنن ابن ماجه، رقم 84؛ الشريعة للآجري رقم 531؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1279، 1984؛ بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث رقم 744؛ هٰذَا إِسْنَادٌ فِيهِ ضَعْفٌ: القضاء والقدر، بيهقي، رقم 451؛ هٰذَا إِسْنَاد ضَعِيف لاتفاقهم على ضعف يحيى بن عُثمان؛ مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه، البوصيري، ج ۱ ص ۱۳، ۱۴ رقم 27؛ مشكوٰة رقم 114؛ العقيلي في "الضعفاء" 4/419-420؛ ابن عدي في "الكامل" 7/2678)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن ابی مُلیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے مسئلہ تقدیر کی کچھ چیزیں بیان کرنا شروع کر دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص بھی تقدیر کے بارے کلام کرنا شروع کرے گا، اس سے اس بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہو گی۔ جو اس بارے میں خاموشی اختیار کرے گا، اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں ہو گی''۔

تشریح قضاء وقدر کا مسئلہ ایسا دقیق مسئلہ ہے کہ اس میں جھگڑا تو درکنار گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے باریک مسائل میں جہاں گفتگو کی، وہیں کوئی نہ کوئی پہلو بحث وجدل کا نکلا، اور جہاں بحث وجدل کا پہلو نکلا، بس انکارِ قدر کے امکانات پیدا ہوئے۔ جس گفتگو کی انتہاء یہ ہو، شریعت اس کی ابتداء سے بھی روکتی ہے، لیکن اگر ہزار ممانعت کے باوجود گفتگو شروع ہو ہی جائے اور انفرادی انکار سے نکل کر معاملہ اجتماعی بننے لگے، تو اب اثباتِ قدر کے لیے گفتگو کرنا شاید مذموم نہ رہے گی۔ لیکن یہ اجازت ایک دوسرے پہلو سے پیدا ہوگی۔ خطرہ کی بات بہر حال خطرہ ہی کی ہے۔ امارت اور قضاء کے بڑے فضائل ہیں، اگر ان کے حقوق کی ادائیگی کی جائے۔ مگر ہیں پھر بھی دونوں مناصب خطرہ ہی کے۔ اس لیے سلف حتی الامکان ان سے بچا ہی کرتے تھے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خطرہ کی بات کرتے ہی کیوں ہو کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔

حدیث 27:۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد رقم 8923، 7215، 7958، 8411، 8658،

8925، 9220، 10895، 10900؛ موطا مالک رقم 3612؛ بخاری رقم 6477، 6478؛ مسلم رقم 49 - 2988، 50 - 2988؛ ترمذی رقم 2314؛ ابن ماجہ رقم 3970؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 11773؛ ابن حبان رقم 5706، 5707، 5708؛ الزهد والرقائق لابن المبارك رقم 1392، 1393؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 16665؛ شرح السنۃ بغوی رقم 4123؛ الجامع فی الحدیث لابنِ وهب رقم 295)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''بندہ کوئی ایسی بات زبان سے کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں مشرق و مغرب کے فاصلے سے بھی زیادہ گر جاتا ہے''۔

حدیث 28:۔ حَدَّثَنا عمر بن أبي خليفة، حَدَّثَنا هشام بن حسّان، حَدَّثَنا مُحَمَّد، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أخر الكلام في القدر لشرار الناس في آخر الزمان".

(مسند البزار رقم 10079، 7796؛ معجم اوسط طبرانی رقم 5909؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 350؛ قال الحاكم: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. قال الذهبي: عنبسة ثقة لكن لم يرويا له: مستدرک حاکم رقم 3765؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 449؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ. وَزَادَ "لِشِرَارُ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ". وَرِجَالُ الْبَزَّارِ فِي أَحَدِ الْإِسْنَادَيْنِ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ عُمَرَ بْنِ أَبِي خَلِيفَةَ وَهُوَ ثِقَةٌ: مجمع الزوائد رقم 11855؛ صَحِيحِ الْجَامِع: 226؛ الصحيحة: 1124)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تقدیر کے بارے میں جھگڑے کرنا میری اُمت کے بدترین افراد کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے، یہ قیامت کے قُرب میں ہوں گے''۔

حدیث 29:۔ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ سَلْمَانَ الْفَقِيهُ، ثنا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ الْأَشْعَثِ، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَشَيْبَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: ثنا جَرِيرٌ، وَأَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ، ثنا يَزِيدُ بْنُ صَالِحٍ،

وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، قَالَا: ثنا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَزَالُ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مُؤَامِرًا - أَوْ قَالَ مُقَارِبًا - مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوا فِي الْوِلْدَانِ وَالْقَدَرِ".

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَا نَعْلَمُ لَهُ عِلَّةً وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

[التعليق - من تلخيص الذهبي] - على شرطهما ولا علة له

(المستدرك على الصحيحين، ج ۱ ص ۸۸ رقم 93؛ القدر للفریابی رقم 259، 260؛ ابن حبان رقم 6724؛ معجم اوسط رقم 4086؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 445؛ الاحادیث المختارۃ رقم 5؛ الصحیحۃ: رقم 1515؛ صحیح الجامع: رقم 2003)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری اُمت کے معاملات درست رہیں گے جب تک کہ وہ دو مسئلوں میں گفتگو نہ کریں: ایک وفات شدہ بچوں کی نجات وعدم نجات کے متعلق، دوم تقدیر کے معاملہ میں''۔

تشریح: صاحبِ شریعت یہ چاہتے ہیں کہ اُمت اپنی حدِ استطاعت تک صرف عمل کرنے کی سعی میں لگی رہے۔ دقیق اُمور میں بحث کرنے سے صرف دماغی انتشار پیدا ہوتا ہے، اور اس دماغی انتشار سے مذہب کا شیرازہ بھی منتشر ہونے لگتا ہے۔ وحی کے علوم دماغی مشاقی سے مستغنی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو جتنا بتا دیا جائے، بس اسی پر ایمان لے آنا چاہیے اور آئندہ عملی اقدام اُٹھائے چلا جانا چاہیے۔ راہِ سلامتی یہ ہے، اس کے سوا ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ پھر جن مسائل سے ہمارے عمل کا تعلق ہے، اُن کا صاف فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ اور اگر اُن میں اختلاف ہے بھی تو ہر صورت میں اجر کا وعدہ موجود ہے۔ رہے وہ معاملات جو ہمارے عمل سے متعلق نہیں ہیں، اُن کا تذکرہ بھی گو کافی حد تک مل جاتا ہے، مگر کسی بدیہی چیز کا قبل از وقت معرضِ بحث میں لانا، چونکہ بے وجہ الجھاؤ کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ اس لیے اُن کی اتنی تفصیلات جتنی کہ انسان کا نفس بے وجہ کرنا چاہتا ہے، نہیں ملتیں، اور ان کو اپنے وقت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قیامت میں یہ دونوں مسئلے بدیہی ہو کر آنکھوں کے سامنے آ جائیں گے۔ پھر ابھی سے اس کے

درپے ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جتنا اس کو منع کیجیے، تحقیقات کے لیے وہ اتنا ہی اور بے چین ہوتا ہے، حالانکہ نہیں سمجھتا کہ بعض مرتبہ اگر مسئلہ کی تفصیلات اس کی خاطر سب سامنے کر دی جائیں، تو اس کے لیے شائد ابتلا سے بڑھ کر کسی اور مصیبت کا باعث ہو جائے۔

حدیث 30:۔حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ اللَّيْثِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَلْقَمَةَ، عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، يَكْتُبُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، يَكْتُبُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ". قَالَ: فَكَانَ عَلْقَمَةُ يَقُولُ: "كَمْ مِنْ كَلَامٍ قَدْ مَنَعَنِيهِ حَدِيثُ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ".

(صحیح: مسند أحمد رقم 15852؛ موطا مالک رقم 3611 / 816؛ ترمذی رقم 2319؛ ابن ماجہ رقم 3969؛ معجم کبیر طبرانی رقم 1133-1128، 1134؛ مسند الموطأ للجوہری رقم 265؛ مستدرک حاکم رقم 136، 140، 141؛ ابن حبان رقم 280، 281، 287؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 16666؛ شعب الایمان بیہقی رقم 4606؛ الجامع فی الحدیث لابن وہب رقم 294؛ مسند حمیدی رقم 935؛ التفسیر من سنن سعید بن منصور، رقم 607؛ مسند ابن ابی شیبہ رقم 552؛ تخریج الأحادیث المرفوعة المسندة فی کتاب التاریخ الکبیر للبخاری رقم 415؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 11769؛ عبد بن حمید فی "المنتخب" رقم 358؛ الصحیحة رقم 888؛ صحیح التَّرْغِیبِ وَالتَّرْهِیبِ: رقم 2878)

ترجمہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تم میں سے کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا والا ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے کہ اسے یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کلمہ سے وہ کس بلند مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کے لیے قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی لکھ دی جاتی

ہے۔ اور تم میں سے کوئی آدمی زبان سے اللہ کی ناراضی والا ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہوتا کہ اس نے کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر اس کے لیے قیامت تک اللہ کی ناراضی لکھ دی جاتی ہے"۔

حدیث 31: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْفَسَوِيُّ، ثنا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثنا مُسْهِرُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَلْعٍ الْهَمْدَانِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَتِ النُّجُومُ فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَأَمْسِكُوا"۔

(معجم کبیر طبرانی رقم 10448؛ بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، رقم 742؛ مساوئ الأخلاق، الخرائطی، رقم 740؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 210، 2351؛ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۸؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 444؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَفِيهِ مُسْهِرُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ وَفِيهِ خِلَافٌ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد رقم 11851؛ وَقَدْ أَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ بِسَنَدٍ حسن من حديث بن مَسْعُودٍ: فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۷۷؛ وقال العراقی: إسناده حسن: إتحاف السادة المتقين 221/1؛ ابن عدی 2490/7؛ ابن أبي زمنين في "أصول السنة" رقم 186؛ عن ثوبان: معجم کبیر طبرانی رقم 1427؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَفِيهِ يَزِيدُ بْنُ رَبِيعَةَ وَهُوَ ضَعِيفٌ: مجمع الزوائد رقم 11850؛ صحیح الجامع: 545؛ الصَّحِيحَة: 34)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تمہارے سامنے میرے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا (برائی کے ساتھ) تذکرہ ہونے لگے، تو اپنے آپ کو روک لو۔ جب ستاروں کا ذکر (قسمت وغیرہ کا حال معلوم کرنے کے لیے) ہونے لگے، تو تم اپنے اپنے آپ کو روک لو۔ جب تقدیر کے بارے میں کلام (بحث ومباحثہ) ہونے لگے، تو بھی اپنے آپ کو روک لو۔

15 قضاء وقدر کے مسئلہ میں حضرت امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی اہم توضیح

حضرت امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسباب میں تاثیر اور اشیاء میں طبعی خواص کا انکار کرنا آیات واحادیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف سمجھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جس طرح قدرت نے مسببات میں اسباب کی تاثیر ودیعت فرمائی ہے، اسی طرح بندہ کے افعال میں بھی اس کی قدرت کی تاثیر رکھی ہے۔ عالمِ اسباب کے طویل وعریض سلسلہ میں ہر جگہ تاثیر کا انکار کر کے یہ کہہ دینا کہ یہاں دو چیزوں کے درمیان صرف وقتی مقارنت ہے، اور ان میں باہم تاثیر وتاثر کا کوئی علاقہ نہیں، بداہت کے بھی خلاف ہے، عرف کے بھی خلاف ہے، اور آیات واحادیث کے بھی خلاف ہے۔ ہم کو صاف آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ آدمی زہر کھاتا ہے اور مرجاتا ہے۔ تریاق زہر کا اثر باطل کر دیتا ہے۔ پھر اسی عرفی نسبت کو آیات واحادیث میں بھی قائم رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ہم کو ان کا مفہوم وہی لینا ہوگا جو اہل عرف اسی نسبت سے سمجھتے ہیں۔ ان تمام آیات میں اور اپنے حسی مشاہدات میں صرف مجازی نسبتیں مراد لے لینا کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ ان جملہ مقامات میں تاثیر کا اقرار کیا جائے مگر یہ تاثیر ہوتی ہے اسی کے اِذن سے۔ بندہ کی صفتِ اختیار اور اس کے افعال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہاں بھی اختیار کی صفت حق سبحانہ کی پیدا فرمودہ ہے اور بندہ کے افعال میں تاثیر بھی اسی کے اذن سے ہوتی ہے۔ پھر جس طرح دوسرے مقامات میں کسی چیز کے وجود کے لیے صرف اسباب کا وجود کافی نہیں ہوتا بلکہ موانع کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ موانع بھی قدرت ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ جہاں یہ موانع موجود ہوتے ہیں وہاں بندہ کی صفت اختیار کے باوجود پھر افعال کا صدور نہیں ہوتا۔ (شفاء العلیل، لابن قیم الجوزیۃ، ص ۱۵۱، ۱۵۲)

اس مسئلہ کی تقریر کرتے ہوئے حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر اور زیادہ

زور دے کر تحریر فرماتے ہیں: تمام کتب سماویہ میں کسی ایک کتاب نے بھی قرآن کریم سے بڑھ کر اسباب کا اثبات نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ پھر کیونکر اسباب کی تاثیر کا انکار کر دیا گیا ہے اور کیونکر اس تاثیر کو توحید کے خلاف سمجھا گیا ہے، جب کہ عقیدہ یہ ہے کہ سبب اور مسبب دونوں کا خالق وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور سب کی اپنے مسبب میں تاثیر بھی اسی کی قدرت اور مشیت سے ہے۔ اگر وہ چاہے تو سبب کی تاثیر باطل بھی فرما سکتا ہے، جیسا کہ اپنے خلیل علیہ السلام کے حق میں آتشِ نمرود کی تاثیر باطل فرما دی، اور اگر چاہے تو اسباب کی تاثیر قائم رکھتے ہوئے پھر کچھ موانع ایسے فرما دے، جو ان کی تاثیر سے مانع ہو جائیں اور اگر ارادہ فرمائے تو ان کو اُٹھا بھی دے، کہ پھر پہلے کی طرح وہی تاثیر کرنے لگیں۔ ایسی تاثیر کے اعتقاد سے بھلا توحید کو کیا ٹھیس لگ سکتی ہے اور شرک کا کیا وہم ہو سکتا ہے؟ لیکن بے علم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پکی توحید یہ ہے کہ نہ آگ میں جلانے کی تاثیر ہے نہ پانی میں غرق کرنے کی، اور نہ روٹی میں پیٹ بھرنے کی اور نہ تلوار میں قطع کرنے کی۔ یہ اثرات سب براہِ راست قدرت کا فیض ہیں۔ یہ توحید ایسی نا قابلِ فہم توحید ہے کہ جس کو سُن کر آج دشمنانِ اسلام، اسلام ہی سے منکر ہوئے جا رہے ہیں۔ واقعی سچی مثل ہے: ''نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے''۔

(شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر. لابن قيم الجوزية. ص١٨٩)

اس لیے امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ میں قدرت واختیار کی صفت بھی ہے اور اس کے افعال میں اس کے اختیار وقدرت کی تاثیر بھی ہے۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی بنا پر اگر بندہ کو مجبور کہا جائے گا تو صرف اس معنی سے کہ قدرت نے اختیار کی صفت اس میں جبراً پیدا فرمائی ہے۔ اس میں بندہ کے اختیار اور پسندیدگی کا کوئی دخل نہیں۔ پس جس طرح ایک پتھر اپنے غیر مختار ہونے میں مجبور ہے، اسی طرح بندہ اپنے مختار ہونے میں مجبور ہے۔ یہاں جبر اس معنی سے نہیں ہے کہ اس اختیار کے استعمال کرنے پر بھی کوئی اور جبر اس پر مسلط کیا گیا ہے بلکہ ہر طرف کے راستے اس کے سامنے کشادہ رکھے گئے ہیں۔ اب جس طرف بھی وہ چاہے، اپنی صفتِ اختیار کو استعمال کر سکتا

ہے۔ قدرت نے ہر طرف اس کی معاونت فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے، اور اس کے عزم کے موافق جب بھی وہ ارادہ کرتا ہے تو قدرت اس عمل کو پیدا فرمادیتی ہے۔ گویا رشتۂ خالقیت ہر جگہ دستِ قدرت ہی کے ساتھ مربوط رہتا ہے۔ اس صفتِ اختیار کو کسی ایک جانب استعمال کرنے کا نام کسب ہے اور اسی کے لحاظ سے اس کو بندہ کا فعل اور اس کو اس کا حقیقی فاعل کہا جاتا ہے، اور خلق کے لحاظ سے اس فعل کو حق سبحانہ کی مخلوق کہا جاتا ہے۔ گویا ایک ہی عمل میں بندہ کی تاثیر صرف اس کے کسب کرنے میں ہوتی ہے اور خالق کی اس کے پیدا فرمانے میں۔ اس لحاظ سے وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی اور مکسوب بندہ کا ہوتا ہے۔ یہ یاد رکھیے کہ مخلوق ہمیشہ اپنے خالق سے علیحدہ موجود ہوتی ہے اور فعل اپنے فاعل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ بندہ کا فعل جو اس کے کسب سے متعلق ہے وہ بندہ کی صفت ہے اور اسی کے ساتھ قائم ہے اور چونکہ وہ حق سبحانہ کی مخلوق ہے، اس لیے ہمیشہ اس سے علیحدہ موجود ہوتا ہے۔ قدرت جب بندہ کا عزم دیکھ لیتی ہے تو اس کے پیدا فرمانے کی سب شرائط موجود فرمادیتی ہے اور اس کو بندہ میں پیدا بھی کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برے اور بھلے ہر قسم کے افعال سے خالق کو نہ برا کہہ سکتے ہیں نہ بھلا، کیونکہ ان افعال کی وجہ سے برا یا بھلا اسی کو کہہ سکیں گے جس کی یہ صفات ہوں اور اس کے ساتھ قائم ہوں۔ خالق کے ساتھ بندہ کے یہ افعال چونکہ قائم نہیں ہوتے، اس لیے نہ اس کی صفت بنتے ہیں اور نہ اس کو ان کے لحاظ سے برا، بھلا کہا جاسکتا ہے۔ دیکھو سیاہ یا سرخ رنگ دینے سے اس کپڑے کو تو سیاہ یا سرخ کہا جاتا ہے مگر جو اس کا رنگنے والا ہے اس کو نہ سیاہ کہا جاتا ہے نہ سرخ، کیونکہ یہاں بھی سیاہی اور سرخی کپڑے کی صفت ہوتی ہے رنگنے والے کی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ضعیف مخلوق کے اختیار کی تاثیر صرف اس حد تک ہی ہوسکتی ہے کہ جب وہ چاہے اپنے اس اختیار کو کسی ایک جانب استعمال کرلے، رہی وہ طاقت اور قدرت جو کسی چیز کو عدم سے نکال کر لباسِ وجود عطا کردے، تو یہ صرف قدرتِ قدیمہ کا خاصہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہی ہر جگہ اس کی مالک بنی ہوئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک ہی عمل دو اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں کی طرف منسوب رہتا ہے، جیسا کہ مال و املاک، یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا

فرمودہ ہیں اور ملک بھی حقیقتاً سب اسی کی ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی نسبت حق سبحانہ کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی نسبت بندہ کی طرف بھی ہوتی ہے۔ پس اموال کی طرح اعمال کا قصہ بھی ہے۔ یہ بھی سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ مالوں کا مالک اور اعمال کا کاسب اسی نے بندوں کو بنایا ہے اور جس طرح کہ دنیا میں مال بندہ کے کسب سے حاصل ہوتا ہے، حالانکہ وہ پیدا کردہ حق سبحانہ کا ہوتا ہے۔ اسی طرح اعمال بھی بندہ کے کسب سے حاصل ہوتے ہیں اور پیدا کردہ حق سبحانہ کے ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مال تو قدرت کا پہلے سے پیدا کردہ ہوتا ہے اور بندہ کے اعمال اس کے ارادہ اور عزم کے بعد پیدا کیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہاں قدریہ کو یہ مغالطہ لگ گیا ہے اور انہوں نے ان کا خالق خود بندوں کو قرار دے ڈالا ہے۔ اسی طرح ناک، کان، زبان سب قدرت ہی نے پیدا فرمائے ہیں، اور ان میں جدا جدا قوتیں بھی سب قدرت ہی نے پیدا فرمائی ہیں، اور ان کو اپنے اختیار سے استعمال کرنے کی طاقت بھی سب اسی نے مرحمت فرمائی ہے۔ بندہ جب چاہتا ہے اپنی ان قوتوں کا استعمال کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے، نہیں کرتا۔ اسی طرح اس میں اختیار کی بھی ایک صفت ہے، اس کو بھی وہ جب چاہتا ہے استعمال کرتا ہے اور جب چاہتا ہے استعمال نہیں کرتا۔ خالق ان سب مقامات پر وہی ذات وحدہ لاشریک لہ رہتی ہے، اور بندہ بھی ان کے ساتھ اپنا ایک اعتباری علاقہ پیدا کر کے ''کسب'' کی نسبت حاصل کرتا رہتا ہے۔ کسی عمل کے بندہ کی طرف صرف منسوب ہو جانے سے یہ سمجھ لینا کہ اس میں شرک ہو گیا ہے سخت بے علمی اور نافہمی ہے۔ کیا ایک بچہ کی نسبت اپنی ماں کی طرف اور غلہ کی کسی خاص زمین کی طرف اور پھل کے کسی خاص درخت کی طرف نہیں کی جاتی۔ اور کیا پھر ان سب اشیاء کی نسبت خالق کی طرف بھی نہیں کی جاتی۔ مگر ان دونوں نسبتوں کا مفہوم بالکل جدا جدا ہوتا ہے۔ کیا یہاں کسی کو شرک کا وہم گزر سکتا ہے؟ اس لیے محض اس وہم کی بنا پر جبریہ کا بندہ سے اس کے افعال کی نسبت قطع کر کے اس کو مجازی نسبت قرار دینا اور براہِ راست ان کو حق سبحانہ کی طرف منسوب کر دینا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ (منہاج السنة النبوية، لابن تيمية، ج ۳ ص ۱۴۵، ۱۴۶)

مسئلہ مذکورہ پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بہت لطیف بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں: جبر وقدر کا مسئلہ سمجھنے کے لیے پہلے جبر کے معنی سمجھ لینے چاہئیں۔ جبر کے ایک معنی تو اکراہ کے ہیں یعنی کسی کی رضامندی اور اختیار کے خلاف اس سے کام لینا۔ اس معنی سے اللہ تعالیٰ نے کسی پر جبر نہیں کیا۔ جب وہ بندوں سے کسی عمل کے کرانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے ان کو اختیار بخش دیتا ہے۔ پھر ان میں اس عمل کے کرنے کی رغبت یا اس سے نفرت پیدا فرمادیتا ہے۔ حتی کہ جب وہ کسی کام کو کرتے ہیں یا نہیں کرتے، تو دونوں صورتوں میں اپنی خوشی اور اختیار ہی سے کرتے ہیں۔ یہ اس کی کمالِ قدرت ہے کہ وہ دوسروں کے اختیار ورغبت سے وہی کرالیتا ہے جو اس کی مشیت ہوتی ہے۔ لہٰذا اب وہ کسی پر اکراہ کرے، تو کیونکر کرے۔ یہ اکراہ تو وہ شخص کرتا ہے جس کو دوسرے کو مختار بنا کر اس کی خوشی سے کام لینے کی قدرت حاصل نہ ہو، لیکن جس کو یہ قدرت بھی حاصل ہو کہ وہ دوسرے کو مختار اور فاعل بالارادہ بنا کر اس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا داعیہ فرما سکے۔ تو اس کو اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ کسی سے زبردستی کام لے۔ بندہ کو چونکہ اتنی وسیع قدرت حاصل نہیں ہوتی اس لیے لازمی طور پر اس کو دوسروں کو مجبور کرنا پڑتا ہے اور اس طرح وہ اس کو مجبور کر کے اپنی منشاء کے موافقت کام لے لیتا ہے۔ جبر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی میں اختیار کی صفت پیدا فرما کر پھر اس سے اپنی مرضی کے موافق کام لے لیتا ہے۔ اس لحاظ سے بے شک یہاں جبر موجود ہے اور اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم "جبار" بھی ہے۔ چنانچہ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ اس اسم کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اَلْجَبَّارُ: هُوَ الَّذِیْ جَبَرَ الْعِبَادَ عَلٰی مَا أَرَادَهُ.

(منهاج السنة النبوية. لابن تيمية. ج ۳ ص ۲۴۰-۲۴۷)

ترجمہ جبار اس کو کہتے ہیں جو اختیار عطا فرما کر اپنی مرضی کے مطابق کام لے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالجبر بهذا المعنى معناه: القهر والقدرة. وأنه سبحانه قادر على أن يفعل بعبده ما شاء وإذا شاء منه شيئا وقع ولا بد وإن لم يشأ لم

یکن لیس کالعاجز الذی یشاء ما لا یکون ویکون ما لا یشاء۔

(شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر. لابن قیم الجوزیة. ص ۱۲۹)

جبر کے ایک معنی قہر وغلبہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اپنے بندوں پر ایسا قاہر وغالب ہے کہ وہ ان سے جو چاہے کام لے سکتا ہے۔ اگر وہ کسی کام کے کرانے کا ارادہ فرمائے تو وہ ہو کر رہتا ہے، اور اگر ارادہ نہ فرمائے تو پھر وہ ہو نہیں سکتا۔ اس عاجز شخص کی طرح نہیں کہ جو کسی بات کا ارادہ تو کرے اور پھر وہ ہو نہ سکے۔ اور وہ ہوتا رہے جس کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنہ میں اس مسئلہ کی طویل تقریر کر کے آخر میں لکھا ہے:

قُلْتُ: هٰذَا الْقَوْلُ هُوَ قَوْلُ جَمَاهِيرِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَأَئِمَّتِهِمْ ۔

(منهاج السنة النبوية. لابن تيمية. ج ۳ ص ۲۵۱)

یہ مسلک جمہور کا مسلک ہے، اور یہ ہر قسم کی افراط وتفریط سے پاک ہے۔ اس میں نہ تو قدریہ کی طرح بندوں کو اپنے افعال کا خالق تسلیم کیا گیا ہے، نہ جبریہ کی طرح ان کو ایک پتھر کی طرح قدرت واختیار سے معریٰ مانا گیا ہے۔

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ یہاں صفتِ قدرت کو تسلیم کر کے جبریہ سے ایک قدم آگے ضرور بڑھایا لیکن افعالِ عباد میں اس کو غیر موثر ٹھہرا کر پھر نا قابلِ فہم بنا دیا۔ حتی کہ اب ہر نا قابلِ فہم بات کے لیے یہ مثل بن گئی ہے کہ: ''یہ بات تو اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے کسب سے بھی زیادہ باریک ہے''، یعنی نا قابلِ فہم ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ اشعری رحمۃ اللہ علیہ بھی تاثیر کے قائل تھے۔ جس کسی نے ان کی طرف محض نفی کی نسبت کر دی ہے، اس نے ناتمام نظر کی ہے۔ حاشیہ اسماعیل کلنبوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵۰ میں ہے:

قال بعضهم أن التحقيق ان مذهبه موافق لمذهب الماتريدية.

(ترجمان السنہ ج ۳ ص ۴۷۔۵۰)

والله تعالى أعلم بالصواب.

وصلى الله تعالى على خير خلقه وخيرته محمد وسلم تسليما كثيرا

باب3

قرآنِ مجید میں مسئلہ تقدیر

1 مسئلہ تقدیر

وحی محمدیؐ نے تقدیر کے لیے دو لفظ اختیار کیے ہیں: ایک ''قدر'' ہے، جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ دوسرا ''قضا''، جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔

آیت 1:۔ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ (القمر:۴۹)

ترجمہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر (اندازہ) کے ساتھ پیدا کی ہے۔

آیت 2:۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۔ (الانعام:۲)

ترجمہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی ،اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔ مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔

یہ دونوں لفظ بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا ہے اور متعین کر دیا ہے۔ اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے۔ اس میں اللہ کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا۔ آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا، چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا۔ ستارون کے نکلنے اور

ڈوبنے کے جو احکام دے دیئے۔ موت وحیات، فنا و بقا، اور عروج وزوال، غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرما دیئے، انہیں پر وہ چل رہی ہے۔ قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات بیان کرنے کے بعد ہے:

آیت 3:۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ○ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○

(یس:۳۸تا۴۰)

ترجمہ اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔ اور چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ اِن سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

یہ تو آسمان کی بات تھی۔ زمین کے متعلق ارشاد ہوا۔

آیت 4:۔ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ○ (حم سجدہ:۱۰)

ترجمہ اُس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اُس پر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب وحاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا۔

آیت 5:۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ○ (الطلاق:۳)

ترجمہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔

موت وحیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے۔

آیت 6:۔ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ○ (واقعہ:۶۰)

ترجمہ ہم نے تمہارے درمیان موت کو تقسیم کیا ہے۔ اور ہم اِس سے عاجز نہیں ہیں۔

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ بنایا ہے، وہی چیز ہے جس کو لوگ قانونِ فطرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا چل رہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرما دیئے ہیں، جن کی اطاعت اس پر واجب ہے۔ انسانوں کی ترقی وزوال، موت وحیات، بیماری وصحت، دولت وافلاس، آرام وتکلیف، سعادت وشقاوت، ہر ایک کے اصول وقواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔ غرض ان کو آرام وتکلیف جو کچھ بھی پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے۔

آیت 7:۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (التغابن:١١)

ترجمہ کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اِذن ہی سے آتی ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی، اس لیے مقدرات کو نوشتۂ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں کہ جس طرح لکھی ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹتی اور بھولتی نہیں، ایسے ہی یہ باتیں بھی مٹتیں اور بھولتی نہیں۔

آیت 8:۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ○ (فاطر:١١)

ترجمہ اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے بنا دیے (یعنی مرد اور عورت)۔ کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔

اس آیت پاک میں دو ٹکڑے ہیں: ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے، یا جو بچہ جنتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے۔ دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ جس کو چھوٹی

بڑی عمر بھی ملتی ہے، وہ کتاب الٰہی میں پہلے سے لکھی ہوتی ہے۔ ان دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے معلوم ہوگا کہ کتابِ الٰہی میں ہونا اور علمِ الٰہی میں ہونا دونوں ہم معنیٰ ہیں۔

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا وقدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اس کی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے۔ انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذراسی کامیابی پر فخر وغرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے، اور ذراسی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں اس لیے اس کو لاحق ہوتی ہیں کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے۔ اس لیے وہ کبھی اپنے کیے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے۔ یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر وثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہیں۔ اس لیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر ومسرت اور ناکامی کے افسوس وحسرت دونوں موقعوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے۔ وہ یہی عقیدۂ قضا وقدر ہے۔

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے، وہ ہماری کوشش کا براہِ راست نتیجہ نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔ اس لیے اس پر ہمارا فخر وغرور کرنا بے جا ہے۔ اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت ومصلحت کا نتیجہ ہے اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اسی جوش وخروش اور سرگرمی سے پھر از سرِ نو جد وجہد میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

اس مسئلہ کی پوری توضیح سورت حدید میں ان لفظوں میں مذکور ہے:

آیت 9: ۔مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ۞ لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِۨ ۞ (الحدید: ۲۲ تا ۲۳)

ترجمہ: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اُس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تا کہ جو کچھ بھی نقصان

تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ نے مسئلہ قضا و قدر کے فلسفہ کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ اس کی تائید کے لیے مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گردنیں عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوندِ قادر مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یاس و نا اُمیدی سے دو چار نہیں ہوتے تھے۔ ان کی عملی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا، وہ اس کو اپنی طرف سے نہیں، بلکہ خداوندِ عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے۔ مالی بے چارگی، سیاسی مُصیبت، عزیزوں کی مفارقت، لڑائیوں کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونا نہیں جانتے تھے اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اُٹھا لیتے تھے کہ ان کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اور جو کچھ ہوتا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اسی لیے ان کے دلوں میں وہ عزم ہوتا تھا کہ نہ اس کو پہاڑ روک سکتے تھے، نہ سمندر بہا لے جا سکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان اس کو اُکھاڑ سکتا تھا، اور نہ بھڑکتی آگ کے شعلے اس کو جلا سکتے تھے۔

آیت 10:۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ○ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○

(آل عمران: ۱۴۵، ۱۴۶)

ترجمہ: کوئی ذی روح اللہ کے اِذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے جو شخص ثوابِ دنیا کے ارادے سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی سے دیں گے، اور جو ثوابِ آخرت کے ارادے سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم اُن کی جزا ضرور عطا کریں گے۔ اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے

ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں اُن سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے ، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ پستی، سستی اور دون ہمتی نہیں، بلکہ بلندی، استقلال اور صبر و ثبات ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے۔

ان کو صاحب وحی ﷺ کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں سے کہہ دیں کہ ہمیں ڈر نہیں، کیوں کہ:

آیت 11:۔ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (التوبۃ:۵۱)

ترجمہ ان سے کہو، "ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے۔ اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

خطرات اور مشکلات کی ان کو پرواہ نہیں کہ جن کے لیے موت لکھی ہے، وہ میدان جنگ میں بھی مریں گے اور بستر راحت پر بھی، اور جن کی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا، وہ تلواروں کی دھاروں اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئیں گے۔

آیت 12:۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر

دی کہ وہ اونگھنے لگے۔ مگر ایک دوسرا گروہ، جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنی ذات ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلاف حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ: ''اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟'' ان سے کہو: ''(کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ: ''اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔'' ان سے کہہ دو کہ: ''اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے''۔ اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اُسے آزمالے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

آیت 13 :۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ (النساء:۷۸)

ترجمہ رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آکر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: ''یہ اللہ کی طرف سے ہے''۔ اور کوئی نقصان پہنچتا ہے، تو کہتے ہیں کہ: ''اے نبی! یہ آپ کی بدولت ہے''۔ کہو: ''سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے''۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابلِ ہزیمت جرأت اور غیر شکست پذیر عزیمت، اور بے خوف بہادری کا راز ہے۔ کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلۂ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبورِ محض ہونا لازم آتا ہے اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر یہ صحیح

ہوتا، تو نہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ ہی ربانی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ وارشاد کی تاکید ہوتی اور نہ اصلاح وہدایت کا حکم ہوتا اور اللہ کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ لاکھوں پیغمبر بھیجے گئے، کتنی کتابیں اتریں، کروڑوں مبلغ اور مرشد پھیلائے گئے۔ ہدایت وارشاد کی تاکید پر تاکید آئی۔ لوگوں کی دعوت واصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا۔ کوشش ومحنت، سعی وتلاش اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی۔

اب کیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تلقین اور عمل دو متضاد چیزیں تھیں؟ نہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی مؤید تھیں۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی تصدیق تھیں کہ:

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔ (بخاری رقم 4949)

لوگو! اپنے اپنے کام کیے جاؤ کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوں گے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

کام کرنا انسان کا فرض ہے اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا اللہ کا کام ہے۔ اور یہ تقدیر ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت 14:۔ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ (الیل: ۴ تا ۱۳)

ترجمہ درحقیقت! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ (تمہاری کمائی الگ الگ ہے)۔ (بعض بخیل ہیں، بعض فیاض اور دریا دل، بعض متقی ہیں اور بعض مُسْتَغْنِی، بعض مُصَدِّق اور بعض مُکَذِّب) تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا۔ بھلائی کو سچ مانا، (اور اچھے انجام کو مانا)۔ اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (اس کو ہم راحت کی منزل کا اہل بنائیں گے)۔ اور جس نے

بخل کیا اور (اپنے اللہ سے) بے نیازی برتی (بے پرواہوا)، اور بھلائی کو جھٹلایا۔ اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جب کہ وہ ہلاک ہو جائے؟ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے، اور در حقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق، جس کی ژولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا۔ کام کرنا اور عمل کر دکھانا، انسان کا فرض ہے اور اس کے مطابق اس کی جزا کا ملنا، جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، اللہ کا کام ہے۔ نیکوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور بروں کو اللہ کی طرف سے اس کی توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت 15:۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○
(العنکبوت:٦٩)

ترجمہ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکو کاروں ہی کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و ضلالت کا ملنا خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔

آیت 16:۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ○ (البقرۃ:٢٦)

ترجمہ اور اُس سے گمراہی میں وہ اُنہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔

غرض پہلے فسق، عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے۔ تب اس کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہے:

آیت 17:۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○
(النجم:٣٩،٤٠)

ترجمہ اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اُس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اُس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔

□ حضور اکرم ﷺ کا صحیفۂ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے۔۔۔۔ایک طرف وہ کہتا ہے کہ: ’’اللہ کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی گر نہیں سکتا‘‘۔ دوسری طرف وہ کہتا ہے: ’’ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گرو ہے‘‘۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر قدرت وسیع اور ناقابلِ ردمشیّت کے باوجود اس نے خود اپنے اختیار، خود اپنی مشیّت، اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی ہے۔یہی ارادہ اور اعضاء کو اس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت، اس کی ذمہ داری، تکلیف، باز پرس اور مؤاخذہ کی بنیاد ہے۔اسی پر اس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ اس لیے انسان پر اُس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں، جو اس کے ارادہ اور نیّت سے صادر نہ ہوئی ہو، بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور اور بے اختیار رہا۔(إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)

اس تطبیق سے نہ تو اللہ پاک کی قدرت واختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے، اور نہ انسان کا تمام تر مجبور ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ جب چاہے، انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقتِ مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 18:۔وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ

(الکہف:۲۹)

ترجمہ صاف کہہ دیں کہ یہ (قرآن) حق ہے، تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے، مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

اس لیے ہر انسان اپنی جنت آپ بناتا ہے اور اپنی دوزخ آپ مہیا کرتا ہے:

آیت 19:۔مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ○ (حم سجدہ:۴۶)

ترجمہ جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے اچھا کرے گا، جو بدی کرے گا اس کا وبال اُسی

پر ہوگا، اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔

کہ اگر ایسا نہ ہو، تو وہ ظلم ہو، جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک و برتر ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

آیت 20:۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (یونس: ۴۲ تا ۴۴)

ترجمہ ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تیری باتیں سنتے ہیں، مگر کیا تو بہروں کو سنائے گا خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہو؟ ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں مگر کیا تو اندھوں کو راہ بتائے گا خواہ انہیں کچھ نہ سوجھتا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

وہ انسان جو اندھا اور بہرا بنتا ہے، اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے، اور نہ اس پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اور بہرا بنا کر، پھر اس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا، کہ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ اس کا ظلم ہوتا، اور ظلم کے ہر شائبہ سے اس کا ہر حکم اور ہر کام بری ہے۔ لوگوں کو قرآن کی ہدایت وضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکہ ہوا ہے، حالانکہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا برے کام کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ضلالت کی نسبت فرمایا:

آیت 21:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (البقرہ: ۶، ۷)

ترجمہ جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا، اُن کے لیے یکساں ہے، خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

دیکھو! جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اس کو تشبیہ کے طور پر یوں ادا کیا کہ ان کے دلوں پر مہر پڑ گئی کہ سمجھتے نہیں، کانوں پر مہر پڑ گئی کہ سنتے نہیں، اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ دیکھتے نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

آیت22:۔فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء:۱۵۵)

ترجمہ آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں۔ حالانکہ درحقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

یہاں بھی ان کا کفر اللہ تعالیٰ کی مہر پر مقدم ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے، تو دلوں سے صداقت شناسی اور اثر پذیری کا جوہر سلب ہو جاتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی مہر ہے۔

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغامِ حق کے سننے اور آنکھوں سے دیکھنے اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں، تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق وہدایت سے سرفراز فرمائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

آیت23:۔اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ (یونس:۹)

ترجمہ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ ایمان لائے (یعنی جنہوں نے اُن صداقتوں کو قبول کر لیا جو اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں) اور نیک اعمال کرتے رہے، ان کا ربّ ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائے گا، نعمت بھری جنتوں میں ان کے نیچے نہریں بہیں گی۔

آیت 24:۔ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ○ (محمد:۱۷)

ترجمہ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔

ایرانی فلسفۂ خیر وشر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ اُلجھا دیا، حالانکہ عربی الفاظ خیر وشر کو اعمال کے خیر وشر سے بحث نہیں۔ عربی میں مطلق خیر کے معنی دولت ونعمت وآرام کے اور شر کے معنی غربت، تکلیف ومصیبت کے ہیں۔ قرآن پاک میں یہ دونوں الفاظ انہی معنوں میں آئے ہیں۔ البتہ جب ان کے ساتھ لفظ عمل شریک ہوگا، تو عملِ خیر اور عملِ شر کے معنوں میں یہ استعمال ہوگا، جیسے:

آیت 25:۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال:۷،۸)

ترجمہ پھر جس نے ذرّہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرّہ برابر بھی بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اس لیے حدیثوں کے ان الفاظ میں:

وَالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ اور اس پر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔

کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کے اچھے اور برے کام سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسانوں کو راحت ورنج، مسرت وتکلیف، دولت وافلاس اور صحت ومرض سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتی ہے اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہوسکتا ہے؟

بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں ان آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے، جن میں یہ ذکر ہے کہ: ''اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت دے دیتا''۔ اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کافروں کو ہدایت سے جبراً روکے ہوئے ہے، حالانکہ آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے، مگر یہ کہ خود اللہ تعالیٰ زبردستی ان کو مسلمان بنا دیتا، مگر زبردستی سے مسلمان یا کافر اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالیٰ کے

قانون کے خلاف ہے، چنانچہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے۔

آیت 26:۔وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (الدھر:۳۰)

ترجمہ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ یقیناً اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔

آیت 27:۔وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ (الانعام:۳۵)

ترجمہ تاہم اگر ان لوگوں کی بے رخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا۔ لہٰذا نادان مت بنو

آیت 28:۔وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ (الانعام:۱۰۷)

ترجمہ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بندوبست کر سکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو۔

آیت 29:۔وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○

(الانعام:۱۱۱)

ترجمہ اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے، مگر یہ کہ مشیتِ الٰہی یہی ہو (کہ یہ ایمان لائیں) مگر اکثر لوگ نادان ہیں۔

آیت 30:۔وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ (الانعام:۱۱۲)

ترجمہ اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہے ہیں۔ اگر تمہارے رب کی مشیت یہ ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے۔

آیت 31:۔ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَآءَ اللَّهُ مَآ أَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ○ (الانعام:۱۴۸)

ترجمہ یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے: ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے''۔ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا۔ ان سے کہو: ''کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو''۔

آیت 32:۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِينَ ○ (الانعام:۱۴۹)

ترجمہ آپ ﷺ فرما دیجیے: ''پھر (تمہاری اس حجت کے مقابلہ میں) حقیقت رس حجت تو اللہ کے پاس ہے، بے شک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا''۔

آیت 33:۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ○ (یونس:۹۹)

ترجمہ اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟

آیت 34:۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ○ (ہود:۱۱۸)

ترجمہ بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف

طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔

آیت 35:۔وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (النحل:۹)

ترجمہ اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

آیت 36:۔اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (فاطر:۸)

ترجمہ (بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اُسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ حقیقت یہ ہے، کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ مخواہ تمہاری جان اِن لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

آیت 37:۔وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (الشوریٰ:۸)

ترجمہ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ظالموں کا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

مگر اس کی عادت نہیں کہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دے دے، اس لیے اس مشیتِ الٰہی کے ساتھ قرآنِ پاک کی وہ آیتیں مطابق ہوں گی، جن میں بندوں کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 38:۔وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (الکہف:۲۹)

ترجمہ صاف کہہ دیں کہ یہ (قرآن) حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

آیت 39:۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ (الدھر:۲۹)

ترجمہ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔

آیت 40:۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ (المزمل:۱۹)

ترجمہ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔

آیت 41:۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ○ (المدثر:۵۵)

ترجمہ اب جس کا جی چاہے اس سے سبق حاصل کر لے۔

آیت 42:۔ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ○ (النباء:۳۹)

ترجمہ وہ دن برحق ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کر لے۔

آیت 43:۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○ (الفرقان:۵۷)

ترجمہ اِن سے کہہ دو: ''میں اس کام پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میری اُجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے ربّ کا راستہ اختیار کر لے''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے، مگر کن کے لیے، صراحت سے فرمایا:

آیت 44:۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ○ (البقرہ:۲۶)

ترجمہ اِس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ اور اُس سے گمراہی میں وہ اُنہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔

آیت 45:۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (الصّف:۵)

ترجمہ پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اِختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

آیت 46:۔ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المطففین:۱۴)

ترجمہ ہرگز نہیں! بلکہ دراصل اِن کے دلوں پر اِن کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔

آیت 47:۔بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ (النساء:۱۵۵)

ترجمہ حالانکہ درحقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

آیت 48:۔وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ نَّظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ ۭ ھَلْ یَرٰىکُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ○ (التوبۃ:۱۲۷)

ترجمہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے، پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔

آیت 49:۔تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (الاعراف:۱۰۱)

ترجمہ یہ قومیں جن کے قصے ہم تمہیں سنا رہے ہیں (تمہارے سامنے مثال میں موجود ہیں) ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، مگر جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اُسے وہ ماننے والے نہ تھے۔ دیکھو اس طرح ہم منکرینِ حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

آیت 50:۔فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ○ (البقرہ:۱۰)

ترجمہ ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا، اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں، اُس کی پاداش میں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو۔ ہر ایک سے صاف وصریح معلوم ہوگا کہ انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا اس کے جواب میں ضلالت، گمراہی، زنگ، دلوں پر مُہر اور بیماری دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مُہر اور بیماری کا اترنا علت اور انسانوں کا کفر وگناہ ونفاق معلول نہیں ہے، بلکہ

حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فسق، کجی، زنگ، انصراف (پھر جانا)، نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے اس کے جواب میں ضلالت وگمراہی اور دل پر مُہر بعد میں ہوتی ہے اور یہی طبعی اصول بھی ہے۔ انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے اور غمگین ہوتا ہے، تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ اگر کوئی اس کو اُلٹ بیان کرے، تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی۔

بہر حال اس مسئلہ میں مہبط وحی ورسالت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اسی شدت سے اس میں بحث ومناقشہ سے منع فرمایا۔

(مشکوٰۃ: باب الایمان بالقدر)

درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اُٹھانے میں راز ہے۔ یہ کلی جہاں چٹکی کہ اس کی خوشبو اُڑ گئی۔

اس عقیدہ کے تمام اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جن متکلمین کی مجادلانہ کاوشوں نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے:

آیت 51:۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا۟ۙ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۝ (الفرقان: ۱، ۲)

ترجمہ: نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کردینے والا ہو، وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

(سیرت النبی ﷺ، ج ۳ حصہ چہارم ص ۵۰۲ تا ۵۰۶، ۵۰۸ تا ۵۱۲۔ المؤلف: علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۱۴ء)، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۷۳ھ)۔ الناشر: ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور، طبع اول ۱۴۲۳ھ)

2 تقدیر اور توحید

تقدیر پر ایمان اور توحید پر ایمان باہم لازم وملزوم ہیں، کیونکہ تقدیر پر ایمان دراصل توحید پر ایمان ہی کا حصہ ہے، یا یوں سمجھ لیا جائے کہ اس کا لازمی ثمرہ ونتیجہ ہے۔

اس کی تفصیل یوں سمجھ لینی چاہیے کہ جو شخص تمام فطری وبشری کمزوریوں کے باوجود محنت ومشقت اور جدوجہد کر کے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور دیگر تمام جسمانی ومالی عبادات انجام دیتا ہے، نیز تمام منکرات اور غیر شرعی امور سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے، اس کا یہ عمل اور سعی وکوشش اور اس راہ میں مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرنا مثلاً نماز میں جسمانی محنت ومشقت، نیز آرام وراحت کی قربانی، حج میں جسمانی مشقت نیز روپے پیسے کی قربانی، روزے میں بھوک اور پیاس کی تکلیف نیز بہت سی خواہشات سے پرہیز کی مشقت اور زکوٰۃ میں مالی قربانی وغیرہ۔ اس کی یہ تمام تر محنت وکوشش یقیناً صرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے اس تقدیر اور اس فیصلے کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتا ہے کہ اللہ نے تو انسان کو پیدا ہی صرف اسی مقصد کے لیے کیا ہے کہ انسان ہر قسم کے شرک سے دامن بچاتے ہوئے صرف اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِيْكَ لَہٗ کی عبادت کرے۔ ہمیشہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، اور اس کی نافرمانی سے بچا کرے، یعنی انسان کا مقصدِ تخلیق ہی یہی ہے۔ اور اسی عقیدہ اور سوچ کا نام ''توحیدِ اُلوہیت'' یا ''توحیدِ عبادت'' ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

آیت 52:۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ (الزمر: ٦٢)

ترجمہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات میں: الخَالِقُ (پیدا کرنے والا)، الرَّازِقُ (رزق دینے والا)، المُحْيِ (زندہ کرنے والا)، المُمِيْتُ (مارنے والا)، الخَافِضُ (گرانے والا) الرَّافِعُ (بلندی دینے والا)، المُعِزُّ (عزت دینے والا) المُذِلُّ (ذلت ورسوائی دینے والا) وغیرہ شامل ہیں۔

مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے:

آیت 53:۔ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (المؤمن:٦٨)

ترجمہ: وہی ہے زندگی دینے والا، اور وہی موت دینے والا ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:

آیت 54:۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (آل عمران:٢٦)

ترجمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجیے: ''اے اللہ! ملک کے مالک، تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے، عزت بخشے اور جس کو چاہے، ذلیل کردے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

نیز ارشاد ہے:

آیت 55:۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ (الرعد:٢٦)

ترجمہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔

لہٰذا جو کوئی ''توحید ربوبیت'' پر ایمان رکھتا ہو، یعنی اللہ ہی کو اپنا اور تمام جہاں کا رب، خالق و مالک اور رازق تسلیم کرتا ہو، نیز ''توحید اسماء وصفات'' پر ایمان رکھتا ہو یعنی اس بات پر صدقِ دل سے پختہ یقین و ایمان رکھتا ہو کہ زندگی اور موت، عزت و ذلت، خوشی اور غم، خوشحالی و تنگدستی، نیز ہر قسم کا نفع یا نقصان سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے، ایسا شخص جب کبھی خود ان حالات و کیفیات سے دوچار ہوگا، تو اپنی ہر کیفیت کو وہ اللہ ہی کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' اور اس کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرے گا اور خالق و مالک کی مشیت و مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے گا، اور اسی عقیدہ اور سوچ کا نام ہے: ''تقدیر پر ایمان''۔

3 ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور گمراہی بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 53:۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (یونس:۲۵)

ترجمہ اور اللہ تمہیں دار السلام کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ (ہدایت اُس کے اختیار میں ہے) جس کو وہ چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

اس آیت میں دونوں ارادوں کو جمع کر دیا گیا ہے: ارادۂ شرعیہ، ارادۂ کونیہ۔ محققین اہل السنت والجماعت فرماتے ہیں: کتاب اللہ میں دو قسم کے ارادوں کا ذکر ہے:
(1) ارادۂ تقدیریہ خلقیہ، (2) ارادۂ دینیہ شرعیہ۔

1 ارادۂ دینیہ شرعیہ

ارادۂ شرعیہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا شامل ہوتی ہے۔ ارادۂ کونیہ میں تمام موجودات کے لحاظ سے مشیت شامل ہوتی ہے۔

ارادۂ شرعیہ کا بیان ان آیات میں ہے:

آیت 57:۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

آیت 58:۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (المائدۃ:٦)

ترجمہ اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

آیت59:۔يُرِيْدُ اللهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَاللهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ○ يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○ (النساء:۲۶ تا ۲۸)

ترجمہ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اُن طریقوں کو واضح کرے اور اُنہی طریقوں پر تمہیں چلائے جن کی پیروی تم سے پہلے گزرے ہوئے صلحاء کرتے تھے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ علیم بھی ہے اور دانا بھی۔ ہاں، اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ خود اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر دُور نکل جاؤ۔ اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

آیت60:۔اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔

ارادہ کی یہ قسم مراد اور مرضی کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے، مگر اس وقت جب کہ اس کا نوعِ ثانی سے ہو۔ ارادہ کی یہ قسم واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ذنوب، معاصی، گمراہی اور کفر کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے، نہ ہی اس کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی اس سے راضی ہوتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ (تکوینی طور پر) اس کو خلق اور ایجاد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اُمورِ دینیہ کو پسند کرتا اور اُن سے راضی ہوتا ہے۔ جو شرعی احکام کو بجالاتے ہیں، ان کو تو اللہ تعالیٰ بہترین بدلہ دیتے ہیں، اُن کو جنت میں داخل فرماتے ہیں، اُن کی دنیا اور آخرت میں نصرت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں میں سے متقی دوستوں، کامیاب و کامران گروہ اور صالح بندوں کی مدد فرماتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ تمام طاعات کو شامل ہے چاہے اُن کا ظہور ابھی ہوا ہو، یا نہ ہوا ہو۔

2 ارادۂ کونیہ تقدیریہ

یہ ارادہ تمام موجودات کو شامل ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے: جو اللہ چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتے وہ نہیں ہوتا۔ اس ارادہ اللہ تعالیٰ کو اس فرمان میں بیان کیا گیا ہے:

آیت 61:۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہو کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اُسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی اُن لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

آیت 62:۔ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (ہود:۳۴)

ترجمہ (حضرت نوح علیہ السلام نے کفار سے مخاطب ہو کر فرمایا:) اب اگر میں تمہاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب کہ اللہ ہی نے تمہیں بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہو، وہی تمہارا ربّ ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔

آیت 63:۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ○ (البقرۃ:۲۵۳)

ترجمہ اگر اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہ ارادہ، جو ہر چیز کو شامل ہے، اس سے کائنات کی کوئی بھی چیز اور کام باہر نہیں ہے۔ پس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے ارداہ اور مرضی سے ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں داخل ہے۔ یہ تمام مومنوں اور کافروں، نیک و بد، اہل

جنتیوں اور جہنمیوں اور اللہ کی ولیوں اور اس کے دشمنوں سب کو شامل ہے۔ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں، اور وہ بھی اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اُن پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔ کافروں اور گنہگاروں سے اللہ تعالیٰ بغض و عناد کرتے ہیں اور اُن پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہر طاعت اور معاصی کو شامل ہے، چاہے وہ ابھی وجود میں نہ آئے ہوں۔ مخلوقات ان دونوں ارادوں کی شمولیت کے لحاظ سے چار اقسام کی ہیں:

اول: جو دونوں ارادوں سے متعلق ہے، وہ جو اعمالِ صالحہ کے وجود میں آنے سے واقع ہوں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دین و شریعت کے قائم کرنے کا ارداہ کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی دیا ہے، اس کو پسند بھی کیا ہے اور اس سے راضی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادۂ کونیہ اسی کا فرمایا ہے، پس ایسا ہی ہوا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ نہ فرماتے، تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔

ثانی: جس کا تعلق صرف ارادۂ دینیہ سے ہے۔ یہ وہ اعمالِ صالحہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ پھر کفار اور فجار نے اس میں نافرمانی کی۔ یہ سب وہ ہیں جن کا دینی طور پر ارادہ کیا گیا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے راضی ہے، چاہے ان کا وقوع ہوا ہو، یا نہ ہو۔

ثالث: جن کا تعلق صرف ارادۂ کونیہ سے ہو، یہ وہ حوادث اور اُمور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تقدیری اور تکوینی طور پیدا کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم نہیں دیا ہے، جیسے مباحات اور معاصی ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حکم (شرعی طور پر) نہیں دیا ہے اور نہ ہی ان سے راضی ہے، اور ان کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نافرمانی اور بے حیائی کو حکم نہیں دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا ہے، اور نہ اس سے راضی ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت، اس کی قدرت اور خلق نہ ہوتی، تو یہ ہرگز نہ ہوتے۔ جب اُن کا وجود ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہی ہوتے ہیں۔ اگر اللہ نہ چاہتے تو ہرگز ان کو وقوع نہ ہوتا۔

رابع　　جن کا تعلق نہ ارادۂ شرعی سے ہو، نہ ارادۂ کونیہ سے۔ تو اُن کا وقوع یا وجود بالکل نہیں ہوتا ہے جیسے مباحات اور معاصی۔

سعید و نیک بخت: جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تقدیری طور پر بھی وہی ارادہ کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تشریعی طور پر بھی ارادہ کیا ہے۔

شقی اور بد بخت: جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تقدیری طور پر ارادہ کیا ہے جس کا شرعی طور پر ارادہ نہیں کیا ہے۔

اہل السنت والجماعت، جنھوں نے اللہ کے دین کو صحیح طور پر سمجھا ہے اور کتاب اللہ کے مضامین کو گہرائی سے حاصل کیا ہے، جانتے ہیں مخلوق میں اللہ کے احکام انہی دونوں ارادوں کے تحت ہی جاری ہیں۔ پھر جس شخص نے بندوں کے اعمال کو انہی دونوں آنکھوں سے دیکھا، تو وہ بصیر اور عارف ہے۔ جس نے صرف ارادۂ شرعی پر نظر رکھی اور ارادۂ کونیہ کو نہ سمجھا، یا صرف ارادۂ کونیہ کو دیکھا اور ارادۂ شرعیہ کو نظر انداز کر دیا، تو وہ اندھا ہے، وہ قریشِ مکہ کی طرح ہے، جنھوں نے کہا تھا:

آیت 64: ﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝﴾ (الانعام: ۱۴۸)

ترجمہ　　یہ مشرک لوگ ضرور کہیں گے: ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے''۔ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا۔ ان سے کہو: ''کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو''۔

3 آیاتِ مبارکہ

آیت 65:۔ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِیۡ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ○
(الاعراف:۱۷۸)

ترجمہ جسے اللہ ہدایت بخشے بس وہی راہِ راست پاتا ہے اور جس کو اللہ اپنی رہنمائی سے محروم کر دے وہی ناکام و نامراد ہو کر رہتا ہے۔

آیت 66:۔ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا ○
(الکھف:۱۷)

ترجمہ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ بھٹکا دے اس کے لیے تم کوئی ولی، مرشد نہیں پا سکتے۔

آیت 67:۔ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ○ وَ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ○ (الزمر:۳۶،۳۷)

ترجمہ اللہ جسے گمراہی میں ڈال دے، اُسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے، اور جسے وہ ہدایت دے اُسے بھٹکانے والا بھی کوئی نہیں۔ کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں ہے؟

آیت 68:۔ ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ○
(الزمر:۲۳)

ترجمہ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔

آیت 69:۔ یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ ۚ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ (الحجرات:۱۷)

ترجمہ یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے کہو، اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم واقعی اپنے (دعویٔ ایمان) میں سچے ہو۔

آیت 70:۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ (یوسف:۲۴)

ترجمہ وہ اس کی طرف بڑھی اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس کی طرف بڑھتے، اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ ایسا ہوا، تا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیں، درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔

آیت 71:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ○

(الانبیاء:۱۰۱،۱۰۲)

ترجمہ رہے وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہوگا، تو وہ یقیناً اُس سے دور رکھے جائیں گے، اُس کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من بھاتی چیزوں کے درمیان رہیں گے۔

آیت 72:۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۚ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

(الانعام:۳۹)

ترجمہ اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے رستے پر لگا دیتا ہے۔

آیت 73:۔ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ (فاطر:۸)

ترجمہ (بھلا کچھ ٹھکانا ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو، اور وہ اُسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ حقیقت یہ ہے، کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) خواہ مخواہ تمہاری جان اِن لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

آیت 74:۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:۹۳)

ترجمہ اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ تم میں کوئی اختلاف نہ ہو) تو وہ تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھا دیتا ہے، اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو کر رہے گی۔

آیت 75:۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○ (الاعراف:۱۵۵)

ترجمہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کیا تا کہ وہ (اُس کے ساتھ) ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر حاضر ہوں۔ جب ان لوگوں کو ایک سخت زلزلے نے آ پکڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ”اے میرے رب! آپ چاہتے تو پہلے ہی اِن کو اور مجھے ہلاک کر سکتے تھے۔ کیا آپ اس قصور میں، جو ہم میں سے چند نادانوں نے کیا تھا، ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟ یوں تو آپ کی ڈالی ہوئی ایک آزمائش تھی جس کے ذریعے آپ جسے چاہتے ہیں گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت بخش دیتے ہیں۔ ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں۔ پس ہمیں معاف کر دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے۔ آپ سب سے بڑھ کر معاف فرمانے والے ہیں۔

آیت 76:۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے، اُس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے، اور ایسا بھینچتا ہے کہ (اِسلام کا تصور کرتے ہی) اُسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی اُن لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

آیت 77:۔وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

(الرعد:۳۱)

ترجمہ اور کیا ہوجاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہوجاتی، یا مُردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟ (اس طرح کی نشانیاں دکھا دینا کچھ مشکل نہیں ہے) بلکہ سارا اختیار ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا اہل ایمان (ابھی تک کفار کی طلب کے جواب میں کسی نشانی کے ظہور کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ جان کر) مایوس نہیں ہوگئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اُن پر اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے، یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو۔ یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

آیت 78:۔وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ہود:۱۱۸،۱۱۹)

ترجمہ بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔ اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادی انتخاب واختیار اور امتحان) کے لیے تو اس نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہوگئی جو اس نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

آیت 79:۔وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (السجدۃ:۱۳)

ترجمہ اگر ہم چاہتے تو پہلے ہی ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔ مگر میری وہ بات پوری ہوگئی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا۔

آیت 80:۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (یونس:۹۹،۱۰۰)

ترجمہ اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن وفرماں برادر ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟ کوئی تنفس اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا، اور اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے۔

آیت 81:۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○

(الانعام:۱۱۱)

ترجمہ اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے، اِلّا یہ کہ مشیتِ الٰہی یہی ہو (کہ یہ ایمان لائیں) مگر اکثر لوگ نادانی کی باتیں کرتے ہیں۔

آیت 82:۔ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ (الانعام:۳۵)

ترجمہ تاہم اگر ان لوگوں کی بے رخی تم سے برداشت نہیں ہوتی، تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو، یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ، اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا، لہٰذا نادان مت بنو۔

آیت 83:۔اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِوَکِیۡلٍ ۝ (الانعام:۱۰۶،۱۰۷)

ترجمہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے نازل ہوئی ہے کیونکہ اُس ایک رب کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔اور ان مشرکین کے پیچھے نہ پڑو۔اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بندوبست کرسکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو۔

آیت 84:۔مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ ؕ وَیَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ۝
(الاعراف:۱۸۶)

ترجمہ جس کو اللہ رہنمائی سے محروم کردے اُس کے لیے پھر کوئی رہنما نہیں ہے، اور اللہ انہیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

آیت 85:۔وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ۝
(الرعد:۳۳؛الزمر:۲۳،۳۶؛المؤمن:۳۳)

ترجمہ اور جس کو اللہ گمراہی میں پھینک دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔

آیت 86:۔وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ سَبِیۡلٍ ۝ (الشوریٰ:۴۶)

ترجمہ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کے لیے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔

آیت 87:۔فَمَا لَکُمۡ فِی الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِئَتَیۡنِ وَاللّٰہُ اَرۡکَسَہُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا ؕ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَہۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰہُ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ سَبِیۡلًا ۝
(النساء:۸۸)

ترجمہ پھر یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقین کے بارے میں تمہارے درمیان دو رائیں پائی جاتی ہیں، حالانکہ جو برائیاں انہوں نے کمائی ہیں اُن کی بدولت اللہ اُنہیں اُلٹا پھیر چکا ہے۔کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے ہدایت نہیں بخشی، اُسے تم ہدایت بخش دو؟ حالانکہ جس کو اللہ نے راستہ سے بھٹکا دیا اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

آیت 88:۔إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ (یونس:۹۶،۹۷)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں پر تیرے ربّ کا قول راست آ گیا ہے، ان کے سامنے خواہ کوئی نشانی آجائے وہ کبھی ایمان لا کر نہیں دیتے جب تک کہ دردناک عذاب سامنے آتا نہ دیکھ لیں۔

آیت 89:۔فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ۝ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ۝ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ۝ (الصّٰفّٰت:۱۶۱ تا ۱۶۳)

ترجمہ پس تم اور تمہارے یہ معبود (جن کو تم پوجتے ہو)، اللہ سے کسی کو پھیر نہیں سکتے، مگر صرف اس کو جو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھلسنے والا ہو۔

آیت 90:۔قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (ہود:۳۲ تا ۳۴)

ترجمہ آخر کار ان لوگوں نے کہا: ''اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا۔ اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر سچے ہو''۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا: ''وہ تو اللہ ہی لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے روک دو۔ اب اگر میں تمہاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، جب کہ اللہ ہی نے تمہیں بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہو، وہی تمہارا ربّ ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے''۔

آیت 91:۔قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (الحجر: ۳۲ تا ۴۰)

ترجمہ ربّ نے پوچھا: ''اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟''۔ اس نے کہا: ''میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے''۔ ربّ نے فرمایا: ''اچھا تو نکل جا یہاں سے، کیونکہ تو مردود ہے، اور اب روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے''۔ اُس نے عرض کیا: ''میرے رب! یہ بات ہے تو پھر مجھے اس روز تک کے لیے مہلت دے جب کہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے''۔ فرمایا: ''اچھا تجھے مہلت ہے اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے''۔ وہ بولا: ''میرے رب! جیسا تو نے مجھے بہکایا اُسی طرح اب میں زمین میں اِن کے لیے دلفریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو''۔

آیت 92:۔ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (المائدۃ: ۴۱)

ترجمہ جسے اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کچھ نہیں کر سکتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا، اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا۔

آیت 93:۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○ (المائدۃ: ۴۹)

ترجمہ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اِن لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔

آیت 94:۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ○ (الکہف: ۸۰)

ترجمہ رہا وہ لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر

سے ان کو تنگ کرے گا۔

آیت 95:۔سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَیۡءٍ ؕ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ حَتّٰی ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ قُلۡ ہَلۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡہُ لَنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ○ (الانعام:۱۴۸،۱۴۹)

ترجمہ یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے: ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے''۔ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا۔ ان سے کہو: ''کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم محض گمان پر چل رہے ہو، اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو''۔

آیت 96:۔اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ○ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ○ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ وَالظّٰلِمِیۡنَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ○ (الدہر:۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ یقیناً اللہ بڑا علیم و حکیم ہے، اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے داخل کرتا ہے، اور ظالموں کے لیے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیت 97:۔اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ○ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ○ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ (التکویر:۲۷ تا ۲۹)

ترجمہ یہ (قرآن) تو سارے جہان والوں کے لیے نصیحت ہے، تم میں سے ہر اس شخص کے لیے (نصیحت)، جو راہِ راست پر چلنا چاہتا ہو۔ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔

باب 4

احادیثِ مبارکہ میں مسئلۂ تقدیر

1 قضا وقدر لکھی جا چکی ہے

حدیث 1: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَاحِدِ بْنُ سُلَيْمٍ، قَالَ: قَدِمْتُ مَكَّةَ فَلَقِيتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ فَقُلْتُ: "يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! إِنَّ نَاسًا عِنْدَنَا يَقُولُونَ فِي القَدَرِ". فَقَالَ عَطَاءٌ: لَقِيتُ الوَلِيدَ بْنَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ القَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَجَرَى بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الأَبَدِ". هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

(صحیح: ترمذی رقم 3319، 2155؛ مسند أحمد رقم 22705، 22707؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 35922؛ ترمذی رقم، 3319؛ ابوداؤد رقم 4700؛ ابوداؤد طیالسی رقم 578؛ مسند ابن الجعد رقم 3444؛ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم 104، 105، 107؛؛ مسند الشامیین رقم 58، 59، 1949؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم 1363، 1446، 1448؛ مسند البزار رقم 2687؛ القدر للفریابی رقم 425؛ الکنی والأسماء للدولابی رقم 555؛ الآجری فی "الشریعة" رقم 181، 372؛ اللالکائی فی "شرح أصول اعتقاد أهل السنة" رقم 357، 1097؛ أبو نعیم فی "الحلیة" 248/5؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 20875؛ "الاعتقاد بیہقی" ص 136؛ وصایا العلماء عند حضور الموت لابن زبر الربعی، ص ۴۹؛ صحیح الجامع رقم 2017، 2018؛ مشکوٰۃ رقم 94؛

الصحیحۃ رقم133؛ تخریج الطحاویۃ رقم271؛ الظلال رقم102-105)

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا، وہ قلم ہے۔ پھر اُس کو حکم دیا: ''لکھ''۔ اُس نے عرض کیا: ''کیا لکھوں؟''۔ حکم ہوا: ''جو کچھ مقدر ہو چکا ہے، وہ سب لکھ''۔ تو اُس نے قیامت تک جو ماضی و مستقبل میں ہونا تھا، سب لکھ دیا''۔

حدیث2:۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَمِيلٍ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا رَبَاحُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ الْقَلَمَ وَأَمَرَهُ فَكَتَبَ كُلَّ شَيْءٍ"۔

(صحیح: مسند ابی یعلی رقم2329؛ الرد علی الجهمية للدارمی ص۱۴۲؛ قال الحاكم: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الذهبی أيضاً: على شرط البخاری ومسلم: مستدرک حاکم رقم3840؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد رقم11796؛ عثمان الدارمی فی "الرد علی المریسی" ص198؛ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم108؛ "الأوائل" لابن أبی عاصم رقم3؛ عبد الله بن أحمد فی "السنة" رقم854؛ أبو يعلى فی "المعجم" رقم69؛ الطبری فی "تفسيره" 16/29؛ "تاريخ الطبری" 1/32؛ ابن حبان فی "روضة العقلاء" ص 135؛ الطبرانی فی "الكبير" رقم12500؛ "الأوائل" للطبرانی رقم1؛ أبو نعيم فی "الحلية" 181/8؛ البيهقی فی "الأسماء" رقم803)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا، وہ قلم ہے۔ پھر اُس کو لکھنے کا حکم دیا: تو اُس نے سب کچھ لکھ دیا''۔

حدیث3:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ جَمِيلٍ الْمَرْوَزِيُّ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْمَرْوَزِيُّ، ثنا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى، وَسُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، قَالُوا: ثنا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ رَبَاحِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ. قَالَ لَهُ: اُكْتُبْ، فَجَرَىٰ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَىٰ قِيَامِ السَّاعَةِ".

(معجم کبیر طبرانی رقم 12500؛ الاحادیث المختارۃ رقم 360؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد، رقم 11797؛ جمع الجوامع رقم 604/17651؛ کنز العمال رقم 15118)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ پھر اُس کو حکم دیا: ''لکھ''۔ تو اُس نے قیامت تک جو ماضی و مستقبل میں ہونا تھا، سب لکھ دیا''۔

تشریح اللہ تعالیٰ نے جب عالم کو بتدریج بنایا تھا، اس میں اسباب و مسببات کا سلسلہ بھی قائم فرمایا تھا، تو اس کی بنیاد سے لے کر آخر تک جملہ اُمور بھی اسی مناسبت سے پیدا فرمائے تھے۔ یہاں قلم اور اُس کی کتابت وغیرہ کو بھی اسی کی مناسبت سے سمجھنا چاہیے، ورنہ جس کی شان ''کُنْ فَيَكُونُ'' ہو، وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔

حدیث 4:۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَطَّافُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَذْكُرُ أَنَّ أَبَاهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرٍ، وَهُوَ يَقُولُ: قُلْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَعْمَلُ عَلَىٰ مَا فُرِغَ مِنْهُ، أَوْ عَلَىٰ أَمْرٍ مُؤْتَنَفٍ؟". قَالَ: "بَلْ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ". قَالَ: قُلْتُ: "فَفِيمَ الْعَمَلُ، يَا رَسُولَ اللهِ!؟". قَالَ: "كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ".

(حسن لغیرہ: مسند أحمد رقم 19؛ البزار رقم 28؛ الطبرانی فی "الکبیر" رقم 47؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم 1354، 1558؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 36، 37، 461)

ترجمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا ہم جو بھی عمل کرتے ہیں، یہ پہلے سے لکھا جا چکا ہے، یا یہ نئے سرے سے وجود میں آتا ہے؟''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلکہ، سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے''۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عمل کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی

توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے''۔

حدیث 5:۔حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ، فَأَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِهِ الأَرْضَ، فَقَالَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ، وَمَقْعَدُهُ مِنَ الجَنَّةِ". قَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلاَ نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا، وَنَدَعُ العَمَلَ؟". قَالَ: "اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ". ثُمَّ قَرَأَ: "فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى". (اللیل:٦) الآيَةَ.

(بخاری رقم4949، 1362، 4945، 4946، 4947، 4948، 6605، 6217، 6605، 7552؛ مسلم رقم6 – 2647، 7 – 2647؛ فضائل الصحابۃ لاحمد رقم 1213؛ مسند احمد رقم621، 1067، 1068، 1110، 1181، 1349؛ الادب المفرد رقم903؛ ابن ماجہ رقم78؛ مسند البزار رقم582، 584، 588؛ ترمذی رقم2136، 3344؛ ابوداؤد رقم4694؛ ابن حبان رقم 334، 335؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم189؛ مستخرج ابی عوانۃ رقم11588 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم1314، 1316؛ التوحید لابن مندہ رقم335؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم1063؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم44، 47)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''تو کیا ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور سعی و عمل چھوڑ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو ہم سعی و عمل کی دردسری کیوں مول لیں؟)''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! عمل کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا

ہے۔ پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے، تو اُس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ پس جو کوئی بد بختوں میں سے ہے، تو اس کو شقاوت اور بد بختی والے اعمالِ بد ہی کی توفیق ملتی ہے''۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

آیت 1:۔ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ○ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ○ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ○ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ○ (الیل: ۴ تا ۱۳)

ترجمہ: درحقیقت! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ (تمہاری کمائی الگ الگ ہے)۔ (بعض بخیل ہیں، بعض فیاض اور دریا دل، بعض متقی ہیں اور بعض مُسْتَغْنِي، بعض مُصَدِّق اور بعض مُكَذِّب) تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا۔ بھلائی کو سچ مانا، (اور اچھے انجام کو مانا)۔ اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (اس کو ہم راحت کی منزل کا اہل بنائیں گے)۔ اور جس نے بُخل کیا اور (اپنے اللہ سے) بے نیازی برتی (بے پرواہوا)، اور بھلائی کو جھٹلایا۔ اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟۔ (جب وہ کھڈ میں گرے)۔ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے، اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لیے اُس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے، اور تقدیرِ الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمالِ خیر کے راستے جائے گا، اور جو جہنم میں جائے گا، وہ اپنی فلاں فلاں بداعمالیوں کی وجہ سے جائے گا۔ پس جنتیوں کے لیے اعمالِ خیر اور دوزخیوں کے لیے اعمالِ بد بھی مقدور و مقرر ہیں، اور اس لیے ناگزیر ہیں۔

حدیث 6:۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، ح وَحَدَّثَنَا

يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! بَيِّنْ لَنَا دِينَنَا كَأَنَّا خُلِقْنَا الْآنَ، فِيمَا الْعَمَلُ الْيَوْمَ؛ أَفِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ، وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، أَمْ فِيمَا نَسْتَقْبِلُ؟". قَالَ: "لَا بَلْ فِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ". قَالَ: "فَفِيمَ الْعَمَلُ؟". قَالَ زُهَيْرٌ: ثُمَّ تَكَلَّمَ أَبُو الزُّبَيْرِ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَسَأَلْتُ: "مَا قَالَ؟". فَقَالَ: "اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ".

(مسلم رقم 8-2648؛ ابن ماجہ رقم 29؛ الآثار لأبي يوسف رقم 581؛ مسند ابی طیالسی رقم 1843؛ مسند ابن الجعد رقم 2629؛ مسند احمد رقم 14116، 14258؛ القدر للفریابی رقم 48؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11600 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 336، 337، 3919؛ الشریعۃ للآجری رقم 335؛ معجم کبیر طبرانی رقم 6562، 6566؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1357؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1070؛ مسند الإمام أبي حنيفة رواية أبي نعيم ص ۲۹؛ الخلافيات بیہقی رقم 3660؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 29)

ترجمہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سراقہ بن مالک بن جُعشُم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، تو عرض کرنے لگے: "یا رسول اللہ! ہمارے لیے ہمارا دین بیان فرما دیجیے۔ گویا کہ ہم ابھی پیدا کیے گئے ہیں، ہمارا آج کا عمل کیسا ہے؟ کیا اس کے لکھنے میں تقدیر کے قلم کی سیاہی خشک ہو چکی ہے، اور تقدیر کا فیصلہ جاری ہو چکا ہے، یا ہم نئے سرے سے اس کو کرتے ہیں؟"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نہیں، بلکہ تقدیر کے قلم کی سیاہی خشک ہو چکی ہے، اور تقدیر کا فیصلہ جاری ہو چکا ہے"۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عمل کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے"۔

حدیث 7:۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اقْبَلُوا الْبُشْرَى يَا بَنِي تَمِيمٍ!". قَالَ: قَالُوا: "قَدْ بَشَّرْتَنَا

فَأَعْطِنَا". قَالَ: "اقْبَلُوا الْبُشْرَىٰ يَا أَهْلَ الْيَمَنِ". قَالَ: قُلْنَا: "قَدْ قَبِلْنَا، فَأَخْبِرْنَا عَنْ أَوَّلِ هٰذَا الْأَمْرِ كَيْفَ كَانَ؟". قَالَ: "كَانَ اللّٰهُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي اللَّوْحِ ذِكْرَ كُلِّ شَيْءٍ". قَالَ: وَأَتَانِي آتٍ فَقَالَ: "يَا عِمْرَانُ! انْحَلَّتْ نَاقَتُكَ مِنْ عِقَالِهَا". قَالَ: فَخَرَجْتُ فَإِذَا السَّرَابُ يَنْقَطِعُ بَيْنِي وَبَيْنَهَا. قَالَ: فَخَرَجْتُ فِي أَثَرِهَا فَلَا أَدْرِي مَا كَانَ بَعْدِي".

(صحیح علی شرط الشیخین:مسند أحمد،رقم19876؛شرح مشکل الآثار رقم 5629، 5632؛ بخاری رقم3191، 7418؛ابن حبان رقم6140، 6142؛الطبرانی فی "الکبیر" 18/ رقم (497) - (500)؛التوحید لابن خزیمہ رقم ج ۲ ص ۸۸۴؛التوحید لابن مَنْدَہ رقم7، 8؛ حلیۃ الاولیاء ج۲ ص۲۱۶؛البیہقی فی "الأسماء والصفات" رقم489؛البیہقی فی "الاعتقاد" ص 91-92؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم17701، 17702؛القضاء والقدر بیہقی رقم8؛أبو الشیخ فی "العظمۃ" ج۲ ص۵۷۱)

ترجمہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے بنو تمیم! بشارت قبول کرو''۔ انھوں نے عرض کیا: ''اچھا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بشارت دیتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیجیے، کیا دیتے ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے یمن والو! تم بشارت کو قبول کرلو''۔ ہم نے عرض کیا: ''ہم نے بسر وچشم قبول کرلیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس بات کی خبر بتلائیے کہ اس عالم کی ابتداء کیسے ہوئی تھی؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات تھی (اس سے پہلے کچھ نہ تھا)، اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور لوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھ کر ثبت فرمادی ہے''۔ اتنے میں میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: ''عمران! تمہاری اونٹنی رسی توڑ کر بھاگ نکلی ہے''۔ میں اس کو تلاش کرنے کے لیے نکلا، تو وہ اتنی دور جاچکی تھی کہ ریت کی چمک بھی نظر نہ آسکے (حالانکہ وہ بہت دور سے چمکتا رہتا ہے، یعنی بہت دور جاچکی تھی)۔ میں تو اس کے نشانات کے پیچھے چلتا رہا، میں نہیں جانتا کہ میرے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا۔

2 قضاوقدر کی کتابت عالم کی پیدائش سے کتنی پہلے ہوئی؟

حدیث8:۔حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ". قَالَ: "وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ".

(مسلم رقم16 - 2653؛ترمذی رقم2156؛مسند احمد رقم6579؛ابن حبان رقم6138؛ الإبانة الكبرى،لابن بطة رقم1345؛ المخلصيات وأجزاء أخرى لأبي طاهر المخلص رقم 2588؛البيهقي في "الأسماء والصفات" رقم799؛القضاء والقدر بیہقی رقم 128؛شرح السنة بغوی رقم67؛عبد بن حميد في "المنتخب" رقم343؛أبو نعيم في "تاريخ أصبهان" 327/1؛التوحيد لابن منده رقم11)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں''۔اور فرمایا: ''اس کا عرش پانی پر تھا''۔

تشریح اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں:

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں، کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس میں ناواقفی ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، اور چونکہ اس کے لیے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے، اس لئے مجبوراً انہیں الفاظ سے اس کے افعال وصفات کی تعبیر کرتے ہیں، جو دراصل ہمارے افعال وصفات کے لئے وضع کیے گئے ہیں، ورنہ اُس کے اور ہمارے افعال وصفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتابت تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے؟ علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو ''کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ'' سے اور قصاص کے حکم کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس اگر حدیث مذکور میں بھی کتابت سے یہی مراد ہو، تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں، اور جو کچھ ہونا ہے اُس کو مقرر فرمایا۔ اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے، کہ بعض روایات میں بجائے "کُتِبَ" کے "قَدَّرَ" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ کتابت تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں، وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دوسری بات اس حدیث سے متعلق یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہوسکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورے میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی اُس وقت پیدا کیے جا چکے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جس طرح ہماری قوتِ خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں، اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوتِ خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہیے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات و سکنات کو، غرض جو کچھ عالم وجود میں آنے والا ہے، اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرما دیا۔ گویا دنیا کے پردے پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود و محفوظ ہے۔ جس طرح ہمارے خیال میں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے

ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث 9:۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: "إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ، فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ، فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ، وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُهَا".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد، رقم 3624، 3934، 4091؛ مسلم رقم 1 – 2643؛ ترمذی رقم 2137؛ ابن ماجه رقم 76؛ البیهقی فی "الاعتقاد" ص 137؛ المسند الشاشی رقم 685؛ الطیالسی رقم 296؛ عبد الرزاق رقم 20093؛ الحمیدی رقم 126؛ البخاری رقم 3208، 3332، 6594، 7454؛ أبو داود رقم 4708؛ النسائی فی "الکبری" رقم 11246؛ الدارمی فی "الرد علی الجهمیة" ص 69-70، وابن أبی عاصم فی "السنة" رقم 176؛ أبو یعلی رقم 5157؛ أبو بکر الخلال فی "السنة" رقم 890؛ أبو القاسم البغوی فی "الجعدیات" رقم 2688؛ الشاشی فی "مسنده" رقم 680، 681، 682، 684، 685، 686؛ ابن حبان رقم 6174؛ ابن عدی فی "الکامل" 3/1090؛ الإسماعیلی فی "معجمه" ص 480؛ اللالکائی فی "أصول الاعتقاد" رقم 1040، 1041، 1042؛ أبو نعیم فی "الحلیة" 7/365، 8/115؛ البیهقی فی "الأسماء والصفات" رقم 821؛ الخطیب فی "تاریخه" 9/60؛ البغوی رقم 71؛ القدر للفریابی رقم 124، 125، 126؛ الشریعة للآجری رقم 358، 359، 360؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 15421، 21280؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11555 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ الخلافیات بیہقی رقم 5600؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 77؛ شعب الایمان بیہقی رقم 184)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلظت آجاتی ہے، اس کو "نطفہ" کہا گیا ہے)۔ پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہوجاتی ہے)۔ پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں لے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اس کے اعمال، اس کی مدت عمر اور وقت موت، اور اس کا رزق لکھتا ہے، اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے، اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور بہ انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے''۔

تشریح اس حدیث میں دو مضمون بیان فرمائے گئے ہیں، شروع میں تو تخلیق انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جس سے انسان نفخ روح تک رحمِ مادر میں گزرتا ہے، (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت پر پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے، جس میں اس کے اعمال، اس کی مدتِ حیات اور وقتِ موت، اور روزی اور نیک بختی یا بدبختی کی تفصیل ہوتی ہے، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص منشاء اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرمانا ہے، کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے، بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے،

یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوتا جاتا ہے، لیکن پھر ایک دم اُس کے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے، اور وہ دوزخ میں لے جانے والے بُرے اعمال کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے، اور اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہل جنّت میں لکھا ہوتا ہے، وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے، اور دوزخ کے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے، اور اہلِ جنت کے اعمالِ صالحہ کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر جنت میں چلا جاتا ہے۔

اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہیے، کیا معلوم زندگی کے باقی حصے میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے؟ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج اعمالِ خیر کی توفیق کسی کو مل رہی ہے، تو اس پر اس کو مطمئن نہ ہوجانا چاہیے، بلکہ برابر حسنِ خاتمہ کے لیے فکرمند رہنا چاہیے۔

حدیث 10: ۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللهَ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا قَالَ: أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ، أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ، أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ، فَإِذَا قَضَى الرَّبُّ خَلْقَهَا قَالَ: أَيْ رَبِّ أَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى، فَمَا الرِّزْقُ وَمَا الْأَجَلُ قَالَ: فَيُكْتُبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ"۔

(صحيح على شرط الشيخين: مسند أحمد رقم 12157، 12158، 12499، 12500؛ بخاری رقم 318، 3333، 6595؛ مسلم رقم 5-2646؛ مسند ابی داود طیالسی رقم 2186؛ السنة لابن ابی عاصم رقم 187؛ مسند البزار رقم 7452؛ القدر، الفریابی، رقم 144؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11584 (الجامعة الاسلامیہ)؛ الشریعة للآجری رقم 364؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1406؛ التوحید لابن مندہ رقم 99؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1049؛ الاسماء والصفات، بیہقی، 284؛ الاعتقاد، بیہقی، ص ۱۷۲؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 15422؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 89؛ أبو نعيم في

"الحلیة" 280،260/6)

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے رحمِ مادر پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے۔ وہ یہ عرض کرتا رہتا ہے: ''پروردگار! ابھی تک یہ نطفہ ہے۔ پروردگار! اب یہ خونِ بستہ کی شکل ہو گیا۔ پروردگار! اب یہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا''۔ اب اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ اس کو پیدا فرما دے، تو وہ فرشتہ عرض کرتا ہے: ''پروردگار! اس کے متعلق کیا لکھوں: مرد ہوگا یا عورت؟ بد بخت ہوگا یا نیک بخت؟ پھر اس کا رزق فراخ ہوگا یا تنگ؟ اور عمر کتنی ہوگی؟''۔ تو اس طرح یہ ساری باتیں ماں کے پیٹ کے اندر ہی اندر لکھ دی جاتی ہیں''۔

3 قضاوقدر کے فیصلہ پر رضامندی ضروری ہے، اور یہ انسان کی بڑی سعادت کی علامت ہے

حدیث 11:۔ حَدَّثَنَا رَوْحٌ، أَمْلَاهُ عَلَيْنَا بِبَغْدَادَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اسْتِخَارَتُهُ اللهَ، وَمِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللهُ، وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللهِ، وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ".

(مسند أحمد، رقم 1444؛ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: ترمذی رقم 2151؛ مسند بزار رقم 1097؛ مسند ابی یعلی رقم 701؛ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. ووافقه الذهبی: مستدرک حاکم رقم 1903؛ الشاشی فی "مسنده" رقم 185؛ شعب الایمان رقم 199؛ وَهٰذَا الْمَتْنُ وَإِنْ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ فَإِنَّ فِي طَرِيقِهِ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي حُمَيْدٍ وَهُوَ ضَعِيفٌ، وَطَرِيقُ أَبِي يَعْلَى أَوْلَى مِنْهَا: إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، البوصيري، رقم 1774؛ مشکوٰۃ رقم 5303؛ الضعيفة رقم 6212؛ ضَعِيفُ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ رقم 420، ضعيف الجامع الصغير رقم 5300)

ترجمہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جو فیصلہ ہو، وہ اُس پر راضی رہے، اور آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو، اور اس کی بدنصیبی اور بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو''۔

تشریح اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اُس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف بالعباد یقین کرتے ہوئے اُس کے فیصلہ پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

آیت 2:۔ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ:۲۱۶)

ترجمہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بُری ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اس کے نزدیک بندہ کے لئے جو خیر ہو، اُسی کا اس کے لئے فیصلہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بدنصیبی اور بدبختی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بدبختی اور بدنصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضاوقدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو''۔

ظاہر ہے کہ ''رضا بالقضا'' کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اُن صفات کمال و جمال پر پورا پورا ایمان و یقین حاصل ہو، جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔ ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

ابتدائے حدیث میں جب اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر رضامندی کی تاکید آئی، تو کسی کے دل میں یہ وہم گزر سکتا تھا کہ پھر اگر انسان سے معصیت ہو جائے، تو اس پر بھی اس کو راضی ہونا چاہیے۔ اس لیے فرمایا کہ انسان کے لیے جہاں یہ ضروری ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر اور اس کی مرضیات ہی کی توفیق مانگا کرے۔ اگر اُس نے یہ دعا چھوڑ دی، تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی سمجھنا چاہیے۔

(دیکھیے: لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، ج۸ ص۵۱۶۔ المؤلف: عبد الحق بن سیف الدین بن سعد الله البخاری الدِّهلوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ). تحقیق وتعلیق: الأستاذ الدكتور تقی الدين الندوی۔ الناشر: دار النوادر، دمشق - سوریا۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۳۵ھ)

علماء رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ قضا اور فیصلۂ خداوندی تو اس کا حکم ہے۔ اس لیے اس پر تو رضامندی ضروری ہے، لیکن اگر وہ چیز خود قبیح ہے، تو اس پر نارضائی ضروری ہے۔ کافر کا کفر بھی ایزدی تقدیر سے ہوتا ہے۔ پس اس کا حکم تو پُر حکمت ہونے کی وجہ سے بہتر ہی کہا جائے گا، گو یہ خود قبیح ہے۔ دیکھو! خود بیت الخلاء کیسی گندی چیز ہے، مگر کسی مکان کے لیے اس کا بنانا بھی ضروری ہے

حدیث 12 :- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "عِظَمُ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ".

(حسن: ابن ماجه، رقم 4031؛ ترمذی رقم 2396؛ مسند ابی یعلی رقم 4253؛ مسند الشهاب القضاعی، رقم 1121؛ شعب الایمان رقم 9325؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1435؛ مشکوۃ رقم 1566؛ صَحِيحُ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ رقم 3407؛ صحیح الجامع رقم 2110؛ الصحیحۃ: رقم 146)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”جتنی آزمائش سخت ہوتی ہے، اس کا بدلہ بھی اتنا ہی بڑا ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے، تو اس کو ضرور آزمائش میں بھی ڈالتا ہے، پھر جو اس پر

راضی ہوگیا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوجاتا ہے، اور جو ناراض ہوا، وہ بھی اس سے ناراض ہوجاتا ہے''۔

حدیث 13:۔ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ..... أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ صَبَرَ فَلَهُ الصَّبْرُ، وَمَنْ جَزِعَ فَلَهُ الْجَزَعُ".

(صحیح: مسند أحمد، رقم 23623، 23633، 23641؛ احادیث إسماعیل بن جعفر رقم 383؛ الترغیب فی فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهین رقم 275؛ الآداب للبیهقی رقم 723؛ شعب الایمان رقم 9327؛ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد رقم 3736؛ المنذری فی "الترغیب والترهیب" 283/4، وقال: رواه أحمد، ورواته ثقات؛ صحیح الجامع رقم 1706)

ترجمہ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے، تو اس کو اُس کو آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر جس نے صبر کیا، تو اس کے لیے صبر (کی جزا) ہے۔ اور جس نے جزع وفزع کی، تو اس کے لیے جزع وفزع (رونا دھونا) ہی ہے''۔

تشریح بات یہ ہے کہ امتحان کے بغیر کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ قدرت چاہتی ہے کہ روزِ محشر جب اپنی مخلوق کو انعام تقسیم فرمائے، تو اس کا معیار صرف اپنے علمِ ازلی پر نہ رکھے، بلکہ انصاف وعدالت کے دن ایسا معیار مقرر کردے جس کا مشاہدہ ہماری آنکھیں بھی کر سکیں۔ وہ چاہتی ہے کہ جن شرکاء اُحد کو انعامِ شہادت دے، تو اس طرح دے کہ اُن کے جسم زخموں سے چُور ہوں، لیکن اس خستگی میں لبوں پر مسرت کی مسکراہٹ نظر آئے، اور جن منافقین کو جہنم میں داخل فرمائے، تو اس طرح کہ بروقت رسول سے دغابازی کا ٹیکہ ان کی پیشانی پر لگا ہوا ہو۔

حدیث 14:۔ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ يَعْنِي ابْنَ أَبِي الْفُرَاتِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُونِ، فَأَخْبَرَهَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّهُ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ، فَجَعَلَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ، فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ، فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، يَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يُصِبْهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ، إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشَّهِيدِ".

(صحیح علی شرط البخاري: مسند أحمد رقم 24358، 25212، 26139؛ بخاری رقم 3474، 5734، 6619؛ النسائی فی "الکبری" رقم 7485؛ إسحاق بن راھویہ رقم 1353، 1761؛ ابن عبد البر فی "التمھید" 206/19؛ البغوی فی "شرح السنة" رقم 1442؛ الأسماء والصفات للبیھقی رقم 303؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 6560)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے جس پر چاہے نازل فرمائے، لیکن مومنوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت بنا دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی طاعون میں مبتلا ہو، اور یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے، اس کے سوا اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔ پھر صبر کے ساتھ ثواب کی اُمید میں اُسی شہر میں پڑا رہے (اور اُس کو موت آجائے)، تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے''۔

تشریح: طاعون جیسا تکلیف دہ مرض دنیا میں اپنے اسباب سے ہی آتا ہے، مگر دنیا آج تک اس نکتہ سے غافل تھی کہ اس بیماری کے آنے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انکشاف فرمایا کہ یہ بیماری ظاہر تو ہوئی تھی ایک قوم کے عذاب کے لیے، لیکن میری اُمت کے حق میں رحمت بنا دی گئی ہے، لیکن اس کی چند شرائط بھی رکھی گئی ہیں:

۱ جب اس کے شہر میں طاعون آئے، تو ڈر کر وہاں سے بھاگ نہ جائے۔ یہ مسلمان کی پختگی اور تقدیر پر اعتماد کے خلاف ہے۔

۲ شہر میں رہنا بھی ہو، تو صابر بن کر ہو، کسی مجبوری سے نہ ہو۔

۳ اس میں ثواب کی نیت شامل کرلے۔

۴ اس کے اس عقیدہ میں کوئی تزلزل بھی نہ آنے پائے۔ بس یہ یقین رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ میرے مقدر میں لکھ چکا ہے، نہ اس کے خلاف وقوع پذیر ہو سکتا ہے، اور نہ اس سے رستگاری ممکن ہے۔

اگر ان شرائط کی ادائیگی کے بعد تقدیری طور پر اس کی موت آ گئی، تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملتا ہے۔

اس روایت سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے:

حدیث 15: ـ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ الْحَضْرَمِيَّ، وَيَزِيدُ بْنُ عَبْدِ رَبِّهِ، قَالَا: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي بَحِيرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بِلَالٍ، عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَخْتَصِمُ الشُّهَدَاءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلَى فُرُشِهِمْ إِلَى رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ فِي الَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُونِ، فَيَقُولُ الشُّهَدَاءُ: "إِخْوَانُنَا قُتِلُوا كَمَا قُتِلْنَا". وَيَقُولُ الْمُتَوَفَّوْنَ عَلَى فُرُشِهِمْ: "إِخْوَانُنَا مَاتُوا عَلَى فُرُشِهِمْ كَمَا مِتْنَا عَلَى فُرُشِنَا". فَيَقُولُ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ: "انْظُرُوا إِلَى جِرَاحِهِمْ، فَإِنْ أَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُولِينَ، فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ. فَإِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ أَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ".

(حسن لغیرہ: مسند أحمد، رقم 17159، 17164؛ مسند البزار رقم 4194؛ سنن الکبریٰ نسائی رقم 4357؛ سنن نسائی رقم 3164؛ مسند الشامیین طبرانی رقم 1177؛ الطبرانی فی "الکبیر" 18/ رقم (626)؛ شعب الایمان رقم 9416؛ یعقوب بن سفیان 346/2؛ حسنه الحافظ فی "الفتح" 194/10؛ صحیح الجامع: رقم 8046، صحیح التَّرْغِیبِ وَالتَّرْهِیب: رقم 1407؛ مشکوٰۃ: رقم 1596)

ترجمہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عام طور پر مرنے والوں اور شہیدوں کے مابین اُن مُردوں کے معاملہ میں جھگڑا ہوتا ہے، جن کا انتقال مرضِ طاعون میں ہوتا ہے۔ شہداء تو یہ کہتے ہیں: ''پروردگار! جیسا ہم قتل کیے گئے، یہ بھی اسی طرح قتل کیے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارے بھائی ہوئے، اِن کا شہیدوں

میں شمار ہونا چاہیے"۔ عام مُردے کہیں گے: "ان کی موت بستر پر آئی ہے جس طرح ہماری موت۔ اس لیے یہ ہمارے بھائی ہیں"۔ پروردگار کا ارشاد ہوگا: "اچھا! ان کے زخم کی شکل دیکھو، اگر وہ شہیدوں کے زخموں کے مشابہ ہوں، تو ان کا شمار بھی اُن میں ہو گا، اور یہ ان ہی کے ساتھ رہیں گے"۔ جب اس کی تحقیق کی جائے گی، تو ان کے زخم شہیدوں کے مشابہ ملیں گے۔ اس لیے فیصلہ شہداء کے حق میں ہو جائے گا"۔

تشریح اس روایت سے اوپر کی حدیث کی پوری وضاحت ہوگئی اور شہید کے اجر ملنے کی تفصیل بھی معلوم ہوگئی، اور یہ بھی کہ اسباب و مسببات کے اثرات اس عالم سے گزر کر بھی شاید دوسرے عالم میں بھی ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہاں بھی شہادت کا ثواب دینے کے لیے اسباب و علل کا ایک نقشہ جمایا گیا۔ اس میں بحث و تمحیص ہوئی، پھر جس جانب پلّہ بھاری دیکھا گیا، اس جانب فیصلہ صادر کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہید کا اجر ملے، تو پہلے شہید کا سا عمل ہونا چاہیے۔ اگر وہ نہ ہو، تو اس عمل کا کوئی اثر ہونا چاہیے۔ شہید بھی بڑے دشوار گزار موقع پر صبر کر کے محض رضائے الٰہی کے لیے وہیں جان قربان کرتا ہے۔ طاعون کا مریض بھی بظاہر اپنی جان کو معرضِ خطر میں ڈال کر صرف رضائے الٰہی کے لیے وہیں جان دیتا ہے۔ جنگ میں میدانِ قتال اور طاعون میں وباء زدہ علاقے موت کی گرما گرمی کے یکساں بازار نظر آتے ہیں۔ رحمتِ الٰہی بھی اس مشابہت کی رعایت کر لیتی ہے۔ جب ایک ہی بیماری قوموں کے اختلاف سے ثواب و عذاب کی دو متضاد شکل اختیار کر سکتی ہے، تو ایک ہی عمل خالق و مخلوق کے فرق سے حسن اور قبیح کیوں نہیں ہو سکتا۔ یہاں تو فرق بھی واضح ہے کہ جو اللہ کا فعل ہے، وہ اور ہے، اور جو بندہ کی صفت ہے، وہ دوسری چیز ہے جس پر قبیح ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے، وہ خالق کی صفت ہی نہیں ہے، اور جس کو حسن کہا جاتا ہے، وہ بندہ کی صفت نہیں، بلکہ ایک ہی چیز کا وہ تعلق جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے، یعنی اس کا پیدا کرنا، یہ حسن ہے، اور وہ تعلق جو بندہ کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی اس کا قائم ہو جانا، یہ بعض جگہ قبیح کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔

حدیث 16: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ

قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمَلِيحِ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُرَاتُ بْنُ سَلْمَانَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ ثَمَانِ سِنِينَ وَخَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا لَامَنِي لَائِمٌ مِنْ أَهْلِهِ إِلَّا قَالَ: "دَعُوهُ فَإِنَّهُ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ".

(الرضا عن الله بقضائه لابن أبي الدنيا، ص ۴۵ رقم 4)

حدیث 17:- حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، حَدَّثَنَا عِمْرَانُ الْبَصْرِيُّ الْقَصِيرُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا أَمَرَنِي بِأَمْرٍ فَتَوَانَيْتُ عَنْهُ، أَوْ ضَيَّعْتُهُ، فَلَامَنِي، فَإِنْ لَامَنِي أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا قَالَ: "دَعُوهُ، فَلَوْ قُدِّرَ - أَوْ قَالَ: لَوْ قُضِيَ - أَنْ يَكُونَ كَانَ".

(صحیح: مسند أحمد رقم 13418؛ المصنف عبد الرزاق، رقم 17947؛ ابن سعد فی "الطبقات" 17/7؛ العقیلی فی "الضعفاء" 305/3؛ البیهقی فی "شعب الإیمان" رقم 8070؛ الضیاء فی "المختارة" رقم 1834؛ أبو الشیخ فی "أخلاق النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ص 34-35)

حدیث 18:- أَخْبَرَنَا أَبُو يَعْلَى مِنْ كِتَابِهِ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَزْرَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: "خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا بَعَثَنِي فِي حَاجَةٍ لَمْ تَتَهَيَّأْ إِلَّا قَالَ: "لَوْ قُضِيَ لَكَانَ، أَوْ لَوْ قُدِّرَ لَكَانَ".

(صحیح علی شرط الشیخین: ابن حبان، رقم 7179؛ القضاء والقدر للبیهقی، رقم 212)

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ ثَمَانِ سِنِينَ خَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا لَامَنِي عَلَى شَيْءٍ قَطُّ أُتِيَ فِيهِ عَلَى يَدَيَّ فَإِنْ لَامَنِي لَائِمٌ مِنْ أَهْلِهِ قَالَ: "دَعُوهُ فَإِنَّهُ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ".

هٰذَا لَفْظُ "الْمَصَابِيحِ". وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي "شُعَبِ الْإِيمَانِ" مَعَ تَغْيِيرٍ يَسِيرٍ۔

(صحیح: مشکاة المصابیح، رقم 5819؛ مصابیح السنة، البغوی، رقم 4538؛ كَشْفُ المَنَاهِجِ وَالتَّنَاقِيحِ فِي تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ المَصَابِيحِ رقم 4688)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آٹھ سال کی عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شروع کی، اور دس سال تک خدمت کی ہے۔ اس عرصہ میں جب کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان ہوگیا، تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کبھی ملامت نہیں فرمائی۔ اگر گھر والوں میں سے کبھی کسی نے کچھ کہا بھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا: ''رہنے دو، کچھ نہ کہو۔ اگر مقدر یوں ہوتا (یعنی نقصان نہ ہونا)، تو یونہی ہو جاتا''۔

تشریح دیکھنے میں تو یہ ایک معمولی سی بات ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن غور کیجیئے گا، تو آپ کو رضا بقضاء کا ایک کرشمہ ہی معلوم ہوگا کہ اوّل تو دس سال کی طویل مدت، پھر نہ معلوم اس میں کتنی بار اس قسم کے واقعات پیش آئے ہوں گے، ان تمام واقعات میں بلا استثناء اس طرح راضی بقضاء رہنا کیا یہ کسی معمولی انسان کی استقامت ہو سکتی ہے؟ بلاشبہ یہ کمال صرف اس شخصیت ہی کا ہو سکتا تھا، جس کی نظروں کے سامنے عالمِ غیب عالمِ شہادت سے پہلے مستحضر رہا کرتا ہو، اور وہ تو کیا، جو شخص بھی ایمان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھ گیا، اس کا سینہ بھی اس معرفت سے لبریز ہوگیا۔ یہاں معمولی نقصانات کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر کا انتقال ہوتا ہے، وہاں بھی عین حالتِ اضطراب میں زبان سے ایسے نپے تلے کلمات نکلتے ہیں جو ایک طرف ضعیف اُمت کے لیے اسوہ بن سکیں اور دوسری طرف رضا بقضاء کا مرقع ہوں۔ آنکھیں اشکبار ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دردبھری آواز سے جو کلمات فرمارہے ہیں، وہ یہ ہیں:

فَقَالَ: "إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضِي رَبَّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ! لَمَحْزُونُونَ". مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مشکوٰۃ رقم 1722)

ترجمہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے، اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو (یعنی: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)۔ اے ابراہیم! تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے''۔

یعنی ان صبر آزما حالات میں بھی زبان سے بجز ان کلمات کے جو رضاءِ الٰہی کا مُوجب ہوں، ایک کلمہ نہیں نکل سکتا۔

حدیث19:۔حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، وَمُحَمَّدٌ، قَالاَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ إِنَّ ابْنًا لِي قُبِضَ، فَأْتِنَا. فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلاَمَ، وَيَقُولُ: "إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ، وَلْتَحْتَسِبْ". فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا، فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، وَمَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ. فَرُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ - قَالَ: حَسِبْتُهُ أَنَّهُ قَالَ: كَأَنَّهَا شَنٌّ - فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ سَعْدٌ: "يَا رَسُولَ اللهِ! مَا هٰذَا؟". فَقَالَ: "هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ".

(بخاری رقم 1284، 5655، 6602، 6655، 7377، 7448؛ مسلم رقم 11-923؛ سنن ابی داؤد رقم 3125؛ ابن ماجہ رقم 1588؛ مصنف عبد الرزاق رقم 6670؛ مسند احمد رقم 21776، 21779، 21789، 21799؛ الادب المفرد رقم 512؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 2007؛ سنن نسائی رقم 1868؛ ابن حبان رقم 461، 3158؛ المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، لأبی نعیم، رقم 2064؛ الآداب للبیہقی رقم 752؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 7129؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1527)

ترجمہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) کا ایک بچہ قریب المرگ ہوگیا۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں سلام فرمایا اور کہلا بھیجا: ''آپ صبر کریں۔ جو اللہ تعالیٰ لے لیتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو دیتے ہیں وہ بھی اسی کے لیے ہے اور ہر شخص کے انتقال کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقررہ ہے۔ ہر حالت میں تم کو صبر کرنا چاہیے''۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا پریشانی کے عالم میں تھیں۔ پھر انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قسم دے کر آدمی بھیجا: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تشریف لائیں''۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ

رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی چل پڑی۔ جب وہاں پہنچے تو وہ بچہ قریب المرگ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں اسے پیش کیا گیا۔ اس بچہ کے آخری سانس تھے۔ اور وہ فوت ہو رہا تھا۔ یہ حالت ملاحظہ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو مبارک جاری ہو گئے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آنسو بہا رہے ہیں؟''۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دی ہے۔ اپنے نرم دل بندوں پر ہی اللہ تعالیٰ رحمت فرماتے ہیں''۔

تشریح "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ، وَلْتَحْتَسِبْ".

انتہائی اضطراب اور صبر شکن مقام میں اطمینان وسکون پیدا کرنے کے لیے ان جامع اور مختصر کلمات سے زیادہ مؤثر اور کلمات نہیں ہو سکتے۔ یہاں سب سے اہم اور سب سے پہلا جو تصور ذہن نشین کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جہان میں جو کچھ ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور مالک کے کسی فعل پر ناراضگی کا کسی کو حق نہیں ہے۔ پس اگر کسی کی اولاد اس نے لے لی ہے، تو یہ دی کس نے تھی۔ دوم: یہاں اس کی بھی یاددہانی کی گئی ہے کہ تقدیر میں ہر چیز کی ایک مدت معین کی جا چکی ہے۔ لہٰذا جو چیز دی جاتی ہے، اتنی ہی معین مدت کے لیے دی جاتی ہے۔ پس اگر ایک مقرر وقت کے لیے دی ہوئی چیز اپنے وقتِ مقرر پر لے لی جائے، تو اس میں بے صبری کی وجہ کیا؟ یہ تو ایک علمی درس ہوا۔ اب عملاً یہ ضروری ہے کہ صبر کیا جائے اور اس صبر میں ثواب کی نیت بھی کی جائے تاکہ ثواب اور زیادہ حاصل ہو۔ یہ نکتہ یاد رکھیے کہ مصیبت میں صبر کا اجر تو ملتا ہی ہے، لیکن اگر اس میں ثواب کی نیت تفصیلی طور پر بھی ہو، تو اس کا ثواب اور بڑھ جاتا ہے۔ احتساب کا لفظ اسی نکتہ پر تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ تقدیر پر ایمان انسان کے لیے کتنی قوت کا باعث ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشہ میں کس طرح کار آمد ہے۔

4 یہ اعتقاد رکھنا کہ فرماں برداروں کو دوزخ میں ڈال دینا، یا نافرمانوں کو جنت بخش دینا مختارِ کُل کی بارگاہ میں دونوں باتیں انصاف ہیں، مسئلہ تقدیر کی جان ہیں

حدیث20:۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا أَبُو سِنَانٍ سَعِيدُ بْنُ سِنَانٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ، قَالَ: لَقِيتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَقُلْتُ: "يَا أَبَا الْمُنْذِرِ! إِنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنْ هٰذَا الْقَدَرِ، فَحَدِّثْنِي بِشَيْءٍ، لَعَلَّهُ يَذْهَبُ مِنْ قَلْبِي". قَالَ: "لَوْ أَنَّ اللهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ، كَانَتْ رَحْمَتُهُ لَهُمْ خَيْرًا مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ أَنْفَقْتَ جَبَلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فِي سَبِيلِ اللهِ، مَا قَبِلَهُ اللهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَلَوْ مِتَّ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ، لَدَخَلْتَ النَّارَ". قَالَ: فَأَتَيْتُ حُذَيْفَةَ، فَقَالَ لِي مِثْلَ ذٰلِكَ، وَأَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ، فَقَالَ لِي مِثْلَ ذٰلِكَ، وَأَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ".

(صحيح: موقوف من حديث أُبي بن كعب وابن مسعود وحذيفة بن اليمان ومرفوع من حديث زيد بن ثابت: مسند أحمد، رقم 21589، 21653؛ عبد الله بن أحمد بن حنبل فی "السنة" رقم 844؛ عبد بن حميد رقم 247؛ أبو داود رقم 4699؛ ابن حبان رقم 727؛ ابن ماجه رقم 77؛ الطبرانی فی "الشاميين" رقم 1962؛ الطبرانی رقم 10564؛ الطبرانی أيضاً 18/ رقم (556)؛ القدر للفريابی رقم 190؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1443؛ المخلصيات لأبی طاهر المخلص رقم 2051؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1093، 1232؛ الاعتقاد للبيهقی، ص ١٤٩؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 20874؛ القضاء والقدر للبيهقی، رقم 200، 482؛ شعب الايمان رقم 179؛ الحجة فی بيان المحجة

وشرح عقيدة أهل السنة، لإسماعيل الأصبهاني،رقم37؛مشکوۃ رقم 115؛ الظلال:رقم245)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سِنَانٍ، يُحَدِّثُ عَنْ وَهْبِ بْنِ خَالِدٍ الْحِمْصِيِّ، عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ، قَالَ: وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ، فَأَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَوْ أَنَّ اللهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ، لَعَذَّبَهُمْ غَيْرَ ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ، كَانَتْ رَحْمَتُهُ لَهُمْ خَيْرًا مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ كَانَ لَكَ جَبَلُ أُحُدٍ، أَوْ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ ذَهَبًا، أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، مَا قَبِلَهُ اللهُ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَأَنَّكَ إِنْ مِتَّ عَلَى غَيْرِ هَذَا، دَخَلْتَ النَّارَ".

(صحيح:مسند أحمد،رقم21611؛عبد الله بن أحمد فى "السنة": رقم843؛ابن ماجه رقم77؛ابن أبى عاصم فى "السنة" رقم245؛الطبرانى رقم4940؛اللالكائى فى "شرح أصول الاعتقاد" رقم1092،1093)

ترجمہ حضرت (عبد اللہ بن فیروز) ابن الدیلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''تقدیر کے متعلق میرے دل میں خلجان سا پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ اس کے متعلق کچھ بیان فرمائیں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کر دے (اور مجھے اس مسئلہ میں اطمینان نصیب ہو جائے)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سنو! اگر اللہ تعالیٰ اپنے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو عذاب میں ڈال دے، تو وہ اپنے اس فعل میں ظالم نہ ہوگا اور اگر وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نوازے، تو اس کی یہ رحمت اُن کے اعمال سے بہتر ہو گی، (یعنی ان پر یہ اس کا محض فضل و احسان ہوگا، اُن کے اعمال کا واجب حق نہ ہوگا، اور سنو! تقدیر پر ایمان لانا اس قدر ضروری ہے کہ) اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کر دو، تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ، اور تمہارا پختہ اعتقاد یہ نہ ہو کہ جو کچھ تمھیں پیش آتا ہے، تم کسی طرح اس سے

چھوٹ نہیں سکتے تھے، اور جو حالات تم پر پیش نہیں آتے، وہ تم پر آ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو کچھ ہوتا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور مقرر ہو چکا ہے، اور اس مقررہ پروگرام میں ذرّہ برابر تبدیلی بھی ممکن نہیں ہے) اور اگر تم اس کے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مر گئے، تو یقیناً تم دوزخ میں جاؤ گے"۔

حضرت ابن الدیلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ سننے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا۔ اس کے بعد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا۔ پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر مجھ سے بیان فرمائی۔

تشریح: تقدیر کے متعلق ایک عام وسوسہ جس کو شیطان کبھی کبھی بعض ایمان والوں کے دل میں ڈالتا ہے، یہی ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر سے ہو رہا ہے، تو پھر دنیا میں کوئی اچھے حال میں اور کوئی بُرے حال میں کیوں ہے؟ اور آخرت میں کیوں کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟!!

اگر کسی صاحبِ ایمان کے دل میں کبھی یہ وسوسہ آئے، تو اس کے دفع کرنے کی آسان اور مختصر تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں اور ساری مخلوقات پر جو کامل اختیار حاصل ہے، اُس کی یاد تازہ کر لی جائے، اور سوچا جائے کہ ایسا لا شریک مالک الملک اور عدمِ محض سے وجود میں لانے والا خالق و صانع اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے، بلا شبہ وہ اُس کا حق دار ہے، وہ سب کو عذاب میں مبتلا کرے، تو کسی قانون سے اُس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا اور اگر سب کو رحمت سے نوازے، تو یہ رحمت اُس کی محض بخشش ہوگی، کیونکہ جو نیکوکار لوگ نیک اعمال کرتے ہیں، اُن کی توفیق دینے والا، اور اعمال کرانے والا بھی وہی ہے۔ بہر حال مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص حیثیت کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، تو مؤمن کے دل سے تو یہ شبہ بالکل جاتا رہے گا، اور اُس کو اطمینان ہو جائے گا۔

حضرت (عبد الله بن فیروز) ابن الدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بحمد اللہ چونکہ مسلمان تھے، اور اللہ تعالیٰ کی اس شان پر ایمان واعتقاد رکھتے تھے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کی یاددہانی کے ذریعہ ان کے وسوسہ کا علاج کیا اور انھیں یہ بھی بتلا دیا کہ تقدیر پر ایمان واعتقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے کے بغیر پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔
مسئلۂ تقدیر میں گفتگو کی تان جس جگہ جا کر ٹوٹتی ہے، وہ یہی بابِ مجازاۃ ہے، یعنی انسانی جزاء وسزا کا مسئلہ۔ اس لیے صحابی رضی اللہ عنہ نے یہاں اسی دُکھتی رگ کو پکڑ لیا ہے، اور اپنے کلام کا آغاز ہی یہیں سے فرمایا ہے۔
حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
دنیوی حوادث میں انسانوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں:
ایک طبقہ تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا مالک ہے، اس کو ہر اَمر پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، اور وہ جو ارادہ فرماتا ہے، کرتا ہے۔ لہٰذا یونہی اس کی مشیت ہوگی، یہ سوچ کو خاموش ہو جاتا ہے۔
دوسرا وہ ہے جو اس کو قادر اور مالک ہونے کے ساتھ مُنعم اور مہربان بھی سمجھتا ہے، مگر خاص اپنے اس معاملہ میں اُس کی کسی نعمت کا ادراک نہیں کرتا۔
تیسرا طبقہ وہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا مہربان ہے کہ جو بھی کرتا ہے، وہ مؤمن کے حق میں خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو تلخ سے تلخ حوادث میں بھی نعمت ہی نعمت کا کیف حاصل ہوتا رہتا ہے۔
چوتھا وہ ہے جس کی نظر مرتبۂ صفات سے گزر کر ذاتِ قدسی پر جا پہنچتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ذاتِ باری خود مستحقِ عبادت ہے اور اس کے احسان وانعام سے قطعِ نظر وہ جو بھی کرے، اس کو بہر کیف اس کا حق حاصل ہے، وہ ہر حالت میں لائقِ ستائش ہی ہے، کیونکہ وہ علیم ہے، رحیم ہے، اور حکیم ہے، جو بھی کرتا ہے، اس میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ پس وہی اس کا مستحق ہے کہ اسی سے محبت کی جائے، اُس کی عبادت کی جائے، اور اُس کی حمد وثناء کی جائے۔ اس شخص کی حمد وثناء براہِ راست ذات

باری تعالیٰ کی ہوتی ہے، گو اس کو صفات کا علم ہوتا ہے، مگر وہ اِن صفات کو بھی ذات باری تعالیٰ کا ایک کمال سمجھتا ہے، اور اس کی حمد وثناء ان صفات کے استحضار کے ساتھ نہیں، بلکہ براہِ راست ذات منبع صفات کی کرتا ہے۔

پہلا طبقہ صابرین کا ہے، دوسرا راضی بقضاء کا، مگر غیر شاکر کا، تیسرا راضی بقضاء کا، جو شاکر بھی ہے۔ چوتھا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کو احادیث میں ''حَمَّادُوْن'' کا لقب دیا گیا ہے اور جن کے حق میں یہ بشارت ہے کہ جنت کی طرف سب سے پہلے اِن ہی کو آواز دی جائے گی۔ دوسرے اور تیسرے طبقہ کی معرفت جس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، مشیّت اور قدرت کو پہچانا ہے، یا زیادہ سے زیادہ اس کے انعام واحسان کو بھی پہچان لیا ہے، ناقص معرفت ہے۔ جہمیہ اور جبریہ تو صرف پہلی قسم کی معرفت رکھتے ہیں۔ قدریہ، معتزلہ دوسری قسم کی۔ اور کامل معرفت والے وہ اہل علم ہیں جو ذاتِ باری کو صفات سے قطع نظر بھی ہر حالت میں موجب حمد وثناء سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر صرف حکیم حاکم کی طرف رہتی ہے، نہ کہ مطیع کی اطاعت اور نہ کسی عاصی کی معصیت کی طرف۔ لہٰذا اگر وہ مطیع کو دوزخ میں داخل فرمادے، یا عاصی کو جنت میں۔ دونوں حالتوں میں وہ عادل، منصف اور حکیم ہی رہے گا۔

آیت 3:۔ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ (الانبیاء:۲۳)

ترجمہ وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دِہ نہیں ہے اور سب جواب دہ ہیں۔

(تفسیر سورۃ اخلاص، ص۱۶، ۱۷ مع تہذیب وترتیب)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیل کے بعد آپ اس صحابی رضی اللہ عنہ کے جواب کی بلندی ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔ جبر وقدر کے مسئلہ میں جو شکوک پیدا ہو سکتے ہیں، وہ درحقیقت اس معرفت سے محرومی کا ثمرہ ہیں۔ اگر انسان کو ذات باری کے کمال کا اندازہ ہوجائے، تو شبہات کی ساری دنیا خود بخود نیست ونابود ہوجائے۔ جب تک اس کمالِ خداوندی کا استحضار حاصل نہ ہو، شکوک وشبہات ختم نہیں ہوسکتے۔ یہ استحضار ہر ایک کے لیے مشکل مرحلہ ہے۔ اس لیے صاحبِ شریعت نے بجائے جواب وسوال کرنے کے، اس مسئلہ میں گفتگو ہی کی ممانعت فرمادی ہے۔

قضاء وقدر ایک غیبی حقیقت ہے اور جب تک انسان حقائقِ غیبیہ تسلیم نہ کر لے، اس مسئلہ میں اس سے گفتگو لا حاصل ہے۔ دیکھیے! یہاں تابعی نے قضاء وقدر کے معاملہ میں جس تقریر کی تمنا ظاہر کی ہے، اس سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف دلائل سننا نہیں چاہتا بلکہ وہ طریقہ چاہتا ہے جس سے قلب کو شفا ہو جائے۔ ایک ایسا باطنی نور پیدا ہو کہ شبہات کی کھٹک ہی سینہ سے نکل جائے۔ اسی لیے جواب میں بھی صرف ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے جس کو سُن کر ایک خدا پرست کے دل پر الٰہی قدرت وسطوت کا ایسا اثر پڑنا ضروری ہے کہ پھر شبہات خود بخود ختم ہو جائیں۔ اگر دل اپنی گہرائیوں میں اس عقیدت سے خالی ہے (العیاذ باللہ!)، تو پھر اس ضعیف الایمان کے لیے یہ جواب بھلا کب تک شافی ہو سکتا ہے۔ یہ قصور جواب کا نہیں، بلکہ خود اسی کا ہے:

"اَللّٰهُمَّ! مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ" (مسلم رقم 17-2654)

عدل ہر اس تصرف کو کہتے ہیں جو اپنی ملکیت میں ہوتا ہے، اور ظلم کہتے ہیں کسی کے حق دبا لینے کو۔ اب سوچیے! زمین وآسمان میں ایسا کون ہے جس کو ثواب دینا حق تعالیٰ پر لازم اور ضروری حق ہو۔ پس اگر یہ حق کسی کا بھی نہیں، تو اگر کسی کو بھی جنت عطا نہ فرمائے، تو یہ ظلم کیوں ہو، بلکہ چونکہ یہ تصرف اپنی ہی ملک میں ہو گا، اس لیے اس کو عین عدل کہا جائے گا۔ اور فضل یہ ہے کہ کسی کا حق نہ ہو، اس کو محض اپنے کرم سے عطا کر دینا۔ لہٰذا اگر وہ سب کو ثواب عطا فرما دے، تو یہ اس کا فضل ہی فضل ہو گا۔ فضل کے متعلق یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ فلاں شخص پر کیوں کیا اور فلاں پر کیوں نہیں کیا۔ یہ تو مالک اور حکیم کی اپنی مرضی کی بات ہوتی ہے، جس پر چاہے کرے، جس پر نہ چاہے نہ کرے۔ پھر حکمت والا ہی یہ خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے اپنے فضل کا محل بنایا ہے، اور کس کو اس کا محل نہیں بنایا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

آیت 4:- قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(آل عمران: ۷۳)

ترجمہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہو: "فضل وشرف اللہ کے اِختیار میں ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ وسیع النظر ہے"۔

آیت5:۔وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○
(الحدید:۲۹)

ترجمہ اور یہ کہ اللہ کا فضل اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور وہ بڑے فضل والا ہے۔

جب مشرکین نے سوال کیا تھا:

آیت6:۔اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○
(الانعام:۵۳)

ترجمہ ''کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل وکرم ہوا ہے؟''۔ ہاں! کیا اللہ اپنے شکرگزار بندوں کو اِن سے زیادہ نہیں جانتا ہے؟

یعنی کافر کہتے ہیں: ہم سب میں بس یہ مسلمان ہی رہ گئے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا ہے، تو ان کے جواب میں ارشاد ہوا: جی ہاں! یہ بات ہم ہی جانتے ہیں کہ کون ہماری نعمتوں کا قدردان اور شکرگزار ہوگا اور کون ناقدرا۔ اس لیے نہ بنجر میں کوئی تخم پاشی کرتا ہے، نہ ہم ناشکر پر اپنا فضل فرماتے ہیں۔

5 بندے اپنے افعال میں مختار ہیں، مگر اُن کے اختیار سے کرایا وہی جاتا ہے، جو پہلے مقدر ہو چکا ہے، اس لیے وہ مجبور بھی ہیں

حدیث21:۔حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ (ح) وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنِي مَالِكٌ، قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدُ اللهِ بْنِ أَحْمَدَ: وَحَدَّثَنَا مُصْعَبٌ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، أَنَّ عَبْدَ الْحَمِيدِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ أَخْبَرَهُ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ: "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ

ذُرِّيَّاتِهِمْ". الْآيَةَ [الأعراف: 172] فَقَالَ عُمَرُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ، وَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ: "خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُونَ". فَقَالَ رَجُلٌ: "يَا رَسُولَ اللهِ! فَفِيمَ الْعَمَلُ؟". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيُدْخِلَهُ بِهِ الْجَنَّةَ، وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ، فَيُدْخِلَهُ بِهِ النَّارَ".

(صحیح لغیرہ: مسند أحمد رقم 311؛ جامع معمر بن راشد رقم 20063؛ موطا مالک رقم 3337 / 677؛ القدر للفریابی رقم 27؛ أبو داود رقم 4703، 4704؛ الترمذی رقم 3075؛ ابن أبي عاصم رقم 196؛ النسائی فی "الکبری" رقم 11126؛ شرح مشکل الآثار رقم 3886، 3887؛ الطبری فی "جامع البیان" 9 / 113؛ "التاریخ للطبری" 1 / 135؛ ابن حبان رقم 6166؛ اللالکائی فی "شرح أصول الاعتقاد" رقم 990؛ الآجری فی "الشریعة" رقم 324؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم 1313؛ "الأسماء والصفات" رقم 710؛ "شرح السنة" رقم 77؛ "معالم التنزیل" 2 / 211، 544؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 61؛ الاحادیث المختارة رقم 289؛ مسند الفاروق رقم 825؛ صحیح الجامع: 1702؛ ظلال الجنة: 168؛ صحیح موارد الظمآن: 1514؛ سلسلة الأحادیث الصحیحة رقم 1623؛ صححه الحاکم فی ثلاثة مواضع من "المستدرك"، ووافقه الذهبی فی الموضعین الثانی والثالث، وخالفه فی الموضع الأول فقال: فیه إرسال: مستدرک حاکم رقم 74، 3256، 4001؛ مشکوۃ رقم 95)

ترجمہ: حضرت مسلم بن یسار جہنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی:

آیت 7: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى

اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۝ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝ (الاعراف:۱۷۲)

ترجمہ اور اے نبی ﷺ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: ''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟''۔ انہوں نے کہا: ''ضرور، آپ ہی ہمارے ربّ ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں''۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو: ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے''۔ یا یہ نہ کہنے لگو: ''شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟''۔ دیکھو! اس طرح ہم نشانیاں واضح طور پر پیش کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ پلٹ آئیں۔

انھوں نے فرمایا: ''اس آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے میں نے خود سنا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ایک مرتبہ دایاں ہاتھ پھیر کر کچھ اولاد نکالی اور فرمایا: ''یہ میں نے جنت کے لیے بنائے ہیں، اور جنتیوں ہی کے سے عمل کریں گے''۔ اس کے بعد پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پھر کچھ اولاد نکالی اور اُن کے متعلق فرمایا: ''یہ میں نے دوزخ کے لیے بنائے ہیں، اور دوزخیوں ہی کے سے عمل بھی کریں گے''۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! تو پھر اب عمل کس لیے کریں''۔ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے، تو اس سے جنتی شخص کے سے عمل بھی کرا لیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی اسی قسم کے عملوں پر ہو جاتا ہے اور آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے، اور جب کسی کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتا ہے، تو اس سے عمل بھی دوزخی شخص کے کرا لیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی ان ہی اعمال پر ہو جاتا ہے جو دوزخی لوگوں کے عمل ہیں، اور آخر وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے''۔

تشریح اس حدیث میں سب سے پہلے عالَمِ تقدیر کے فیصلہ شدہ عالم ہونے پر تنبیہ کی گئی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ عمومی حالات وہاں کے فیصلۂ اعمال کس نوعیت پر دائر کیے گئے ہیں۔ پھر عمل کی نسبت بندوں کی طرف ظاہر فرما کر ان کے اختیار پر بھی تنبیہ کر دی گئی اور اس پر بھی کہ اختیاری اعمال پر جزاء وسزا معقول ہے۔ لیکن چونکہ یہ سب کچھ ہو چکا تھا انسان کے عالمِ وجود میں آنے سے قبل ہی، اس لیے آخر کار انسان مجبور ہی ٹھہرا۔ عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسئلۂ تقدیر میں جب کہیں شبہ ہوا ہے، تو اپنے معاملہ میں ہوا ہے، یعنی جب قضاءِ وقدر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو اب ہماری عملی جدوجہد بیکار ہوگی۔ یہ شبہ کبھی نہیں ہوا کہ جب ہم مجبور ہیں، تو پھر ہم کو دوزخ میں ڈالنا ظلم ہوگا۔ گویا شبہ ہے تو اپنی مجبوری کی بنا پر، نہ کہ مختارِ کل کے اختیار پر۔ حق تعالیٰ کو خالق، مالک اور مختارِ کل مان کر، پھر تو اس پر کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جواب کا رُخ بھی اسی طرف رہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ قضاء وقدر نے تمہارا اختیار سلب نہیں کیا۔ ہاں! یہ ضروری ہوگا کہ تم وہی جانب اختیار کر سکو گے جو قضاء وقدر کے تحت ہوگی، مگر اختیار کرو گے اپنے اختیار ہی سے۔ ظاہر ہے کہ انسان بیک وقت کسی عمل کی دونوں جانبوں کو تو اختیار کر نہیں سکتا، ایک ہی جانب کرے گا۔ اب جس جانب کو بھی وہ اختیار کرے گا، بس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہی جانب اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ تقدیر کا جبر تمہارے اختیار پر ہے، تمہارے عمل پر نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ عمل گو ہمارے اختیار سے صادر ہوتا ہے، مگر ہمارا اختیار جب جبر کے تحت ہوا، تو بواسطہ گویا عمل بھی جبر کے تحت آ گیا۔ تو یہ درست ہے۔ اس لحاظ سے یقیناً تم مجبور ہو گئے، مگر ایسے مجبور نہیں، جو معذور ٹھہر سکو۔ جہاں جبری عمل پر جزاء وسزا ظلم نہ ہو، وہاں اختیاری عمل پر جزاء وسزا بھلا کیا ظلم ہو سکتا ہے؟!!

حدیث 22: ۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، خَرَجَ إِلَى الشَّأْمِ، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ أُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ، أَبُو عُبَيْدَةَ

بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ. فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِأَرْضِ الشَّأْمِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقَالَ عُمَرُ: "ادْعُ لِي الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ". فَدَعَاهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ، وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّأْمِ. فَاخْتَلَفُوا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: "قَدْ خَرَجْتَ لِأَمْرٍ، وَلَا نَرَى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ". وَقَالَ بَعْضُهُمْ: "مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا نَرَى أَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلَى هٰذَا الْوَبَاءِ". فَقَالَ: "ارْتَفِعُوا عَنِّي". ثُمَّ قَالَ: "ادْعُوا لِي الْأَنْصَارَ". فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ، فَسَلَكُوا سَبِيلَ الْمُهَاجِرِينَ، وَاخْتَلَفُوا كَاخْتِلَافِهِمْ، فَقَالَ: "ارْتَفِعُوا عَنِّي". ثُمَّ قَالَ: "ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَا هُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ". فَدَعَوْتُهُمْ، فَلَمْ يَخْتَلِفْ مِنْهُمْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ، فَقَالُوا: "نَرَى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمَهُمْ عَلَى هٰذَا الْوَبَاءِ". فَنَادَى عُمَرُ فِي النَّاسِ: "إِنِّي مُصَبِّحٌ عَلَى ظَهْرٍ فَأَصْبِحُوا عَلَيْهِ". قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ: "أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللهِ؟". فَقَالَ عُمَرُ: "لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ!؟ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ إِلَى قَدَرِ اللهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ إِبِلٌ هَبَطَتْ وَادِيًا لَهُ عُدْوَتَانِ، إِحْدَاهُمَا خَصِبَةٌ، وَالْأُخْرَى جَدْبَةٌ، أَلَيْسَ إِنْ رَعَيْتَ الْخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ، وَإِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ؟". قَالَ: فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ - وَكَانَ مُتَغَيِّبًا فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ - فَقَالَ: "إِنَّ عِنْدِي فِي هٰذَا عِلْمًا، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ". قَالَ: فَحَمِدَ اللهَ عُمَرُ ثُمَّ انْصَرَفَ.

(بخاری رقم 5729، 5730، 6973؛ مسلم رقم 98-2219، 99-2219، 100-2219؛ جامع معمر بن راشد رقم 20159؛ ابوداؤد رقم 3103؛ مسند احمد رقم 1666، 1678، 1679، 1682، 1683، 1684؛ مسند ابی یعلی رقم 837؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9777، 9779 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ شرح معانی الآثار رقم 7035؛ المسند الشاشی رقم 235، 237؛ ابن حبان رقم 2912، 2953؛ شرح

أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1191 ؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 267)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام جانے کے لیے روانہ ہوئے، پھر جب سفر کرتے کرتے سَرغ کے مقام پر پہنچے، تو آپ رضی اللہ عنہ سے امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ملے۔ انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ملک شام میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے پاس (مشورہ کے لیئے) مہاجرین سابقین رضی اللہ عنہم کو بلاؤ''۔ پھر جب آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور ان سے اس بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور ان کو بتایا کہ ملک شام میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ اس مسئلہ میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔ بعض لوگ کہنے لگے: ''آپ رضی اللہ عنہ ایک مقصد کے پورا کرنے کو آئے ہیں۔ ہمارے رائے یہ ہے کہ اس کو پورا کرنے سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ واپس نہ جائیں''۔ بعض کہنے لگے: ''آپ رضی اللہ عنہ کے پاس قوم کے عظیم لوگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ اس طاعون کی وبا والی سرزمین میں جائیں''۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ''۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کو میرے پاس بلاؤ''۔ میں نے اُن کو بلایا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی مشورہ طلب فرمایا۔ یہ بھی مہاجرین رضی اللہ عنہم کی طرح مشورہ میں اختلاف کرنے لگے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی فرمایا: ''تم لوگ بھی یہاں سے چلے جاؤ''۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے پاس فتح مکہ کے سال ہجرت کرنے والے مشائخ قریش رضی اللہ عنہم کو بلاؤ''۔ تو میں نے ان کو بلایا۔ ان میں کسی شخص نے بھی مشورہ میں اختلاف نہ کیا۔ ان سب کی رائے یہ تھی: ''ہماری رائے یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو واپس لے جائیں اور اس طاعون کی وبا والی سرزمین میں نہ جائیں''۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی: ''میں صبح سویرے سواری پر بیٹھ کر واپس روانہ ہو جاؤں گا۔ پس سب لوگ واپس روانہ ہو جائیں''۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''آپ رضی اللہ عنہ لوگ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟''۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: ''اے ابوعبیدہ! کاش آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا یہ بات کہتا! ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف ہی جا رہے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹ ہوں، آپ رضی اللہ عنہ ایک وادی میں اتریں جس کی دو اطراف ہوں، ایک خوب سرسبز وشاداب ہو، بہت زیادہ سبزے اور چارے والی ہو، اور دوسری خشک اور کم چارے والی ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے، اگر آپ رضی اللہ عنہ اونٹوں کو سرسبز وشاداب وادی میں چرائیں، تو آپ رضی اللہ عنہ ان کو اللہ کی تقدیر کے مطابق ہی چرائیں گے۔ اور اگر ان کو خشک وادی میں چرائیں تو بھی آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی تقدیر کے مطابق ہی چرائیں گے''۔

اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کسی کام کی وجہ سے وہاں موجود نہ تھے، پھر وہ بھی تشریف لے آئے، تو وہ فرمانے لگے: میرے پاس اس مسئلہ میں علم ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب تم یہ بات سنو کہ ایک سرزمین میں وبا پھوٹ پڑی ہے، تو وہاں ہرگز نہ جاؤ۔ جب کسی سرزمین میں تم موجود ہو، اور وہاں وبا پھوٹ پڑے، تو وہاں سے کبھی بھی نہ بھاگو''۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک سنا، تو اللہ کی حمد وتعریف بیان فرمائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس لوٹ آئے۔

تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں اسی نقطہ کو واضح کیا ہے کہ جو افعال ہم کرتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے اختیار ہی سے کرتے ہیں، لیکن اس اختیار کی وجہ سے قضاء وقدر کے جبر سے خارج نہیں ہو جاتے، وہ رہتے ہیں پھر اسی کے نیچے نیچے۔ لہٰذا اگر میں یہاں سے اپنے اختیار سے بھاگ رہا ہوں، تو کیا ہوا، مجھ کو بھگا بھی قضاء وقدر ہی رہی ہے۔ اگر یہاں رہتا، تو بھی تقدیر کے تحت ہی رہتا۔ اور اب جا رہا ہوں، تو یہ بھی تقدیر ہی کے تحت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان صائب الفکر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کی رائے کی موافقت بسا اوقات خود وحی الٰہی نے بھی فرمائی تھی۔ آج پھر کسی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی رضی اللہ عنہ آنکلا، اور اس سے پھر معلوم ہوا کہ جو رائے اس معاملہ میں ان کی قائم ہو چکی تھی، وہی عین وحی الٰہی کا منشا تھا۔

6 حکم عدولی کے لیے تقدیر کا عذر تراشا روا (جائز) نہیں

حدیث 23:- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي كَرِيمَةَ الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: "أَتَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا نَائِمٌ وَفَاطِمَةُ، وَذٰلِكَ مِنَ السَّحَرِ حَتّٰى قَامَ عَلَى الْبَابِ، فَقَالَ: "أَلَا تُصَلُّونَ؟". فَقُلْتُ مُجِيبًا لَهُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا نُفُوسُنَا بِيَدِ اللهِ، فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا". قَالَ: فَرَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَى الْكَلَامِ، فَسَمِعْتُهُ حِينَ وَلّٰى يَقُولُ: وَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى فَخِذِهِ: "وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا". [الكهف: 54].

(صحیح: مسند أحمد رقم 571، 575، 705، 900؛ بخاری رقم 1127، 4724، 7347، 7465؛ مسلم رقم 206 - 775؛ الادب المفرد رقم 955؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 1313؛ سنن نسائی رقم 1611، 1612؛ مسند ابی یعلی رقم 366؛ ابن خزیمہ رقم 1139، 1140؛ فضائل الصحابة لأحمد رقم 1050، 1186؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 2206 شرح مشکل الآثار رقم 4763؛ ابن حبان رقم 2566؛ التوحید لابن مندة رقم 227؛ المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم. لأبي نعيم رقم 1767؛ حلية الأولياء ج ۱ ص ۶۸، ج ۳ ص ۱۴۳؛ الأسماء والصفات للبيهقي رقم 287؛ السنن الصغير للبيهقي رقم 794؛ السنن الكبرى للبيهقي، رقم 4311)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کو سحری کے وقت تشریف لائے اور فرمایا: ''تم لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے ؟''۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا، اُٹھا دے گا''۔ یہ جواب سُن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیر کر تشریف لے جا رہے تھے، تو میں سُن رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ مبارک اپنی ران پر مار کر یہ آیت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے:

آیت 8:۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (الکہف: ۵۴)

ترجمہ اور انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

تشریح انسان کو جب مختار بنایا گیا ہے اور اسی اختیار پر اس کو احکامِ شرعیہ کا مکلف بھی کیا گیا ہے، تو اب اس اختیار پر تقدیری جبر کا عذر کرنا بے موقع عذر ہونا چاہیے، کیونکہ یہ جبر اپنے احساس میں نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں چونکہ عذر اس لیے نہیں کیا گیا تھا کہ نمازِ تہجد کے لیے اُٹھنے سے کوئی انحراف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، جو امام الاولیاء ہوں، ان کی عبادت وریاضت کا حال کس سے پوشیدہ ہے، لیکن بعض مرتبہ کسی عمل کا ارادہ رکھنے کے باوجود انسانی فطرت اپنی گزشتہ فروگزاشت کا وقتی عذر کر دیتی ہے۔ پوری عقیدت کے ساتھ اگر ناز کا کوئی رشتہ بھی حاصل ہو، تو اس مقام میں ایسی تعبیری آزادی کے لیے کچھ نہ کچھ وسعت بھی نکل آتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے خانگی معاملات میں گفتگو سے اس کا پتہ چلتا ہے، مگر معاملہ چونکہ یہاں نبیِ وقت کے سامنے کا تھا، اس لیے کچھ اغماض اور کچھ تنبیہ ضروری ہوگئی۔ تنبیہ تو اس لیے کہ ہر شخص سے تخاطب اس کے منصب کے مناسب ہوا کرتا ہے اور اغماض اس لیے کہ جو پیرایۂ عذر یہاں اختیار کیا گیا تھا، وہ بہر حال ایک حقیقت کا حامل تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں باتوں کی رعایت فرما کر کوئی معارضہ بھی نہیں فرمایا۔ صرف ایک ادنیٰ بے التفاتی سے یہ ظاہر فرما دیا کہ صحیح بات اگر بے موقع منہ سے نکل جائے، تو بے مزہ رہتی ہے، اور صراحۃً ان کے اس عذر کی تصویب بھی نہیں فرمائی۔ اگر بات صحیح ہو، مگر بے محل واقع ہو جائے تو وہاں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

7 مُصیبت میں تقدیر کا سہارا لینا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے

حدیث 24:۔حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ طَاوُسًا، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ مُوسٰى: "يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُونَا، خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ". فَقَالَ لَهُ آدَمُ: "يَا مُوسٰى! أَنْتَ اصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلَامِهِ - وَقَالَ مَرَّةً: بِرِسَالَتِهِ - وَخَطَّ لَكَ بِيَدِهِ، أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟". قَالَ: "حَجَّ آدَمُ مُوسٰى، حَجَّ آدَمُ مُوسٰى، حَجَّ آدَمُ مُوسٰى".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد رقم 7387، 7588، 7635، 7636، 8158، 9095، 9176، 9792، 9989، 9990؛ موطا مالک رقم 3336 / 676؛ جامع معمر بن راشد رقم 20068؛ الحمیدی رقم 1148؛ بخاری رقم 3409، 4736، 4738، 6614، 7515؛ مسلم رقم 2652-13، 2652-14، 2652-15؛ ترمذی رقم 2134؛ أبو داود رقم 4701، 4702؛ ابن ماجه رقم 80؛ ابن أبي عاصم فی "السنة" رقم 139، 145، 153، 154، 155، 156، 160؛ النسائی فی "الکبری" رقم 10985، 11186، 11187؛ أبو یعلی رقم 6245؛ ابن خزیمة فی "التوحید" 1/120، 123، 126، 127/1؛ ابن حبان رقم 6179، 6180، 6210؛ الآجری فی "الشریعة" رقم 355، 754؛ التوحید لابن مندة رقم 213، 214؛ اللالکائی فی "شرح أصول الاعتقاد" رقم 693، 1030، 1031، 1032، 1034، 1035؛ البیهقی فی "الاعتقاد" ص 138؛ "الأسماء والصفات" رقم 415، 687؛ البیهقی فی "الاعتقاد" ص 138؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 16، 17، 21؛ ابن عبد البر فی "التمهید" 18/11-12؛ البغوی رقم 68، 69؛ أبو نعیم فی "حلیة الأولیاء" 3/356؛ القدر للفریابی رقم 110، 116؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 6922، 11613 (الجامعة الاسلامیہ)؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم 1380، 1383)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت

آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باہم مناظرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے آدم! آپ علیہ السلام ہمارے باپ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے ہم کو یہ نقصان پہنچایا کہ ہمیں جنت سے باہر نکالا''۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے سرفراز کیا اور اپنے ہاتھ سے تورات لکھ کر عنایت فرمائی۔ تو پھر اس بات پر جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے مقدر فرمائی تھی، آپ علیہ السلام کیسے ملامت کرتے ہیں؟''۔ پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی)

حدیث 25: ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيِّ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ أَبِي ذُبَابٍ، عَنْ يَزِيدَ وَهُوَ ابْنُ هُرْمُزَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ قَالَا: سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عِنْدَ رَبِّهِمَا، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى. قَالَ مُوسَى: "أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهِ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ". فَقَالَ آدَمُ: "أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ". قَالَ مُوسَى: "بِأَرْبَعِينَ عَامًا". قَالَ آدَمُ: "فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى". قَالَ: "نَعَمْ". قَالَ: "أَفَتَلُومُنِي عَلَى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟". قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى". (مسلم رقم 15-2652)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین اپنے پروردگار کے سامنے گفتگو ہو

گئی۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''آپ علیہ السلام وہی حضرت آدم علیہ السلام تو ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ مبارک سے پیدا فرمایا۔ پھر آپ علیہ السلام میں اپنی خاص روح پھونکی، آپ علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا، اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں بسایا۔ آپ علیہ السلام نے یہ کیا کیا کہ اپنی ایک خطا کی بدولت اپنی تمام اولاد کو زمین پر نکلوا پھینکا؟''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''اچھا! تم بھی وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہو، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور شرفِ ہمکلامی کے لیے منتخب کیا۔ تورات کی تختیاں عنایت فرمائیں، جس میں ہر ہر بات کی تفصیل موجود تھی۔ پھر تم کو اپنی سرگوشی کے لیے قریب بلایا۔ ذرا بتاؤ تو سہی! اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنے پہلے تورات لکھ دی تھی''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''چالیس سال''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم کو اس میں یہ لکھا ہوا بھی ملا تھا:

آیت 9:۔ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ (طٰهٰ:۱۲۱)

ترجمہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''جی ہاں!''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''پھر بھلا ایسی بات پر مجھے کیا ملامت کرتے ہو، جس کا کرنا اللہ تعالیٰ میری قسمت میں میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ چکا تھا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بس اس بات پر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے''۔

تشریح خلّاقِ عالم نے عالَم کو پیدا فرما کر جہاں عالَم کے جملہ حوادث طے فرما کر لکھ دیئے تھے، اس کے ساتھ ہی نسلِ انسانی کی سبق آموزی کے لیے تقدیر کے ایک واقعہ کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری ہی مشیت تھی کہ زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنائیں۔ اس لیے ہم نے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور ہم نے ہی ان کو درخت کے قریب جانے سے منع کیا، اور پھر ہم نے ہی ان کو اس کی قدرت دے کر اُن سے اس کا ارتکاب بھی کرایا۔ اس کے بعد پھر ہم نے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ سوال کیا: ''اے آدم! کیا ہم نے تم کو اس درخت کے پاس پھٹکنے سے بھی منع نہیں کر

دیا تھا، اور کیا اس سے بھی خبردار نہیں کر دیا تھا کہ دیکھو! شیطان تمہارا بڑا پکا دشمن ہے، اس کے کہے میں نہ آنا۔ پھر تم ان سب باتوں کو فراموش کر کے کیوں درخت کے قریب گئے''۔

اب نسلِ انسانی کو خوب سُن لینا چاہیے کہ اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے جو جواب دیا، وہ صرف گریہ وزاری تھا، اس کے سوا ایک حرف تک منہ سے نہیں نکالا اور کلمات استغفار بھی اس وقت کہنے کی جرأت کی جب کہ پروردگار ہی کی طرف سے ان کا القاء کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی بڑا سبق ہے کہ جو خالق اور مالک ہو، اس سے سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ یہ حق صرف اسی کا ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے باز پرس کرے۔

یہاں ممکن تھا کہ کسی کے دل میں یہ وسوسہ گزر جاتا کہ شاید حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں اس وقت جواب نہ آسکا ہوگا۔ اس لیے عالم غیب میں اس عقدہ کے حل کے لیے بھی ایک محفلِ مکالمہ مرتب فرمائی گئی، اور عالم غیب میں کشفِ اسرار کے لیے یہ بھی ایک طریقہ ہے، اور ''گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' کی صورت سے معاملہ کی حقیقت واضح کر دی گئی۔ یہاں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے مکالمہ کے لیے مشیت الٰہیہ نے ان کی اولاد میں سے ایسے فرزند کو منتخب فرمایا جو فطرتاً تیز مزاج اور ناز پروردہ تھے، تاکہ اُن سے گفتگو کی ابتداء کر سکیں اور ان کے سامنے سوال وجواب کے لیے یہی موضوع رکھ دیا، اور اس ضمن میں یہ واضح کر دیا کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جواب تو تھا اور ایسا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر بھی اس کے جواب سے عاجز ہو گیا، مگر یہاں معاملہ مخلوق کا مخلوق کے سامنے تھا، لیکن جب یہی معاملہ خالق کے سامنے پیش آیا تھا، تو حضرت آدم علیہ السلام ایسے لاجواب تھے کہ گریہ وزاری کے سوا ان کے پاس کوئی اور جواب ہی نہ تھا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ جو سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا ہے، وہ یہ نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام درخت کے پاس کیوں گئے، بلکہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ہم کو اس دار التکلیف میں رہنے کی مصیبت میں

کیوں ڈال دیا؟ مگر چونکہ یہاں آنا درخت کے قریب جانے کے نتیجہ میں ہوا تھا، اس لیے اس کا ذکر بھی ضمناً آ گیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اپنی معصیت کے لیے تقدیر کا عذر کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ نبی علیہ السلام کے لیے، ورنہ تو پھر تمام بساطِ شریعت ہی درہم برہم ہوئی جاتی ہے، اور دنیا اپنے تمام معاصی کے لیے یہی تقدیر کا عذر پیش کر کے اپنا پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کا عذر اپنی معصیت کے لیے نہیں کیا، بلکہ دنیا میں آنے کی جو مصیبت ان کی اولاد کو پیش آ گئی ہے، اس کی تسلی وتشفی کے لیے کیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ مصیبت تمہارے لیے پہلے مقدر ہو چکی تھی، پھر جو بات پہلے سے مقدر ہو چکی تھی، اس کے لیے باعث گو میں ہی ہوا، لیکن اس پر مجھے ملامت کرنا درست نہیں، وہ تو شدنی امر تھا، ہو کر رہتا۔ مصیبت میں تقدیر کا ذکر کرنا رضا بقضاء کی علامت ہے اور گناہ پر تقدیر کی آڑ لینا انتہائی جسارت ہے۔ آج بھی دنیا اس قسم کے مواقع میں تقدیر ہی کا تذکرہ کر کے اپنے دل کی تسلی کا سامان کیا کرتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص تجارت کا ایک شعبہ چھوڑ کر دوسرا شعبہ اختیار کر لے، اور اس میں اس کو کافی نقصان ہو جائے، تو اگر لوگ اس تبدیلی پر اس کو ملامت کریں، تو اُن سے پیچھا چھڑانے اور اپنے نفس کو تسلی دینے کے لیے وہ تقدیر ہی کا پہلو اختیار کرتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ میرے مقدر کی بات تھی، اس لیے نقصان ہونا تھا، ہو گیا۔

حدیث 26: ۔حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا الْحُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: سَرَيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي سَفَرٍ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُلْنَا: "يَا رَسُولَ اللهِ! لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا". فَقَالَ: "إِنِّي أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَمَنْ يُوقِظُنَا لِلصَّلَاةِ؟". فَقَالَ بِلَالٌ: "أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ!". قَالَ: فَعَرَّسَ بِالْقَوْمِ فَاضْطَجَعْنَا وَاسْتَنَدَ بِلَالٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ وَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ: "يَا بِلَالُ! أَيْنَ مَا قُلْتَ لَنَا؟". قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! وَالَّذِي بَعَثَكَ

بِالْحَقِّ مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا". فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ". ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَانْتَشَرُوا لِحَاجَتِهِمْ، وَتَوَضَّئُوا. فَارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى بِهِمُ الْفَجْرَ".

(صحيح على شرط البخاري: مسند أحمد، رقم 22611، 22546، 22575؛ موطا مالک رقم 35/10؛ موطا امام محمد رقم 184؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 4754؛ بخاری رقم 595، 7471؛ مسلم رقم 311-681؛ ابوداؤد رقم 437، 439، 440؛ ترمذی رقم 177؛ النسائی فی "المجتبی" رقم 846؛ النسائی فی "الکبری" رقم 921، 11384؛ مسند الإمام الشافعي (ترتيب سنجر) رقم 152؛ السنن المأثورة للشافعي رقم 74؛ ابن خزيمة رقم 409؛ الطحاوی فی "شرح معانی الآثار" رقم 2334؛ "شرح مشكل الآثار" رقم 3979، 3980؛ ابن حبان رقم 1579؛ ابن حزم فی "المحلی" 21-20/3؛ السنن الصغير للبيهقی رقم 299؛ البيهقی فی "السنن الكبری" رقم 1895، 3171؛ الخلافيات بیہقی رقم 1188؛ البغوی رقم 438)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے ایک شب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی میں سفر کیا۔ ہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کاش! شب میں آرام کی اجازت ہو جائے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ تم صبح کی نماز سے نہ رہ جاؤ۔ تو ہمیں نمازِ صبح کے لیے کون جگائے گا؟''۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں آپ لوگوں کو بیدار کر دوں گا''۔ پھر قوم نے آرام کیا۔ ہم سب لیٹ گئے۔ ادھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری سے کمر لگائی (اور خیال یہ تھا کہ بیٹھا صبحِ صادق کو دیکھتا رہوں گا)۔ وہ بھی اپنی آنکھ کھلی نہ رکھ سکے اور سو گئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے، تو آفتاب کا کنارہ چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بلال! وہ بات جو تم کہتے تھے، کہاں گئی؟''۔ (آخر جس کا مجھے خطرہ تھا، وہ واقع ہو گیا یا نہیں؟)۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اتنی سخت نیند تو مجھے کبھی آئی نہیں، (معذور ہوں، معاف کیجیے)''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب چاہا، تمہاری جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا، اور تم سو گئے، اور جس وقت چاہا، اُن کو چھوڑ دیا، اور تم بیدار ہو گئے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا، تو وہ اپنی

قضائے حاجتوں کے لیے ادھر اُدھر پھیل گئے۔ پھر لوگوں نے وضو کر لیا۔ پھر جب آفتاب اونچا ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔

تشریح نبی علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو کر رہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نماز کے قضاء ہونے کا خطرہ نکلا۔ دیکھو! آخر وہ قضاء ہو کر رہی۔ سورت یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے نکلا تھا:

آیت 10:۔ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ (یوسف: ۱۳)

ترجمہ اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اسے (حضرت یوسف علیہ السلام کو) بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے۔

آخر بھائیوں نے وہی بہانا بنایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے نکلا:

آیت 11:۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ (یوسف: ۳۳)

ترجمہ اے میرے رب! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔

آخر وہ پورا ہوا، اور جیل خانہ بھگتنا پڑا۔ یا یوں کہہ دو کہ بعض مرتبہ جو مقدرات ہوتے ہیں، وہ مقربین کی زبانوں پر کبھی کبھی اپنے وقوع سے قبل غیر اختیاری طور پر آجاتے ہیں۔

اس واقعہ میں غور تو کیجیے: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کس مستعدی سے پہرہ دینے کا ارادہ کیا ہے، یعنی آفتاب کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے ہیں، اور لیٹتے بھی نہیں، مگر کیا اس تدبیر سے قضاء وقدر ٹل گئی ہے، نہیں، وہ آئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں، نیند، وہ بھی آخری شب میں، پھر مسلسل سفر کے بعد، آنکھ نہ کھلنے کا معقول عذر تھا۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں تقدیر کا عذر پیش کیا۔ اس روایت کے اور الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی اس تقصیر سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پریشانی اور خوف کا عجیب عالم تھا۔ لہٰذا اب اس کا موقع آگیا تھا کہ تقدیر ایزدی کا حوالہ دے کر اپنی بے چینی اور اضطراب کو تسلی دیتے۔

یہ وہی الفاظ تو تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی نماز میں تاکید پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں فرمائے تھے۔ مگر وہاں یہ عذر قبل از وقت تھا۔ اگر کوشش کے بعد بھی آنکھ نہ کھلتی، تو بے شک غم و افسوس کی تسکین کے لیے موزوں ہوتے۔ لیکن چونکہ سعی کرنے سے قبل ہی یہ عذر پیش کیا گیا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت کا باعث نہ ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ادھر تقدیر پردۂ غیب میں نافذ ہوا کرتی ہے، اِدھر عالمِ اسباب میں انسان پر ارتکابِ اسباب کی ذمہ داری بھی پوری پوری عائد رہتی ہے، بلکہ اسباب کے ارتکاب کرنے کے بعد بھی تقصیر و کوتاہی کا الزام پھر عائد رہتا ہے۔ اور اس الزام کے جواب میں کسی کو تقدیر کی آڑ لینے کی اجازت نہیں ہے، اور کیوں ہو؟ جب ہم اس عالَم میں اپنے احساس کے مطابق پورے پورے مختار ہیں، تو ہم سے ہمارے اس علم کے مطابق باز پُرس ہونی چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں نزول کی مُصیبت میں مبتلا کرنے کا الزام دیا، تو محض تسلّی کے لیے تقدیر کا نوشتہ یاد دلایا تھا۔ وہاں بھی جو کچھ ہوا، ارادۃً نہیں ہوا۔ اپنی سی کوشش ختم کر لینے کے بعد ہوا، اور یہاں بھی جو کچھ تقصیر ہوئی، وہ پوری جد وجہد ختم کر لینے کے بعد ہوئی، مگر اس کے باوجود سوال حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا، اور یہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی ہوا۔ اگرچہ نتیجہ کے لحاظ سے کچھ تو واقعہ اور متکلم کی نوعیت کے اختلاف سے اختلاف بھی رہا۔

8 قضاء وقدر کے احاطہ سے کوئی شی باہر نہیں ہے

حدیث 27:۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ، فِيمَا قُرِئَ عَلَيْهِ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُونَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، قَالَ: وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ، أَوِ الْكَيْسِ وَالْعَجْزِ"۔

(مسلم رقم 18 - 2655؛ موطا مالک رقم3340 / 679؛ مسند احمد رقم5893؛ خلق أفعال العباد ص ۷۴؛ القدر للفریابی رقم299،302، 303؛ حدیث السراج رقم117؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11646 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 6149؛ الشریعۃ للآجری رقم449؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم1663، 1664؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم1027، 1200؛ مسند الشہاب القضاعی رقم204؛ الاعتقاد بیہقی ص ۱۳۵؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم20882؛ القضاء والقدر بیہقی رقم178، 495؛ شرح السنۃ بغوی رقم73؛ معجم ابن عساکر رقم873)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور نا قابل ہونا اور قابل و ہوشیار ہونا بھی تقدیر سے ہے''۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و نا قابلیت، صلاحیت و عدمِ صلاحیت اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں۔ الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا، اور جس حالت میں ہے، وہ اللہ کی قضا و قدر کے ماتحت ہے۔

ہوشیاری اور عجز: انسان کی دو صفتیں ہیں۔ حدیث بیان کرتی ہے کہ ان کا تعلق بھی تقدیر ہی کے ساتھ ہے۔ پس تقدیر کو صرف جنت و دوزخ تک محدود رکھنا غلط ہے، وہ انسانی حیات کے ہر ہر شعبہ کو حاوی ہے، خواہ وہ اس کے خلقی اوصاف ہوں، یا کسبی اعمال، بلکہ اس عالم سے گزر کر دوسرے عالم میں اس کے اعمال کے جو نتائج ہیں، وہ بھی اس کے وسیع احاطہ میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کاتبِ تقدیر کا قلم قیامت تک کے جملہ احوال کی کتابت کر رہا تھا، تو وہ انسان کے احوال کی کتابت سے کیسے چوک سکتا تھا۔ اس وسعت کے بیان سے مقصد قضاء و قدر کی عظمت کا نقش قائم کرنا ہے۔

حدیث 28:۔حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفَقِيهُ، ثنا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ، ثنا عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ، ثنا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، ثنا أَبُو مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ خَالِقُ كُلِّ صَانِعٍ وَصَنْعَتِهِ"۔

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

[التعليق - من تلخيص الذهبي] - على شرط مسلم

(المستدرک علی الصحیحین، ج۱ ص۸۵ رقم 85، 86)

حدیث 29: - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ كُرْدِيٍّ، وَأَحْمَدُ بْنُ أَبَانَ الْقُرَشِيُّ، قَالَا: أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مَالِكٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَلَقَ اللهُ كُلَّ صَانِعٍ، وَصَنْعَتَهُ".

(مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، ج۷ ص۲۵۸، ۲۵۹ رقم 2837؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْكُرْدِيِّ وَهُوَ ثِقَةٌ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج۷ ص۱۹۷ رقم 11832)

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: فَأَمَّا أَفْعَالُ الْعِبَادِ فَقَدْ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مَالِكٍ عَنْ رِبْعِي بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ يَصْنَعُ كُلَّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَهُ". وَتَلَا بَعْضُهُمْ عِنْدَ ذَلِكَ: {وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ} [الصافات: 96]، فَأَخْبَرَ أَنَّ الصِّنَاعَاتِ وَأَهْلَهَا مَخْلُوقَةٌ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "إِنَّ اللهَ خَلَقَ كُلَّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَهُ، إِنَّ اللهَ خَلَقَ صَانِعَ الْخَزَمِ وَصَنْعَتَهُ. رَوَاهُ وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ

(صحيح: خلق أفعال العباد للبخاری، ص۴۶؛ ابن أبي عاصم فی "السنة" رقم 357، 358؛ البزار (كشف: 2160)؛ المحاملی فی "أماليه" رقم 325؛ ابن عدی 6/ 2046؛ القطيعی فی "جزء الألف دينار" رقم 217؛ ابن منده فی "التوحيد" رقم 115؛ مستدرک حاکم رقم 85، 86؛ اللالكائی فی "شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة" رقم 942، 943؛ ابن بشران رقم 1243؛ البيهقی فی "الشعب" رقم 187؛ "الاعتقاد" للبيهقی ص 144؛ "الأسماء والصفات" رقم 570، 825؛ "القضاء والقدر" بيهقی رقم 131، 132، 133، 134؛ الخطيب فی "التاريخ" 2/ 31؛ أبو القاسم الأصبهانی فی "الحجة" 2/ 288؛ الذهبی فی "تذكرة الحفاظ" 1/ 272؛ حَدِيثٌ صَحِيحٌ: فتح الباری ج۱۳ ص ۴۹۸، ۵۳۰؛

إسناده صحيح رواته ثقات:أنِيسُ السَّارى فى تخريج وَتحقيق الأحاديث التى ذكرها الحَافظ ابن حجر العسقلانى فى فَتح البَارى. ج٣ص١٧٠٦، ١٧٠٧رقم 1225؛ سلسلة الأحاديث الصحيحة.رقم1637)

(الخزم) بالتحريك شجر يتخذ من لحائه الحبال.

ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جتنے کاریگر ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، اور جو ان کے کام ہیں، ان کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے''۔

تشریح عقلاء کو افعالِ عباد میں بحث ہے، یعنی یہ کہ بندہ تو ضرور مخلوق ہوا، لیکن آگے چل کر جو ان کے افعال ہوتے ہیں، کیا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مخلوق ہوتے ہیں، یا وہ بندوں کے اپنے اختیار کے اثرات ہیں۔ اس بارے میں یہ حدیث بہت صریح ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی طرح اس کے افعال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اب ذرا انسان اپنی ہستی اور اس کی بیچارگی پر غور کرے کہ اس کی حقیقت ہے کیا؟ اور وہ اس کو سمجھتا کیا ہے؟!!

حدیث 30:- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَمَّنْ لَقِيَ الْوَفْدَ، وَذَكَرَ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ....وَقَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: "إِنَّ فِيكَ خَلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاةُ".

(صحيح على شرط مسلم:مسند أحمد رقم11175؛مسلم رقم26-18،27-18؛ابن حبان رقم4541؛ابن منده فى "الإيمان" رقم155؛البيهقى فى "الدلائل" 5/325-326؛ الخطيب فى "الأسماء المبهمة" ص442-443؛البخارى فى "الأدب المفرد" رقم585؛ ابن ماجه رقم 4187؛البيهقى فى "السنن" رقم20273؛الآداب للبيهقى رقم137؛ الأسماء والصفات للبيهقى رقم1045)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت أَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ رضی اللہ عنہ (حضرت المنذر بن عائذ رضی اللہ عنہ، جو اپنے قبیلہ اور وفد کے سردار تھے)

سے فرمایا: ''تم میں دو عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں: ایک برداشت، دوم: بردباری۔

حدیث 31:۔حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، قَالَ: زَعَمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: قَالَ أَشَجُّ بني عَصَرٍ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ فِيكَ خَلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ". قُلْتُ: "مَا هُمَا؟". قَالَ: "الْحِلْمُ، وَالْحَيَاءُ". قُلْتُ: "أَقَدِيمًا كَانَ فِيَّ أَمْ حَدِيثًا؟". قَالَ: "بَلْ قَدِيمًا". قُلْتُ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَبَلَنِي عَلَى خَلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا".

(صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه الأشج: واسمه المنذر بن عائذ بن المنذر العَصَري: مسند أحمد رقم 17828؛ ابن سعد 5/558؛ مصنف ابن أبي شيبة رقم 25342، 32501؛ البخاري في "خلق أفعال العباد" رقم 196، 197، 198؛ النسائي في المناقب من "الكبرى" رقم 8306؛ والنسائي في "فضائل الصحابة" رقم 201؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 190؛ ابن قانع في "معجم الصحابة" 103/3؛ البخاري في "الأدب المفرد" رقم 584؛ ابن شبة في "تاريخ المدينة" 589/2؛ أبو يعلى رقم 6848، 6849؛ أبو نعيم في "معرفة الصحابة" 3/19-20؛ ابن الأثير في "أسد الغابة" 117/1؛ ابن حبان رقم 7203؛ ابوداؤد رقم 5225؛ مكارم الأخلاق للخرائطي رقم 315؛ ابن الأثير 117/1)

ترجمہ: حضرت أَشَجُّ عَبْدُ الْقَيْسِ رضی اللہ عنہ (حضرت المنذر بن عائذ رضی اللہ عنہ، جو اپنے قبیلہ اور وفد کے سردار تھے) فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں دو عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں''۔ میں نے عرض کیا: ''وہ کیا ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک بردباری، دوم: حیا''۔ میں نے دریافت کیا: ''یہ خصلتیں مجھ میں قدیم (پیدائشی طور پر رکھی گئی) ہیں، یا جدید (میری حاصل کردہ) ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قدیم (پیدائشی) ہیں''۔ یہ سن کر میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھ میں دو عادتیں ایسی پیدا فرمادیں، جن کو وہ پسند فرماتا ہے''۔

حدیث 32:۔حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ،

سَمِعْتُ هِنْدَ بِنْتَ الْوَزَّاعِ أَنَّهَا سَمِعَتْ الْوَزَّاعَ يَقُولُ: "أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَالْأَشَجُّ الْمُنْذِرُ بْنُ عَامِرٍ، أَوْ عَامِرُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ... فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَشَجُّ! إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ وَرَسُولُهُ: الْحِلْمَ وَالْأَنَاةَ"۔ فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا تَخَلَّقْتُهُمَا، أَوْ جَبَلَنِي اللهُ عَلَيْهِمَا؟"۔ قَالَ: "بَلِ اللهُ جَبَلَكَ عَلَيْهِمَا". قَالَ: "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَبَلَنِي عَلَى خُلُقَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ وَرَسُولُهُ".

(مسند أحمد، ج٣٩ ص٤٩٠ رقم/ 54: مُسْنَدُ الْوَزَّاعِ بْنِ الزُّرَّاعِ الْعَبْدِيِّ؛ ابن قانع فی "معجم الصحابة" 241/1؛ البخاری فی "الأدب المفرد" رقم975؛ "خلق أفعال العباد" ص 60؛ "التاریخ الکبیر" 447/3؛ الخطیب فی "الأسماء المبهمة" ص 445-443؛ ابو داؤد رقم5225؛ الطبرانی فی "الکبیر" رقم5314،5313؛ "معجم الأوسط" رقم420؛ البیهقی فی "السنن الکبیر" رقم13718 (الناشر: مرکز هجر للبحوث)؛ فی "دلائل النبوة" 327/5-328؛ المزی فی ترجمة الزارع من "التهذیب" 266/9-267؛ البزار رقم(2746- کشف الأستار)؛ أبو القاسم البغوی فی "معجم الصحابة" کما فی "الإصابة" 129/6-130؛ الآحاد والمثانی، لابن أبی عاصم رقم 1684، رقم1690: عن مَزِيدَةَ الْعَبْدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ؛ معجم اوسط رقم418؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 13587؛ شعب الایمان رقم8560؛)

ترجمہ: حضرت الْوَزَّاعُ بْنُ الزُّرَّاعِ الْعَبْدِيُّ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور حضرت الْأَشَجُّ الْمُنْذِرُ بْنُ عَامِرٍ (حضرت أَشَجُّ عَبْدِ الْقَيْسِ رضی اللہ عنہ: حضرت المنذر بن عائذ رضی اللہ عنہ، جو اپنے قبیلہ اور وفد کے سردار تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (وفد کے ہمراہ) حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اشج! تم میں دو عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں: ایک برداشت، دوم: بردباری''۔ انھوں نے دریافت کیا: ''یہ خصلتیں میری حاصل کردہ ہیں، یا مجھ میں پیدائشی طور پر رکھی گئی ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پیدائشی ہیں''۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھ میں دو عادتیں ایسی پیدا فرما دیں،

جن کو وہ پسند فرماتا ہے''۔

حدیث33:۔حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح وحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَا جَمِيعًا: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.... قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَشَجِّ أَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: "إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاةُ"۔

(مسلم رقم25 -17؛ابن ماجہ رقم4188؛ترمذی رقم2011؛ابن حبان رقم7204؛مكارم الأخلاق. للخرائطي. رقم680؛معجم اوسط طبرانی رقم2374، 5256؛معجم صغیر طبرانی رقم792؛معجم کبیر طبرانی رقم12969؛فوائد تمام رقم1359؛المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم. لأبي نعيم. رقم106؛شعب الایمان رقم7333)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت أَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ رضی اللہ عنہ (حضرت المنذر بن عائذ رضی اللہ عنہ، جو اپنے قبیلہ اور وفد کے سردار تھے) سے فرمایا: ''تم میں دو عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں: ایک برداشت، دوم: بردباری۔ انھوں نے دریافت کیا: ''یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی طور پر رکھی گئی ہیں، یا میری حاصل کردہ ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پیدائشی ہیں''۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھ میں دو عادتیں ایسی پیدا فرمادیں، جن کو وہ پسند فرماتا ہے''۔

تشریح جس طرح انسان کے لیے صفت کیس اور عجز مقدر ہوتی ہے، اسی طرح حلم اور بردباری جیسی صفات بھی مقدر شدہ ہیں۔ حلم غضب کے مقابل صفت کا نام ہے اور بردباری عُجلت کے مقابل صفت کا۔ یہ صفتیں اگر کسب سے حاصل ہوں، تو وہ بھی تقدیر کے احاطہ سے خارج نہیں ہوں گی، مگر اس وقت تقدیر میں لکھا ہوا بھی یونہی ہو گا کہ یہ شخص اس صفت کے حاصل کرنے میں سعی کرے گا، اور اس طرح حق تعالیٰ اس کو کسی حد تک ان کا کوئی حصہ عطا فرمادے گا، اگرچہ کسبی صفات پیدائشی صفات کے مرتبہ کو نہ پہنچیں، مگر ایک کمال بہر حال کمال ہی رہتا ہے۔ اَشج عبدالقیس نے اسی فرق

کے لحاظ سے یہ سوال کیا تھا کہ یہ صفتیں مجھ میں پیدائشی ہیں، یا کسبی ہیں؟ اور اسی لیے جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ پیدائشی ہیں، تو زیادہ مسرت ہوئی۔

حدیث34:۔حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْكِرْمَانِيُّ حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّتَاهُ، حَدِّثِينِي شَيْئًا سَمِعْتِيهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الطَّيْرُ تَجْرِي بِقَدَرٍ"، وَكَانَ يُعْجِبُهُ الْفَأْلُ الْحَسَنُ.

(صحيح لغيره:مسند أحمد، رقم24982؛الحارث في "مسنده" رقم748 (زوائد)، الطحاوي في "شرح مشكل الآثار" رقم1845؛قَدِ احْتَجَّ الشَّيْخَانِ بِرُوَاةِ هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ آخِرِهِمْ، غَيْرَ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُمَا لَمْ يُهْمِلَاهُ بِجَرْحٍ وَلَا بِضَعْفٍ بَلْ لِقِلَّةِ حَدِيثِهِ فَإِنَّهُ عَزِيزُ الْحَدِيثِ جِدًّا۔ وقال الذهبي: لم يخرجا ليوسف وهو عزيز الحديث:مستدرک حاکم رقم89؛ابن أبي عاصم في "السنة" رقم254؛البزار رقم2161 (زوائد)؛ابن حبان رقم5824؛أبو الشيخ في "أخلاق النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ص251؛الإسماعيلي في "معجمه" رقم111؛ السهمي في "تاريخ جرجان" رقم673؛ابن عدي في "الكامل" 2 / 783؛ القضاء والقدر، للبيهقي، رقم244؛رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَقَالَ: لَا يُرْوَىٰ إِلَّا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ: مجمع الزوائد رقم11902؛ صحيح الجامع رقم3959؛الصحيحة: رقم860)

ترجمہ حضرت ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: ''اے مادرِ محترم! آج تو مجھے آپ رضی اللہ عنہا کوئی ایسی حدیث سنا دیجیے جو آپ رضی اللہ عنہا نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو''۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''یہ جو پرندہ اُڑ کر جاتا ہے، یہ تو تقدیر کے موافق اڑ کر جاتا ہے (لیکن اس سے فال بد لینا جو عرب کا طریق ہے، یہ بات بے اصل ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا)، ہاں! نیک فال

لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے"۔

تشریح اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ پرندہ کی پرواز بھی کیا کوئی شے ہے مگر قضاء وقدر کے احاطہ میں یہ معمولی سی بات بھی آچکی ہے، آگے اس کو نحوست یا برکت کا باعث سمجھنا، یہ عرب کی اپنی وہم پرستی ہے، اور بے اصل بات ہے۔ جس فال کے متعلق یہاں ذکر آیا ہے، یہ بھی زمانۂ جاہلیت کی فال نہیں، بلکہ اُس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں صرف اتنی ہے کہ اگر کسی پیش آمدہ معاملہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی اچھا نام آجاتا، تو اس کو سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جاتے تھے۔ گویا اس کو اُس معاملہ کی حسبِ دلخواہ طے ہو جانے کی ایک بشارت تصور فرماتے تھے، یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ مریض عیادت کرنے والوں سے اپنی شفا کے کلمات سُن کر خوش ہو جاتا ہے، اور اُس کو نیک فال تصور کرتا ہے، حالانکہ اُن کے کہہ دینے سے کہیں شفا ہوتی ہے، جو مقدر ہو چکا ہے، ہوتا تو وہی ہے، مگر ان کلمات سے مریض کا دل ضرور خوش ہو جاتا ہے۔ اچھا نام سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُسرت بھی اسی نوع کی ایک چیز تھی۔

حدیث 35:۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي قَسَامَةُ بْنُ زُهَيْرٍ، قَالَ: ابْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ قَسَامَةَ بْنِ زُهَيْرٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ. جَاءَ مِنْهُمُ الْأَبْيَضُ وَالْأَحْمَرُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ، وَالْخَبِيثُ، وَالطَّيِّبُ وَالسَّهْلُ، وَالْحَزْنُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ"۔

(صحیح: مسند أحمد، رقم 19582، 19642؛ ترمذی رقم 2955؛ ابوداؤد رقم 4693؛ الطبری فی "التفسیر" رقم 645؛ "تاریخ طبری" 91/1؛ ابن خزیمة فی "التوحید" ص 64؛ أبو الشیخ فی "العظمة" رقم 1017؛ ابن خزیمة فی "التوحید" ص 152،151؛ ابن حبان رقم 6160، 6181؛ أبو الشیخ فی "العظمة" رقم ج ۵ ص ۱۵۴۴، ۱۵۴۵؛ عبد الرزاق فی "التفسیر" 43/1؛ قال الحاکم: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. ووافقه الذهبی: مستدرک حاکم رقم 3037؛ أبو نعیم فی "الحلیة" 135/8؛ البیهقی فی "السنن

الکبریٰ رقم 17707، 17708؛ الأسماء والصفات رقم 715،815؛ مسند عبد بن حمید رقم 549؛ مسند بزار رقم 3026؛ مسند الرؤیانی رقم 547؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم 1330؛ صحیح الجامع: رقم 1516؛ الصحیحة: رقم 1580، 1630؛ مشکوٰۃ رقم 100)

ترجمہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی زمین میں سے ایک مُٹھی بھری۔ پھر اُس مُٹھی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے ان کی اولاد بھی زمین کے رنگوں کی طرح مختلف رنگوں میں پیدا ہوئی۔ کوئی سرخ، کوئی گورا، کوئی کالا، اور کوئی درمیانی۔ اسی طرح کوئی نرم خو، تو کوئی تُند خو، کوئی خبیث طبیعت، تو کوئی شریف طبیعت، اور کوئی درمیانی''۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے رنگوں کا معمولی سا اختلاف بھی قدرت کا پیدا کردہ ہے۔ زمین کے مختلف رنگ بھی قدرت نے بنائے۔ پھر جو مخلوق اُن سے مرکب کی، اس کے رنگ بھی مختلف ہوئے، مگر یہ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے مادہ کا اقتضا تھا، بلکہ یہ بھی براہِ راست قدرت ہی کا فیض ہے۔ فطرت پرست تو دو چیزوں کے مابین صرف ظاہری تناسب دیکھ کر ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے فارغ ہو جاتا ہے، مگر قدرت کا قائل صرف اس حد پر جا کر نہیں ٹھہر نہیں جاتا۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ قدرت کے وسیع احاطہ میں کالے سے سفید، اور سفید سے کالا بنانا بھی ہے، لیکن اکثر اس تناسب کا نقض پسند نہیں کرتی، اور اس عالم کی زیبائش قائم رکھنے کے لیے کالے سے کالا بنانا، اور گورے سے گورا ہی بناتی رہتی ہے۔ پس مواد میں جو خواص ہیں، وہ بھی قدرت نے رکھے ہیں، اور اُن کے مناسب جو آثار ان سے رُونما ہوتے ہیں، وہ بھی اُسی نے پیدا فرمائے ہیں، اور اس کے بعد اُن آثار کا ترتب بھی قدرت ہی کے تحت رہتا ہے، اور یہ کچھ اسی ایک جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دائرۂ مخلوقات میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ ہے کہ جو خواص اُس نے مادہ میں رکھے ہیں، وہ ان کے مناسب ہی ان پر آثار مرتب فرماتی رہتی ہے، اور اس صورت میں ایک طرف قدرت کا کمال، دوسری طرف عالم کی مرتب زیبائش، دونوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

حدیث 36:۔حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا رَبَاحٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّ أُمَّ مُبَشِّرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجَعِهِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ، فَقَالَتْ: "بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ! مَا تَتَّهِمُ بِنَفْسِكَ؟ فَإِنِّي لَا أَتَّهِمُ إِلَّا الطَّعَامَ الَّذِي أَكَلَ مَعَكَ بِخَيْبَرَ". وَكَانَ ابْنُهَا مَاتَ قَبْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَأَنَا لَا أَتَّهِمُ غَيْرَهُ، هٰذَا أَوَانُ قَطْعِ أَبْهَرِيَّ".

(صحیح: مسند أحمد، رقم 23933؛ جامع معمر بن راشد رقم 19815؛ ابوداؤد رقم 4513، 4514؛ هٰذَا صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الذهبی أيضاً: على شرط البخاری ومسلم: المستدرك على الصحيحين، رقم 4966)

ترجمہ حضرت اُمّ مبشر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مرض الوفات کے زمانہ میں حاضر ہوئی۔ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! کس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری میں اتنی شدید تکلیف ہے؟ میرے خیال میں یہ تکلیف اسی زہر آلود بکری کے گوشت کی وجہ سے ہے، جس کی وجہ سے میرا بیٹا بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ فوت ہو گیا تھا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں بھی اس کے سوا اس کا کوئی اور ظاہری سبب نہیں سمجھتا۔ اس وقت تو میری رگِ جان کٹتی ہی معلوم ہو رہی ہے''۔

حدیث 37:۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ دِينَارٍ الْحِمْصِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْعَنْسِيُّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، وَمُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ الْمِصْرِيَّيْنِ قَالَا: حَدَّثَنَا نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! لَا يَزَالُ يُصِيبُكَ فِي كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُومَةِ الَّتِي أَكَلْتَ". قَالَ: "مَا أَصَابَنِي شَيْءٌ مِنْهَا، إِلَّا وَهُوَ مَكْتُوبٌ عَلَيَّ وَآدَمُ فِي طِينَتِهِ".

(سنن ابن ماجه، رقم 3546؛ اللالكائی فی "اعتقاد أهل السنة" (1098)؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1360؛ القدر للفریابی رقم 419؛ مسند الشامیین طبرانی رقم 1507؛ هٰذَا

إِسْنَادُ فِيهِ أَبُو بكر الْعَنسِي وَهُوَ ضَعِيف:مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه
البوصيری:ج ۴ ص ۹۷ رقم 7321؛ مشکوٰۃ رقم 124؛ الضعیفۃ: رقم 4422)

ترجمہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! خیبر کے یہود نے زہر آلود بکری کا جو گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا دیا تھا (میں دیکھتی ہوں کہ) اس کی تکلیف ہر سال ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی وجہ سے جو تکلیف بھی مجھ کو اب ہوتی ہے، وہ میرے مقدر میں اس وقت لکھی جا چکی تھی، جب کہ حضرت آدم علیہ السلام گارے کی شکل میں تھے (یعنی ان کا پُتلا بھی تیار نہ ہوا تھا)۔

تشریح یہ حدیث عقائدِ شرعیہ کو حقائق بنا کر ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ ہر ہر موقع پر تقدیر کی یاد دہانی اس کے استحضار کا مُوجب ہوتی ہے اور بار بار استحضار سے انسان کو ایک فطری سا یقین میسر آجاتا ہے۔ عالمِ غیب پر یقین کرنے کا راستہ بس ایک یہی ہے۔ وہ دلائل کی رسائی سے بہت بلند عالم ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا احسان ہے کہ وہ اُس سے خبردار کرتے ہیں۔ پھر اتنا ہی نہیں، بلکہ زندگی کے ہر ہر چھوٹے شعبوں میں قدم قدم پر اس کو استعمال کر کے یقینی بھی بنا دیتے ہیں۔ اب دیکھیے! حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا احساس کر کے محض ایک کلمۂ محبت کہا تھا، جیسا کہ محبت میں ہر محبت بھرا شخص کہہ دیا کرتا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اُن کو ایک ایسی حقیقت کی طرف متوجہ فرمادیا جس کے بعد یہ اثر تو ہلکا ہو گیا، اور اُس سے کہیں بڑھ کر دوسرا اثر پیدا ہو گیا، اور وہ قضاء و قدر پر اعتقاد جازم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شانِ تعلیم دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے:

؎ جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

ترجمہ اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے کہ تُو نے میری آنکھوں کو کھول دیا، مجھے میرے محبوب کا ہمراز بنا دیا۔

جب علومِ شرعیہ مشاہدہ کی کیفیت میں بدلنا شروع ہو جائیں، تو بشارت ہونی چاہیے کہ اب احسان کا میدان شروع ہو گیا ہے۔ یہ وہی احسان ہے جس کا ذکر سوال و جواب

حدیثِ جبرائیل علیہ السلام میں ہے۔

حدیث38:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَقَبَةَ بْنِ مَسْقَلَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الْغُلَامَ الَّذِي قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ كَافِرًا، وَلَوْ عَاشَ لَأَرْهَقَ أَبَوَيْهِ طُغْيَانًا وَكُفْرًا"۔

(مسلم رقم:29-2661؛ مسند احمد رقم 21121، 21122؛ ابوداؤد رقم 4705، 4706؛ ترمذی رقم 3150؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11670، 11672 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ "شرح مشكل الآثار" رقم 3125؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 194، 195؛ اللالكائي في "شرح أصول اعتقاد أهل السنة" رقم 1074، 1075؛ الشاشي رقم 1412، 1413؛ ابن حبان رقم 6221؛ الخطيب البغدادي 49/9؛ الواحدي في "الوسيط" 161/3؛ البغوي في "معالم التنزيل" 174/3؛ الطيالسي رقم 538؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 92، 642؛ مشکوٰۃ رقم 5711)

ترجمہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ لڑکا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا، وہ جب شکمِ مادر میں جما تھا، اس کی تقدیر میں کافر ہی لکھا گیا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا، تو اپنے والدین کو سرکشی اور کفر میں ڈال دیتا''۔

تشریح شقاوت وسعادت شکمِ مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہے، اور اس کتابت کے تحت وہ مولود ایسا مسخر ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر وہی افعال کرتا ہے جو اُس کتابت کے مطابق ہوتے ہیں، گو کرتا ہے اپنے اختیار ہی سے۔ تقدیر کا سارا جغرافیہ کیسے بتایا جا سکتا ہے، اور اگر بتا دیا جائے تو کون اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ دیکھئے! یہاں والدین مسلمان ہیں، ادھر تقدیر بچہ میں ایسی استعداد ودیعت فرما چکی ہے کہ بڑے ہو کر اُس سے کفر ہی کے افعال سرزد ہوں۔ ادھر مقصد یہ ہے کہ والدین اس کی محبت میں آ کر کافر نہ ہو جائیں۔ تو ان دونوں مقدرات میں جوڑیوں لگایا جاتا ہے کہ اس نوبت سے قبل ہی بچہ کو ان سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر بڑا ظلم ہوا، کیسا خوش رُو بچہ، اور کس طرح موت کے زبردست ہاتھوں نے اُن سے چھین لیا، مگر تقدیر یہ کہتی

ہے کہ بہت بہتر ہوا، کیونکہ اگر اس کی حیات مقدر ہو جاتی، تو اُس کے ساتھ ساتھ اُن کا کفر بھی مقدر ہو جاتا۔ بچہ کی حیات سے یہ زندگی تو بہت پُر لطف گزرتی، مگر آخرت کی زندگی برباد ہو جاتی۔ اب اگر یہ راز یہیں کھول دیا جاتا ہے، تو بتایئے کہ اس بچہ کی وفات پر والدین کے صبر میں کیا بات رہ جاتی؟ تقدیر کے اخفاء کے ساتھ جب وہ صبر کرتے ہیں، تو پروردگار کی طرف سے اُن کو رضا بقضاء کا تمغہ مل جاتا ہے، حالانکہ ان کا صبر بھی قضائے الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے، مگر عالمِ اسباب میں یہ تمام باتیں مستور رہتی ہیں۔ ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے کہ ایک شخص کے بچے کا انتقال ہوتا ہے، اور وہ محض اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد کرکے صبر کر لیتا ہے۔ بس اس عالمِ ظاہر کے اختیار ہی پر یہ جزاء وسزا مرتب ہو جاتی ہے۔ اگر عالمِ غیب ظاہر ہو جائے، تو جزاء وسزا کے لیے اس دُنیا کو اتنی تفصیل کے ساتھ بچھانے کی ضرورت نہ تھی۔

اور دیکھیے! حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرزندِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں استعداد تو وہ رکھی جاتی ہے کہ اگر عمر پائیں، تو نبوت سے سرفراز ہوں، اُدھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختمِ نبوت کا تاج پہنایا جا چکا ہے، اب اگر ان کو حیات بخشی ہے، تو اس استعداد کے ماتحت اِن کا نبی ہونا مناسب ہوتا۔ اگر یہ استعداد نہ رکھی جاتی، تو قدرت کو یہ گوارا نہ ہوتا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ایسی ہو، جس میں منصبِ نبوت کی استعداد بھی نہ ہو۔ اس لیے ان دونوں باتوں میں ربط یوں قائم کیا جاتا ہے کہ اُن میں تو نبوت کی استعداد رکھ دی گئی، اور اِس کے ساتھ ہی وہ عمر مقدر نہ فرمائی، جس میں نبوت ملا کرتی ہے تاکہ خاتم النبیین کے بعد دوسرا نبی پیدا نہ ہو، خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہی کیوں نہ ہو، اور اس طرح ختمِ نبوت کا کمال اپنی جگہ، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی استعداد کی بلندی اپنی جگہ درخشاں رہے۔ اتفاق سے اس معاملہ میں بھی اس حکمت کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ احادیث میں ہے:

حدیث 39: ۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ السُّدِّيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: "لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا". (حسن: مسند احمد، رقم 12358)

حدیث40:۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ شَبِيبٍ الْبَاهِلِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ، وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا، وَلَوْ عَاشَ لَعَتَقَتْ أَخْوَالُهُ الْقِبْطُ، وَمَا اسْتُرِقَّ قِبْطِيٌّ"۔ (سنن ابن ماجہ رقم 1511)

حدیث41:۔حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: "رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟"۔ قَالَ: "مَاتَ صَغِيرًا، وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ"۔ (بخاری رقم 6194)

ان احادیث میں صاف موجود ہے کہ اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔اسی لیے جب آیت خاتم النبیین میں قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی نفی کی، تو اس کو مردوں کے ساتھ مقید کر دیا، ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختری اور پسری دونوں اولادیں تھیں، لیکن پسری اولاد سنِ بلوغت کو کوئی نہیں پہنچی۔

9 کائنات کا ذرّہ ذرّہ قضاء وقدر کے فولادی شکنجہ میں کسا ہوا ہے

حدیث42:۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا، أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ، وَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ النُّطْقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ"۔

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد رقم 7719، 8215، 8356، 8526، 8539،

8598،8843،8932،9331،9563،10829،10911،10920؛ بخاری رقم6243، 6612؛ مسلم رقم20-2657، 21-2657؛ ابوداؤد رقم2152،2153،2154؛ ابن خزیمہ رقم 30؛ ابن حبان رقم4419، 4420، 4421، 4422، 4423؛ القضاء والقدر بیہقی رقم215؛ مسند إسحاق بن راھویہ رقم248؛ مسند بزار رقم9341؛ سنن کبریٰ نسائی رقم11480؛ مسند ابی یعلی رقم6425؛ مستخرج ابی عوانہ رقم11651 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ صحیفۃ ھمام بن منبہ رقم102؛ مصنف عبد الرزاق رقم13680؛ مُتَّفق عَلَیْہ؛ مشکوٰۃ رقم86 : الصحیحۃ: رقم 2804؛ البیہقی فی "السنن الکبریٰ" رقم11480؛ شعب الایمان رقم5427؛ البغوی فی "شرح السنۃ" رقم75؛ بغوی فی "التفسیر" 252/4؛ الطبری فی "تفسیرہ" 65/27)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آیت:

آیت12 :- اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ (النجم:۳۲)

ترجمہ جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں، مگر یہ کہ یہ کچھ قصور اِن سے سرزد ہو جائے۔

کی تفسیر میں اُن باتوں سے زیادہ مناسب مجھے کوئی اور بات معلوم نہیں ہوسکی، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا ہے، وہ اس کو ضرور مل کر رہے گا۔ پس آنکھ کا زنا تو غیر محرم کو دیکھنا ہے، زبان کا زنا اس قسم کی بات چیت کرنا، نفس کا کام اُس کی خواہش اور تمنا کرنا ہے، پھر آخر میں شرم گاہ اس کی تصدیق کر دیتا ہے، یا تکذیب کر دیتا ہے"۔

تشریح اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قدرت نے انسان میں قوتِ شہوانیہ اور عورتوں کی طرف رغبت خلقۃً (پیدائشی طور پر) رکھی ہے۔ اس میں ہاتھ، آنکھیں، زبان اور نفس بھی پیدا فرما دیئے ہیں جو اس کی لذت کا مرتبہ بہ مرتبہ ادراک کرتے ہیں، اگرچہ اس فعل کی حقیقت انسانی شرم گاہ کے ساتھ تمام ہوتی ہے، مگر شریعت میں مقدماتِ زنا کو بھی ایک مرتبہ کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا بدنظری سے غیر محرم کو دیکھنے والا یہ نہ سمجھے کہ اُس نے کسی ممنوع اَمر کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اُس نے آنکھوں کا زنا

کرلیا، اسی طرح غیر محرم کو ہاتھ لگانے والا بھی یہ نہ سمجھے کہ اُس نے کوئی بُری حرکت نہیں کی، بلکہ اس کو یقین کرنا چاہیے کہ اُس کے ہاتھوں نے زنا کرلیا، اُن کا زنا یہی ہے کہ انھوں نے غیر محرم کو چھولیا۔ مگر چونکہ یہ اقتضاء انسان میں قدرت نے رکھ دیا ہے، اس لیے اگر انسان کسی غفلت کے موقع پر ان مقدمات میں مبتلا ہوجائے، اور پھر اللہ کے خوف سے اس فعل کی تکمیل سے باز رہے، تو اسے پروردگارِ عالم کی رحمت سے امیدوار رہنا چاہیے کہ جو ناجائز حرکات اُس سے سرزد ہوچکیں، وہ ''لَمَمْ'' یعنی صغائر میں شمار ہوں گی، اور ان کی مغفرت ہوجائے گی۔

تقدیر کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس میں صرف حسنات اور سیئات ہی نہیں، اُن کے مقدمات بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے کہ جب اُس نے زنا نہیں کیا، تو شاید اس سے قبل جو حرکات اس سے سرزد ہوگئیں، وہ نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔ اس لیے شاید وہ محاسبۂ تقدیر میں داخل نہ ہوں، مگر اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ بھی مقدرات میں شامل ہیں۔ پھر تقدیر کی گرفت بھی کتنی زبردست ہے کہ جو حصۂ زنا اس کے لیے مقدر ہوچکا ہے، اس کا ارتکاب کیے بغیر بھی اس کو چارۂ کار نہیں۔ تعجب ہے کہ جبر تو اتنا، پھر جو کچھ آگے ظہور پذیر ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے اپنے ہی اختیار سے۔

فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَلَا بُدَّ لِلْإِنْسَانِ مِنْ مُقَدِّمَاتِ الْكَبِيرَةِ وَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ يَقَعُ فِي الْكَبِيرَةِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّوْبَةِ وَيُؤْمَرُونَ أَنْ لَا يُصِرُّوا عَلَى صَغِيرَةٍ فَإِنَّهُ لَا صَغِيرَةَ مَعَ إِصْرَارٍ وَلَا كَبِيرَةَ مَعَ اسْتِغْفَارٍ. (مجموع الفتاوی ج۱۷ص۳۰)

یعنی بشر آخر بشر ہے، کبیرہ گناہ سے اگر بچ رہے، تو بچ رہے، مگر اس کے مقدمات ومبادی سے بچنا مشکل ہے۔ کبھی نہ کبھی نظر اُٹھ ہی جاتی ہے۔ اس سے ترقی کرکے کبھی اور اعضاء بھی اس میں ملوث ہو ہی جاتے ہیں۔ پھر کوئی بدنصیب آخر کبیرہ گناہ میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔ اب جو کبیرہ سے بچ نکلا، اس کو حکم یہ ہے کہ آئندہ یہ حرکت نہ کرے اور جو پھنس گیا، اس کو حکم یہ ہے کہ فوراً توبہ کرے۔ پس اس طرح اگر صغائر پر اصرار نہ

ہو، اور کبائر پر ہمیشہ توبہ ہوتی رہے، تو اُس کو سُن لینا چاہیے کہ نہ صغائر صغائر رہتے ہیں، اور نہ کبائر کبائر، بارگاہِ رحمت میں سب پر قلمِ عفو کھینچ دیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ زنا کی مکمل توبہ صرف زبان سے نہیں ہوتی۔ اس کی واضح شہادت یہ ہے کہ شرعی حکم اپنے نفس پر جاری بھی کرائے، اور جس جرم کی گہرائی اتنی ہو کہ اس میں اُس کا عضو عضو شریک ہو چکا ہو، اس کی سزا بھی اس کے ہر ہر عضو کو بھگتنی چاہیے۔ شاید جنابت میں تمام جسم کا غسل بھی اسی لیے فرض کیا گیا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدھ واقعہ ایسا بھی ہو گیا ہے، اور جب ہو گیا ہے، تو اُس صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان قربان کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں دیکھا۔ ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق اگر اُس وقت کے اسلامی معیار کی بلندی کی بنا پر کسی کی زبان سے کوئی کلمہ کچھ کمی کا اُن کی شان میں نکل گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث 43:۔ "لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ"۔ (ترمذی رقم 1454)

"لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ"۔ (مسلم رقم 22-1695)

ترجمہ اس نے تو ایسی زبردست توبہ کر لی، کہ اگر اس کو سارے اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا جاتا، تو ان کے گناہوں کی بخشش کے لیے کافی ہو جاتی۔

حدیث 44:۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: "إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ، فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ، فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُهَا"۔

(صحیح علی شرط الشیخین:مسند أحمد رقم3624، 3934، 4091؛ مسلم رقم1 - 2643؛ترمذی رقم2137؛ابن ماجه رقم76؛البیہقی فی "الاعتقاد" ص137؛المسند الشاشی رقم685؛الطیالسی رقم296؛مسند ابن الجعد رقم2594؛عبد الرزاق رقم 20093؛ الحمیدی رقم126؛ بخاری رقم3208،3332،6594،7454؛أبو داود رقم4708؛ النسائی فی "الکبری" رقم11246؛الدارمی فی "الرد علی الجهمیة" ص 69-70، وابن أبی عاصم فی "السنة" رقم176؛أبو یعلی رقم5157؛أبو بکر الخلال فی "السنة" رقم890؛ أبو القاسم البغوی فی "الجعدیات" رقم2688؛الشاشی فی "مسنده" رقم680، 681، 682، 684، 685، 686؛ابن حبان رقم6174؛ ابن عدی فی "الکامل" 1090/3؛ الإسماعیلی فی "معجمه" ص 480؛اللالکائی فی "أصول الاعتقاد" رقم 1040، 1041،1042؛أبو نعیم فی "الحلیة" 365/7،115/8؛البیہقی فی "الأسماء والصفات" رقم 821؛الخطیب فی "تاریخه" 60/9؛البغوی رقم71؛القدر للفریابی رقم124، 125، 126؛الشریعة للآجری رقم358، 359، 360؛سنن کبریٰ بیہقی رقم15421،21280؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11555 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛الخلافیات بیہقی رقم5600؛القضاء والقدر بیہقی رقم77؛شعب الایمان بیہقی رقم184)

حدیث 45:۔(خ م ت): عَنْ عَبْدِ اللهِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ: (حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ - قَالَ:"إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ (بخاری رقم 1226) (ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا فَصَوَّرَهُ، وَخَلَقَ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَجِلْدَهُ وَشَعْرَهُ وَلَحْمَهُ وَعِظَامَهُ (مسلم رقم 2645)(وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: فَيَكْتُبُ رِزْقَهُ، وَأَجَلَهُ، وَعَمَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ) (بخاری رقم7016) (يَقُولُ: يَا رَبِّ أَذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى؟، فَيَجْعَلُهُ اللهُ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ أَسَوِيٌّ أَوْ غَيْرُ سَوِيٍّ؟، فَيَجْعَلُهُ اللهُ سَوِيًّا أَوْ غَيْرَ سَوِيٍّ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ مَا رِزْقُهُ؟، فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ مَا أَجَلُهُ؟، فَيَقُولُ رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ مَا خُلُقُهُ؟، أَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ؟، فَيَجْعَلُهُ اللهُ شَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا،

وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ (مسلم رقم 2645) (فَيَقْضِي اللهُ تَعَالَى إِلَيْهِ أَمْرَهُ. فَيَكْتُبُ مَا هُوَ لَاقٍ، حَتَّى النَّكْبَةَ يُنْكَبُهَا (ابن حبان رقم 6178) (ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ") (بخاری رقم 3154، 7016)

(الجامع الصحيح للسنن والمسانيد ج ۲۰ ص ۲۱۶. المؤلف: صهيب عبد الجبار. عدد الأجزاء: 38. تاريخ النشر: 15-8-2014. المكتبة الشامله)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلاظت آ جاتی ہے، اس کو "نطفہ" کہا گیا ہے)۔ پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہو جاتی ہے)۔ پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں لے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اس کے اعمال، اس کی مدت عمر اور وقت موت، اور اس کا رزق لکھتا ہے، اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آ جاتا ہے، اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

☐ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

آیت 13:- يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○ (الحج: ۵)

ترجمہ لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے، تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تا کہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقتِ خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اُس پر مینہ برسایا کہ یکا یک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی۔

حدیث 46:۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، أَنَّ عَامِرَ بْنَ وَاثِلَةَ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ، يَقُولُ: "الشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَالسَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ"۔ فَأَتَى رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ: حُذَيْفَةُ بْنُ أَسِيدٍ الْغِفَارِيُّ، فَحَدَّثَهُ بِذٰلِكَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ: "وَكَيْفَ يَشْقَى رَجُلٌ بِغَيْرِ عَمَلٍ؟"۔ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: "أَتَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِذَا مَرَّ بِالنُّطْفَةِ ثِنْتَانِ وَأَرْبَعُونَ لَيْلَةً، بَعَثَ اللهُ إِلَيْهَا مَلَكًا، فَصَوَّرَهَا وَخَلَقَ سَمْعَهَا وَبَصَرَهَا وَجِلْدَهَا وَلَحْمَهَا وَعِظَامَهَا، ثُمَّ قَالَ: "يَا رَبِّ! أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى؟"۔ فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُولُ:

"يَارَبِّ أَجَلُهُ"، فَيَقُولُ رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُولُ: "يَارَبِّ! رِزْقُهُ"، فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْمَلَكُ بِالصَّحِيفَةِ فِي يَدِهِ، فَلَا يَزِيدُ عَلَى مَا أُمِرَ وَلَا يَنْقُصُ". (مسلم رقم 3-2645)

ترجمہ حضرت (ابوالطفیل) عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو شخص شقی ہوتا ہے، وہ ماں کے پیٹ ہی سے شقی پیدا ہوتا ہے، اور سعید (نیک بخت) کی شناخت یہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرلے"۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت حُذَيْفَةُ بْنُ أَسِيدٍ الْغِفَارِيُّ رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے، پھر انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول حضرت حُذَيْفَةُ بْنُ أَسِيدٍ الْغِفَارِيُّ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کر کے کہنے لگے: "عمل کیے بغیر کسی آدمی کی شقاوت کیسی؟"۔ اس پر حضرت حُذَيْفَةُ بْنُ أَسِيدٍ الْغِفَارِيُّ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: (اس پر تعجب کیا ہے؟) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جب نطفہ پر بیالیس (42) راتیں گزر جاتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں، وہ اس کی شکل بناتا ہے۔ اس کے کان، آنکھیں، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے۔ پھر عرض کرتا ہے: "یا اللہ! مذکر ہے یا مؤنث؟"۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں حکم دیتے ہیں اور فرشتہ لکھ دیتا ہے۔ پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: "یا اللہ! اس کی عمر کتنی ہے؟"۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں، حکم دیتے ہیں، اور فرشتہ لکھ دیتا ہے۔ پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: "یا اللہ! اس کی روزی کتنی لکھوں؟"۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں، فیصلہ صادر فرماتے ہیں اور فرشتہ لکھ دیتا ہے۔ پھر فرشتہ وہ صحیفہ (تقدیر) اپنے ہاتھ میں لے کر (ماں کے رحم سے) نکلتا ہے۔ پھر اس سے کوئی چیز نہ زیادہ ہوتی، نہ کم ہوتی ہے"۔

حدیث 47:۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ، أَخْبَرَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند احمد رقم 22835، 22813؛ بخاری رقم 2898، 4202 ،

4207، 6493، 6607؛ مسلم رقم 179-112، 12-112؛ عبد بن حمید رقم 457، 459؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 140؛ أبو القاسم البغوی فی "الجعديات" رقم 3037؛ الطبرانی فی "الكبير" رقم 5784، 5798، 5799؛ مسند ابن الجعد رقم 2929؛ ابن حبان رقم 6175؛ ابن أبي عاصم فی "السنة" رقم 216؛ أبو يعلى رقم 7544؛ أبو القاسم البغوی فی "الجعديات" رقم 3039، 3040؛ ابن حبان رقم 6175؛ الطبرانی فی "الكبير" رقم 5806، 5825، 5830، 5891، 5952، 6001؛ تمام فی "فوائده" رقم 51؛ البيهقی فی "الدلائل" 252/4)

ترجمہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بندہ دوزخی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے، اور ہوتا ہے وہ جنتی۔ اور اسی طرح جنتی شخص کے سے عمل کرتا ہے، اور ہوتا ہے وہ دوزخی۔ بات یہ ہے کہ دارومدار صرف خاتمہ پر ہے (اُس وقت جیسے عمل ہوں)۔

حدیث 48:- أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ الْبُخَارِيُّ بِبَغْدَادَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ".

(صحیح لغیرہ: ابن حبان رقم 340؛ تاريخ دمشق لابن عساكر 431/2 ترجمة إسحاق بن إبراهيم بن يزيد أبو النَّضْر)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یقیناً دارومدار صرف خاتمہ پر ہے (اُس وقت جیسے عمل ہوں)۔

تشریح ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اصل فیصلہ وہی ہوتا ہے جو قضاء وقدر کر چکی ہے۔ رہے اعمالِ ظاہری، تو وہ انسان کے اچھے اور بُرے ہونے کی صرف ظاہری نشانیاں ہیں۔ مسند احمد (رقم 22813) کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کی راہِ خدا میں جان بازی دیکھ کر بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اچھے اعمال سے حسنِ خاتمہ کی امید اور برے اعمال سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ضرور ہونا چاہیے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس جہان میں فیصلہ بیشتر عمل کے تابع رکھا گیا ہے۔ لہٰذا جس کو جنت عطا فرمائیں

گے، اس سے عمل بھی اہل جنت کے کرائیں گے، اور جس کو بخشا منظور نہیں، اس سے پہلے اعمال بھی اسی کے مناسب کرا لیے جائیں گے تا کہ اعمال اور جزا کے درمیان ظاہری تناسب بھی باقی رہے، اگر چہ وہ اصل علت نہ سہی۔ حق تعالیٰ اچھے عمل والے کو دوزخ میں اور بُرے عمل والے کو جنت میں بھی داخل فرما سکتا ہے، مگر وہ خود یہ خبر دے چکا ہے کہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ جو دوزخی ہو، اس سے عمل بھی اہلِ دوزخ کے سے کرا لیے جائیں تا کہ عمل و جزاء کے درمیان مماثلت باقی رہے۔

مسند احمد (رقم 22813)، بخاری (رقم 2898) کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ.

یعنی ایک شخص لوگوں کو جنتی شخص کے سے عمل کرتا نظر آتا ہے۔ گویا حقیقت کی انھیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ دوزخی ہے۔ پس جب مدار خاتمہ پر رہا، تو اب ظاہر پر قطعی حکم کیسے لگایا جائے؟

اسی حدیث نے اولیاء اللہ کا خون پانی بنا رکھا ہے۔ کیونکہ یہ خبر کس کو ہے کہ اُس کا خاتمہ کیسے اعمال پر ہوگا؟ اسی خوف سے حضور اکرم ﷺ کا جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ بھی یہاں گریہ وزاری میں مبتلا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث 49: ۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ: أَبُو عَبْدِ اللهِ دَخَلَ عَلَيْهِ أَصْحَابُهُ يَعُودُونَهُ وَهُوَ يَبْكِي، فَقَالُوا لَهُ: "مَا يُبْكِيكَ؟". أَلَمْ يَقُلْ لَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذْ مِنْ شَارِبِكَ، ثُمَّ أَقِرَّهُ حَتَّى تَلْقَانِي؟". قَالَ: "بَلَى، وَلَكِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ قَبَضَ بِيَمِينِهِ قَبْضَةً، وَأُخْرَى بِالْيَدِ الْأُخْرَى، وَقَالَ: هٰذِهِ لِهٰذِهِ، وَهٰذِهِ لِهٰذِهِ، وَلَا أُبَالِي". فَلَا أَدْرِي فِي أَيِّ الْقَبْضَتَيْنِ أَنَا".

(صحیح: مسند أحمد رقم 17593، 17594، 20668؛ الصَّحِيحَة: رقم 50؛ هداية الرواة: رقم 116)

ترجمہ حضرت ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک شخص کے پاس جس کی کنیت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ تھی، عیادت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے۔ تو اس وقت وہ رو رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رونے کا سبب پوچھا اور کہا: ''کیا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنی لبیں تراشتے رہنا، اور اسی طریق پر ہمیشہ قائم رہنا، یہاں تک کہ مجھ سے آملو''۔ انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں، ضرور فرمایا تھا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بھی خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک مُٹھی بھری، پھر دوسری دوسرے ہاتھ سے۔ پھر فرمایا کہ یہ دائیں مٹھی والے تو جنت کے لیے بنائے ہیں، اور یہ بائیں والے دوزخ کے لیے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ دوستو! مجھے کیا علم ہے کہ میں اس کی کس مُٹھی میں آ گیا''۔

حدیث 49A:- حَدَّثنا إبراهيم بن سَعِيد الجوهري، حَدَّثنا أَبُو أحمد، حَدَّثنا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ، وإِسْمَاعِيل بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْقَبْضَتَيْنِ: "هَؤُلَاءِ لِهٰذِهِ، وَهَؤُلَاءِ لِهٰذِهِ"۔ قَالَ: فَتَفَرَّقَ النَّاسُ وَهُمْ لا يَخْتَلِفُونَ فِي الْقَدَرِ.

(مسند بزار رقم 5833؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الصَّغِيرِ، وَرِجَالُ الْبَزَّارِ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد رقم 11783؛ نظم المتناثر من الحديث المتواتر، للكتاني، رقم 222؛ موسوعة الألباني في العقيدة رقم 1802)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مٹھیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''یہ لوگ تو اس کے لیے ہیں (یعنی جنت کے لیے) اور یہ لوگ اس کے لیے ہیں (یعنی دوزخ کے لیے)''۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (یہ سن کر) لوگ وہاں سے منتشر ہو گئے اور اس کے بعد انھوں نے مسئلہ تقدیر میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

تشریح تقدیر کی قہرمانی کا جس کسی کے دل پر ایسا تسلط ہو، وہی اس کا ادراک بھی کر سکتا ہے کہ اس ہیبت کے سامنے کیا کسی کا حافظہ ساتھ دیا کرتا ہے، یا سب کچھ فراموش ہو جاتا

ہے، اور صرف ایک دعا کے سوا کچھ بن نہیں آتی۔ جو قلوب اس خشیت سے خالی ہیں، وہ اس کو کیا سمجھیں؟ یہاں انکشافِ حال سے قبل اطمینان کی کوئی صورت ہی نہیں ہوتی۔ جب صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہو، تو عامہ مؤمنین کا حال کیا ہونا چاہیے۔

أَللّٰهُمَّ! اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ.

(ترمذی رقم 3502)

حدیث 50:۔ حَدَّثَنَا هَيْثَمٌ - وَسَمِعْتُهُ أَنَا مِنْهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَلَقَ اللهُ آدَمَ حِينَ خَلَقَهُ، فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنٰى، فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيْضَاءَ، كَأَنَّهُمُ الذَّرُّ، وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى، فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ كَأَنَّهُمُ الْحُمَمُ، فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَمِينِهِ: إِلَى الْجَنَّةِ، وَلَا أُبَالِي وَقَالَ: لِلَّذِي فِي كَفِّهِ الْيُسْرٰى: إِلَى النَّارِ وَلَا أُبَالِي".

(صحیح: مسند أحمد رقم 27488؛ مسند البزار رقم 4143؛ القدر للفریابی رقم 36؛ مسند الشامیین طبرانی رقم 2213؛ الإبانة الكبرى لابن بطّة رقم 1329؛ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالْبَزَّارُ، وَالطَّبَرَانِيُّ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد رقم 11777؛ رجاله ثقات: جمع الجوامع المعروف بـ "الجامع الكبير" للسيوطي، رقم 136 / 13738؛ مشکوۃ رقم 119؛ صحيح الجامع: رقم 3234؛ الصحيحة: رقم 49؛ هداية الرواة: رقم 115؛ موسوعة الألباني في العقيدة رقم 1802)

ترجمہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو ان کے دائیں بازو پر ایک ضرب لگائی، تو اس سے سفید رنگ کی ایسی چھوٹی چھوٹی ذریت نکالی جیسی چیونٹی۔ پھر بائیں بازو پر ضرب لگائی تو سیاہ رنگ کی ایسی ذریت نکالی جیسا کوئلہ۔ پھر دائیں طرف والی کو فرمایا: ''یہ جنت میں جائیں گے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ اور جو بائیں جانب تھے، اِن کو فرمایا: ''یہ دوزخ میں جائیں گے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔

تشریح سیاہ وسفید شاید یہ عالمِ تقدیر میں کامیاب وناکام کے رنگ مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم میں شاید اس وقت ارواح کو کسی خاص قسم کا مختصر سا جسم بھی مرحمت کر دیا گیا تھا۔

حدیث 51:- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ سَوَّارٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قَتَادَةَ السُّلَمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ، ثُمَّ أَخَذَ الْخَلْقَ مِنْ ظَهْرِهِ، وَقَالَ: "هٰؤُلَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِي، وَهٰؤُلَاءِ فِي النَّارِ وَلَا أُبَالِي". قَالَ: فَقَالَ قَائِلٌ: "يَا رَسُولَ اللهِ! فَعَلَى مَاذَا نَعْمَلُ؟". قَالَ: "عَلَى مَوَاقِعِ الْقَدَرِ".

(صحیح لغیرہ: مسند احمد رقم 17660؛ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ قَدِ اتَّفَقَا عَلَى الِاحْتِجَاجِ بِرُوَاتِهِ عَنْ آخِرِهِمْ إِلَى الصَّحَابَةِ۔ وقال الذهبي: على شرطهما إلى الصحابي: مستدرک حاکم رقم 84؛ القدر للفریابی رقم 25، 26؛ ابن حبان رقم 338؛ الطبرانی فی "الکبیر" 22/ رقم (434،435)؛ الطبرانی فی "الشامیین" رقم 1855، 1854، 2045، 2046؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1081؛ البزار (2140- کشف الأستار)؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 281، 284، 285؛ الصحیحة: 48؛ ابن الأثیر فی "أسد الغابة" 489/3؛ ابن سعد 30/1، 417/7؛ البخاری فی "الکبیر" 341/5 تعلیقاً؛ 341/5-342، 191/8-192؛ الطبری فی "التفسیر" 117/9؛ الطبری 117/9-118؛ البیہقی فی "الأسماء والصفات" رقم 712)

ترجمہ حضرت عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ قَتَادَةَ السُّلَمِيُّ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد ان کی پشت سے بقیہ انسانوں کو نکالا اور فرمایا: ''یہ تو جنت کے لیے بنائے ہیں، اور یہ دوزخ کے لیے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ اس پر کسی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! معاملہ جب یوں ہے، تو اب عمل کس لیے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تو تقدیر میں لکھے جا چکے (اس کے موافق ہو کر رہیں گے)''۔

تشریح ان تمام احادیث کے آخر میں الفاظ: ''لَا أُبَالِي'' (مجھے کوئی پرواہ نہیں) حق تعالیٰ کی

شانِ بے نیازی کے اظہار کے لیے بیان ہوتا جارہا ہے۔ وہاں نہ اس کی پرواہ ہے کہ جنتیوں پر اس انعام واکرام کا انتظام کہاں سے ہوگا، اور نہ اس کا غم ہے کہ یہ سارے جہنمی مل کر ہمارے خلاف کیا سازش بنائیں گے۔

حدیث 52: ۔حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، حَدَّثَنِي أَبُو قَبِيلٍ الْمَعَافِرِيُّ، عَنْ شُفَيٍّ الْأَصْبَحِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِهِ كِتَابَانِ، فَقَالَ: "أَتَدْرُونَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ؟". قَالَ: قُلْنَا: "لَا، إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا، يَا رَسُولَ اللهِ!". قَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيُمْنٰى: "هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، بِأَسْمَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ، لَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا". ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي يَسَارِهِ: "هٰذَا كِتَابُ أَهْلِ النَّارِ، بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ، لَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا". فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَلِأَيِّ شَيْءٍ إِذَنْ نَعْمَلُ إِنْ كَانَ هٰذَا أَمْرًا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟". قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ، وَإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ لَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ". ثُمَّ قَالَ: بِيَدِهِ فَقَبَضَهَا ثُمَّ قَالَ: "فَرَغَ رَبُّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الْعِبَادِ". ثُمَّ قَالَ بِالْيُمْنٰى: فَنَبَذَ بِهَا، فَقَالَ: "فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ". وَنَبَذَ بِالْيُسْرٰى، فَقَالَ: "فَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ".

(حسن: مسند أحمد رقم 6563؛ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ: ترمذی رقم 2141؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 348؛ النسائي في "الكبرى" رقم 11409؛ أبو نعيم في "الحلية" 168/5؛ الطبري في "تفسيره" [الشورى: 7]؛ الرد على الجهمية، للدارمي رقم 263؛ القدر للفريابي رقم 45، 46؛ الشريعة، الآجُرِّيُّ رقم 333؛ معجم كبير طبرانی 13 (رقم 17)؛ المُعْجَمُ الكَبِير للطبراني المُجَلَّدان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر، رقم 14601؛ ابن بطة

فی "الإبانة" رقم 1327؛ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم 348؛ البیھقی فی "القضاء والقدر" رقم 56، 120،57؛ القدر وما ورد فی ذلك من الآثار لابن وھب رقم 13؛ مشکوۃ رقم 96؛ صحیح الجامع: رقم 88؛ الصحیحۃ: رقم 848؛ موسوعة الألبانی فی العقیدۃ رقم 1671)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیے ہوئے باہر تشریف لائے، اور فرمایا: ''جانتے ہو، یہ کتابیں کیسی ہیں؟''۔ ہم نے کہا: ''یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتائیں تو کچھ پتہ چلے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں تھی: ''یہ وہ کتاب ہے جس میں پروردگارِ عالم نے تمام جنتی اشخاص کے نام اور اُن کے باپ دادوں کے اور قبیلوں کے نام لکھ دیئے ہیں۔ اور آخر میں اُن کی میزان بھی لگا دی ہے۔ اب اس میں نہ کسی اور نام کا اضافہ ہو سکتا ہے، نہ کمی ہو سکتی ہے''۔ پھر جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں تھی، اُس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''یہ وہ کتاب ہے جس میں تمام دوزخی اشخاص کے نام ہیں، اور اُن کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں۔ اُن کے آخر میں بھی میزان لگا دی ہے۔ اب اس میں بھی کسی نام کا اضافہ اور کمی نہیں ہو سکتی''۔ یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر دوزخی اور جنتی ہونا پہلے سے لکھا جا چکا ہے، تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلند پروازیاں چھوڑو، اور سیدھے سیدھے عمل کیے جاؤ، کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ ایسے ہی اعمال پر ہوگا جو جنتی شخص کے ہوتے ہیں، اگرچہ اس سے قبل ساری عمر میں کیسے بھی عمل کرتا رہے۔ اور اسی طرح دوزخی شخص کا خاتمہ بھی ایسے ہی اعمال پر ہوگا جو دوزخی اشخاص کے ہوتے ہیں، اگرچہ اس سے قبل کیسے ہی اچھے کام کرتا ہو''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر کے دونوں کتابوں کو اپنے پیچھے کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: ''تمہارا پروردگار سب کچھ لکھ لکھا کر فارغ ہو چکا۔ بس اسی کے مطابق اب کچھ لوگ جنت میں چلے جائیں گے، اور کچھ دوزخ میں''۔

تشریح اس حدیث کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں

میں دو کتابیں تھیں، وہ حقیقۃً دو کتابیں ہی تھیں۔ حدیث کے الفاظ از اوّل تا آخر بار بار پڑھیئے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو یہ خیال نہیں آسکتا کہ یہاں راوی نے کسی حقیقت کو مجازی صورت سے بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق خود عالمِ غیب سے اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنت کے باغوں میں سے انگور کا خوشہ توڑ لائے اور ہم کو دے دے۔ چاند کی طرف اشارہ کرے، تو اس کے دو ٹکڑے کر دے، اُنگلیوں کو جھکا دے، تو اس سے چشمے پھوٹ نکلیں۔ اگر ایسے ہاتھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو کتابوں کا ذکر سنتے ہیں، تو اس سے چونکتے کیوں ہیں؟ اور کیوں اس کی تاویل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں؟ جو لوگ عالمِ غیب پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اسی جگہ کیا، ہر عالم تردد ہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کا غم نہ کھایئے۔ ان کے تو یہ بھی فہم سے بالاتر ہے کہ اتنی غیر متناہی مخلوق کے اسماء کے لیے اتنا مختصر دفتر کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ صرف دنیا کا شارٹ ہینڈ (short hand) ہی جانتے ہیں۔ وہ مسکین کیا جانیں کہ غیب کے اختصار و طول کا عالم کیا ہوتا ہے۔

آیت 14:۔ وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ○ (الحج: ۴۷)

ترجمہ اور تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے حساب سے ہزار برس کے برابر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُراسرار ہستی اگر عالمِ غیب کی دو کتابیں اپنے ہاتھوں میں لے آتی ہے، اور ایک اشارے سے پھر انھیں عالمِ غیب میں پہنچا دیتی ہے، تو اس کو بسر و چشم قبول کر لیجیے، اور فکر یہ کیجیے کہ معلوم نہیں، آپ کا نام کس فہرست میں درج ہو چکا ہے۔

یہاں کمی بیشی کے جتنے احتمال ہو سکتے تھے، سب ذکر کر کے میزان کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ جس طرح اس صورت میں زیادتی، کمی کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ اسی طرح اب نئے جنتی اور نئے دوزخی بننے کا بھی کسی کے متعلق کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔ قضاء وقدر کی قہرمانی اور تسلّط کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث 53:۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ، حَدَّثَنَا حَيۡوَةُ، أَخۡبَرَنِي أَبُو هَانِئٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ الۡحُبُلِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبۡدَ اللهِ بۡنَ عَمۡرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُ كَيْفَ يَشَاءُ". ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَللّٰهُمَّ! مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ، اصْرِفْ قُلُوبَنَا إِلٰى طَاعَتِكَ".

(صحيح على شرط مسلم: مسند أحمد رقم 6569، 6610؛ مسلم رقم 17 - 2654؛ المنتخب من مسند عبد بن حميد رقم 348؛ السنة، لابن أبي عاصم رقم 231؛ مسند البزار رقم 2460؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7692، 7812؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11644، 11645 (الجامعة الاسلامیہ)؛ اعتلال القلوب للخرائطی رقم 15؛ الشریعة للآجری رقم 727، 728؛ الدعاء للطبرانی رقم 1260؛ الْمُعْجَمُ الكَبِير للطبرانی المُجَلَّدان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر رقم 14663؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 222، 231؛ البزار رقم 2460؛ أبو محمد الفاكهي في "حديثه" رقم 205؛ الدارقطني في "الصفات" رقم 29؛ اللالكائي في "شرح أصول الاعتقاد" رقم 709، 710؛ الدعوات الكبير، بيهقي، رقم 210؛ القضاء والقدر بيهقي، رقم 313؛ ابن بطة في "الإبانة" رقم 203، 207؛ البيهقي في "الأسماء والصفات" رقم 298، 740؛ ابن عبد البر في "التمهيد" 404/24؛ ابن حبان رقم 902؛ الطبري في "تفسيره" 232/5؛ مشکوٰۃ رقم 89؛ ابن عساكر 239/31؛ الصحيحة: رقم 1689)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی اُنگلیوں میں سے دو اُنگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے، اُن کو پھیر سکتا ہے''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا فرمائی:

"أَللّٰهُمَّ! مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ، اصْرِفْ قُلُوبَنَا إِلٰى طَاعَتِكَ".

ترجمہ اے دلوں کو لوٹنے پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو تُو اپنی تابع داری ہی کی طرف جھکائے رکھنا''۔

تشریح حق تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور بندہ کی انتہائی بیچارگی اور بے بسی کا نقشہ اس سے زیادہ مؤثر اور مختصر انداز میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک نیم مختار انسان جب کبھی اپنے اختیارِ کلی کے اظہار کا ارادہ کرتا ہے، تو وہ مخاطب کے سامنے اُنگلیوں کا اشارہ کر کے ہی

اُس کو سمجھاتا ہے۔ یہاں اسی معہود طریقہ کو استعمال کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ اعضاء سے منزہ ومبرا ہیں۔ احادیث میں بندہ کو مختار ثابت کیا گیا ہے، مگر ایسا مختار جس کے اوپر قدرت کا اختیار اس طرح مسلط ہے کہ اُس کے بعد اس اختیار کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اعتقاد کے بعد انسان کی زبان پر جو بے ساختہ درخواست آنی چاہیے وہ سب سے پہلے ایک یہی: ''پروردگار! ہمارے دلوں کو اپنی تابع داری کی طرف ہی جھکائے رکھنا''۔

حدیث 54:۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ". قَالَ: فَقُلْنَا: "يَا رَسُولَ اللهِ! آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ، فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟". قَالَ: فَقَالَ: "نَعَمْ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلِّبُهَا".

(صحيح على شرط مسلم: مسند أحمد، رقم 12107، 13696؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29196، 30405؛ البخاري في "الأدب" رقم 683؛ ابن ماجه رقم 3834؛ ترمذي رقم 2140؛ أبو يعلى رقم 3687، 3688؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 225؛ الطبري في "تفسيره" 3/ 188؛ الحاكم في "مستدركه" رقم 1927؛ البغوي رقم 88؛ الآجري في "الشريعة" رقم 729، 732؛ أبو نعيم في "الحلية" 122/8؛ الطبراني في "الدعاء" رقم 1261؛ الطبراني في "الكبير" رقم 759؛ مسند البزار رقم 7508؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 382؛ الضياء في "المختارة" رقم 2222، 2223، 2224، 2225؛ مشکوۃ رقم 102)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ".

ترجمہ: اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔

ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے بارے میں خوف ہے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! (انسانوں کے) دل اللہ کی انگلیوں میں سے

دوانگلیوں کے درمیان ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں کو پلٹتے رہتے ہیں''۔

شرح یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم وادب پر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سنتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں، اور سمجھتے ہیں اپنے حق میں۔ اسی لیے سوال یہ کرتے ہیں کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں، تو کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے متعلق کوئی خطرہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! مقامِ صحابیت پر فائز ہو جانے کے بعد بھی کوئی شخص قضاء وقدر کے قاہرانہ تصرف سے نڈر نہیں ہو سکتا۔ خوف کی بات بہر حال خوف ہی کی رہتی ہے۔ شانِ بندگی اسی میں ہے کہ بلند سے بلند مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی مختارِ کُل کے اختیار سے ڈرتا رہے۔
اس جگہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بڑی حد تک ان خطرات سے مامون تھے، جب اُن کے متعلق بارگاہِ نبوت سے جواب یہ ملا، تو پھر ہم لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

حدیث 55: ـحَدَّثَنَا يُونُسُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، وَهِشَامٍ، وَيُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَعَوَاتٌ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَ بِهَا: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ"۔ قَالَتْ: فَقُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ تُكْثِرُ تَدْعُو بِهٰذَا الدُّعَاءِ"۔ فَقَالَ: "إِنَّ قَلْبَ الْآدَمِيِّ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا شَاءَ أَزَاغَهُ، وَإِذَا شَاءَ أَقَامَهُ"۔

(صحیح لغیرہ: مسند أحمد رقم 24604، 26133؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29199، 30407؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 1369، 1402؛ النسائی فی "الکبری" رقم 7737؛ مسند ابی یعلی رقم 4669؛ الشریعۃ للآجری رقم 321، 733؛ الطبرانی فی "مسند الشامیین" رقم 2701؛ الدعاء للطبرانی رقم 1259؛ معجم اوسط طبرانی رقم 1530؛ الھیثمی فی "المجمع" 7/210، وقال: رواہ الطبرانی فی "الأوسط"، وفیہ المعلی بن الفضل، قال ابن عدی: فی بعض ما یرویہ نکرۃ، وبقیۃ رجالہ وثقوا، وفیھم خلاف)

ترجمہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

"یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ".

ترجمہ اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔

میں نے عرض کیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے رہتے ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ یعنی اسی کے اختیار میں ہے، جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے''۔

حدیث 56:۔ حَدَّثَنَا هَاشِمٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَهْرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ، تُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكْثِرُ فِي دُعَائِهِ أَنْ يَقُولَ: "أَللّٰهُمَّ! مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ". قَالَتْ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَوَ إِنَّ الْقُلُوبَ لَتَتَقَلَّبُ؟". قَالَ: "نَعَمْ، مَا مِنْ خَلْقِ اللهِ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ بَشَرٍ إِلَّا أَنَّ قَلْبَهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ، فَإِنْ شَاءَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَقَامَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَزَاغَهُ، فَنَسْأَلُ اللهَ رَبَّنَا أَنْ لَا يُزِيغَ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا، وَنَسْأَلُهُ أَنْ يَهَبَ لَنَا مِنْ لَدُنْهُ رَحْمَةً، إِنَّهُ هُوَ الْوَهَّابُ". قَالَتْ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا تُعَلِّمُنِي دَعْوَةً أَدْعُو بِهَا لِنَفْسِي؟". قَالَ: "بَلَى، قُولِي: أَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنَا".

(صحیح بشواهده: مسند أحمد رقم 26576، 26519، 26679؛ جامع معمر بن راشد رقم 19646؛ مسند ابوداؤد طیالسی رقم 1713؛ ترمذی رقم 3522؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29197، 30406؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 1879؛ عَبْدُ بنُ حُمَيْد في "المنتخب" رقم 1533، 1534؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7690؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 232؛ مسند ابی یعلیٰ رقم 6919، 6986؛ الكنى والأسماء، للدولابي رقم 1642؛ التوحید لابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۹۱؛ معجم ابن الاعرابی رقم 1667؛ الطبري في "تفسيره" رقم 6652، 6658؛ الطبراني في "الكبير" 23/ (رقم 772، 785، 865)؛ "الدعاء" طبرانی رقم 1257، 1258؛ معجم اوسط طبرانی رقم 2381، 5330، 9432؛ عمل اليوم والليلة لابن السُّنّي رقم 658؛ مختصراً الآجري في "الشريعة" رقم 729؛ سلسلة الأحاديث الصحيحة رقم 2091)

ترجمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ".

ترجمہ اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "کیا بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ کیا دل بھی پلٹتے رہتے ہیں؟"۔ (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو لغزشوں سے محفوظ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے ہیں؟)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں! ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے، یعنی اسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کردے"۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اسی لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے)۔لہٰذا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ، جو ہمارا رب ہے، سے یہ دعا مانگنی چاہیے کہ وہ ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ٹیڑھا نہ کرے، یعنی گمراہی میں مبتلا نہ کردے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائے۔ بیشک وہی عطا فرمانے والا ہے"۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ دعا تعلیم نہیں فرمادیتے، جس کو میں اپنے لیے مانگتی رہوں؟"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! تم یوں دعا مانگا کرو:

أَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنَا".

ترجمہ "اے اللہ! نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب! میرے گناہوں کو بخش دے، میرے دل سے غیظ وغضب کو نکال دے، میری ساری زندگی میں مجھے ہر قسم کے فتنوں کی گمراہی سے بچا کر اپنی حفاظت میں لے لے"۔

حدیث 57:۔حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ، عَنْ أَبِي كَبْشَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مُوسٰى يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ:... قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا سُمِّيَ الْقَلْبُ مِنْ تَقَلُّبِهِ، إِنَّمَا مَثَلُ الْقَلْبِ كَمَثَلِ رِيشَةٍ مُعَلَّقَةٍ فِي أَصْلِ شَجَرَةٍ تُقَلِّبُهَا الرِّيحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ".

(صحیح: مسند أحمد رقم 19661، 19757؛ ابن ماجہ رقم 88؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 34819؛ الزهد والرقائق لابن المبارك رقم 358؛ مسند ابن الجعد رقم 1450؛ مسند عبد بن حمید رقم 535؛ مسند البزار رقم 3037، 3190؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 227، 228؛ اسناده صحیح رجاله كلهم ثقات على شرط مسلم: الألباني في ظلال الجنة رقم 227؛ البيهقي في "شعب الإيمان" 737؛ أبو نعيم في "الحلية" 1/261، 263؛؛؛ صحيح الجامع: 2365؛ صحیح الجامع رقم 2365؛ مشکوۃ رقم 103)

ترجمہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انسان کے قلب کی مثال اُس پَر کی سی ہے، جو بیابان زمین میں پڑا ہوا ہو، اور ہوائیں اس کو کبھی سیدھا اور کبھی اُلٹا کر رہی ہوں''۔

تشریح ایک وسیع جنگل میں تند و تیز ہوا اور ایک ذرا سے پَر کا بھلا کیا مقابلہ، لیکن پھر یہ دونوں مخلوق ہی مخلوق ہیں، اور دونوں کے دونوں محکوم ہی محکوم ہیں۔ قلوب بنی آدم کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، وہ تو خالق و مخلوق اور حاکم و مخلوق کی ہے۔ یہاں اس بیچارگی کا اندازہ ہی کیا لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو عدم کو وجود سے، لیکن احادیث میں بسا اوقات حقیقت سے ہٹ کر محاورات کے مطابق کلام اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کا اصل مقصد تفہیم و تعلیم ہوتا ہے۔ انسان جتنا جلد اپنے محاورات سے کسی حقیقت کو سمجھ سکتا اور متاثر ہو سکتا ہے، اتنا وہ فلسفیانہ تعبیرات سے کسی حقیقت کو نہیں پا سکتا، اور نہ اُن سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہیں احادیث میں اصابع (انگلیوں) کا لفظ بھی آیا ہے، اور کہیں مذکورہ بالا حدیث کے اندازِ بیان کو اختیار کیا جا رہا ہے تاکہ ان امثال سے انسان اپنی بیچارگی کا اندازہ لگا سکے، اور اس کے بعد حق تعالیٰ کی بالادست قدرت و اختیار کے سامنے جتنا اُسے جھکنا چاہیے، جھک جائے۔

حدیث58:-حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ يُونُسَ، يُحَدِّثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُونُ، إِذْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهِ، فَصَدِّقُوا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهِ، فَلَا تُصَدِّقُوا بِهِ، وَإِنَّهُ يَصِيرُ إِلَى مَا جُبِلَ عَلَيْهِ".

(مسند أحمد، رقم27499؛رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ، إِلَّا أَنَّ الزُّهْرِيَّ لَمْ يُدْرِكْ أَبَا الدَّرْدَاءِ: مجمع الزوائد رقم11827؛جعله ابن كثير في الجامع 13/ 620 رقم11126؛مشكوٰة رقم123؛ هُوَ مُنْقَطِعٌ، فَالزُّهْرِيُّ لَمْ يُدْرِكْ أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَلَكِنْ لَهُ شَوَاهِدُ:المقاصد الحسنة، للسخاوي،رقم262؛ايضاً:الأجوبة المرضية فيما سئل السخاوي عنه من الأحاديث النبوية:رقم200؛الضعيفة:رقم135؛)

ترجمہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگوں کے عادات واخلاق کے متعلق کچھ ذکر کررہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے، تو اُس کی تصدیق کرلینا، اور اگر یہ سنو کہ کسی شخص کی فطری عادات بدل گئی ہیں، تو اس کی تصدیق نہ کرنا۔ آخر کار ایک دن وہ پھر اُن ہی خصائل کی طرف لوٹے گا، جس پر کہ اُس کی پیدائش ہوئی ہے''۔

تشریح انسان کی عادات واخلاق بھی چونکہ کاتب تقدیر کے قلم کے نیچے آچکے ہیں، اس لیے جس طرح قضاء وقدر کے دوسرے شعبوں میں تبدیلی وترمیم نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اس میں بھی نہیں ہوسکتی۔

حدیث59:-حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ، فَذَكَرُوا رَجُلًا، فَذَكَرُوا مِنْ خُلُقِهِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: "أَرَأَيْتُمْ لَوْ قَطَعْتُمْ رَأْسَهُ أَكُنْتُمْ تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تُعِيدُوهُ؟". قَالُوا: "لَا". قَالَ: "فَيَدَهُ؟". قَالُوا: "لَا". قَالَ: "فَرِجْلَهُ؟". قَالُوا: "لَا". قَالَ: "فَإِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تُغَيِّرُوا خُلُقَهُ حَتَّى تُغَيِّرُوا خَلْقَهُ". الحديث.

(حسن: الأدب المفرد ص ۱۰۷ رقم 283؛ معجم کبیر طبرانی رقم 8884، 8885؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم 1425؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 479؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد رقم 11828؛ صحیح الأدب المفرد للإمام البخاری رقم 216/283)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اسی ضمن میں اس کے عادات واخلاق کا ذکر بھی آ گیا۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم لوگ بتاؤ، اگر تم اس کا سر کاٹ دو، تو کیا اس کو پھر جوڑ سکتے ہو؟''۔ انھوں نے جواب دیا: ''نہیں''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اچھا، اگر اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو، تو کیا پھر اس کو جوڑ سکتے ہو؟''۔ وہ بولے: ''نہیں''۔ آخر میں فرمایا: ''اچھا، پیر؟''۔ انھوں نے کہا: ''یہ بھی نہیں''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے، تو یاد رکھو! اسی طرح اس کے عادات واخلاق کو بھی بدل نہیں سکتے''۔

تشریح حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث میں ایک نہایت لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ حدیث میں ''جبل'' کا لفظ استعمال کیا ہے، ''جبر'' کا نہیں استعمال کیا۔ گویا بندہ خیر وشر پر مجبول یعنی مخلوق تو ہوتا ہے، مگر اِن پر مجبور نہیں ہوتا۔ بیشک جیسا حدیث میں ہے انسان کا انجام وہی ہوگا جس پر وہ مخلوق ہوا ہے، مگر اس سے اختیار کے ساتھ ہی خیر وشر کا ظہور ہوگا۔ اس لیے اس کو مجبول تو کہا جائے گا، لیکن مجبور نہیں کہا جا سکتا۔

حدیث 59: ۔حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْيَشْكُرِيِّ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ ابْنَةُ أَبِي سُفْيَانَ: "أَللّٰهُمَّ! أَمْتِعْنِي بِزَوْجِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِأَبِي أَبِي سُفْيَانَ، وَبِأَخِي مُعَاوِيَةَ". قَالَ: فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّكِ سَأَلْتِ اللهَ لِآجَالٍ مَضْرُوبَةٍ، وَأَيَّامٍ مَعْدُودَةٍ، وَأَرْزَاقٍ مَقْسُومَةٍ، لَنْ يُعَجِّلَ شَيْءٌ قَبْلَ حِلِّهِ، أَوْ يُؤَخِّرَ شَيْءٌ عَنْ حِلِّهِ، وَلَوْ كُنْتِ سَأَلْتِ اللهَ أَنْ يُعِيذَكِ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ، وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ، كَانَ أَخْيَرَ، أَوْ أَفْضَلَ".

قَالَ: وَذُكِرَ عِنْدَهُ الْقِرَدَةُ - قَالَ مِسْعَرٌ: أُرَاهُ قَالَ: وَالْخَنَازِيرُ - إِنَّهُ مِمَّا مُسِخَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَمْ يَمْسَخْ شَيْئًا فَيَدَعَ لَهُ نَسْلًا، أَوْ عَاقِبَةً، وَقَدْ كَانَتِ الْقِرَدَةُ أَوِ الْخَنَازِيرُ قَبْلَ ذٰلِكَ".

(صحیح علی شرط مسلم: مسند أحمد رقم 3700، 3925، 4119، 4120، 4254، 4441؛ مسند حمیدی رقم 125؛ مسلم رقم 32 - 2663، 33 - 2663؛ مسند البزار رقم 1919؛ القدر للفریابی رقم 147؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11690 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن أبي شيبة رقم 289، 12029، 29139؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 262؛ أبو يعلى رقم 5313؛ الطحاوي في "شرح مشكل الآثار" رقم 5617؛ النسائي في "الكبرى" رقم 10022؛ "عمل اليوم والليلة" للنسائي رقم 264، 265؛ المسند الشاشی رقم 743، 744؛ إثبات عذاب القبر، البيهقي، رقم 187؛ الاعتقاد بیہقی ص ۱۷۲؛ ابن حبان رقم 2969؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 2011؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 229، 230؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1362؛ صحیح الجامع رقم 4374)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، زوجۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے ایک مرتبہ یہ دعا مانگی: ''الٰہ العالمین! میرے شوہر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میرے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور میرے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سایہ مدتِ دراز تک مجھ پر قائم رکھنا''۔ یہ دعا سُن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا تو کی، مگر ایسی مدتوں کے لیے جو پہلے سے مقرر شدہ ہیں۔ ان کی زندگی کے ایام سب شمار کیے جا چکے ہیں، اُن کے رزق بھی سب تقسیم شدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ وقت سے پہلے ان میں سے نہ کسی چیز کو مقدم کرے گا، اور نہ وقت کے بعد اس کو مؤخر کرے گا۔ کاش! اگر تم دوزخ کے عذاب یا قبر کے عذاب سے پناہ مانگتیں''۔

کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُس وقت بندروں اور خنزیروں کا ذکر چھیڑ دیا، کیا وہ مسخ شدہ قوم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی مسخ شدہ قوم کی نسل جاری نہیں کی، اور نہ وقتِ مقرر کے بعد ان میں سے کسی کو باقی رکھا ہے۔ آخر بندر یا خنزیر ان سے پہلے بھی تو ہوا کرتے تھے''۔

تشریح دیکھیے! یہاں بھی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دعا کچھ ایسی نہ تھی، جس کو انسان کی فطرت نہ کہا جا سکے، لیکن صاحبِ نبوت کو یہاں ایک دوسرا تاثر پیدا کرنا تھا، جو انسان کی فطرت میں خود بخود موجود نہیں ہوتا۔ ہاں نبی جیسا معلم اس کو پیدا کر دیتا ہے۔ کسی بی بی کے پہلو میں اپنے محبوب ترین شوہر، کسی لڑکی کے دل میں اپنے مکرم ترین والد اور کسی ہمشیرہ کے قلب میں اپنے عزیز ترین بھائی کی حیات کے کتنے ارمان ہو سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے جذبات کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیتے ہیں کہ یہ تو سب طے شدہ باتیں ہیں، جس کا جتنا رزق، جس کی جتنی عمر اور جو وقتِ موت لکھ دیا گیا ہے۔ اس سے ایک انچ بھر بھی اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ یہ دعا مانگنی اتنی اہم نہیں، اہم یہ ہے کہ دوزخ یا قبر کے عذاب سے نجات کی دعا مانگی جائے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جس طرح پہلی باتیں مقدر ہو چکی ہیں، عذاب وثواب کا مسئلہ بھی مقدر ہو چکا ہے، مگر انسان کو اس کا علم تو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس دعا کے لیے اس کے قلب میں وہ جذبات نہیں اُٹھتے جو شوہر یا والد کی درازیٔ عمر کے لیے اُٹھتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آخرت کا استحضار اتنا ہو کہ دعا کے موقع پر عزیز سے عزیز کی درازیٔ عمر سے پہلے اپنی آخرت کا تصور آ جائے، اور اس طرح شریعت اس جگہ آ جائے جہاں انسان کی فطرت ہوتی ہے۔ جب آخرت کا استحضار اتنا نصیب ہو جائے، تو اب امید کرنی چاہیے کہ وہ جاں کندنی کی تکالیف میں، ملک الموت کی ہیبت، شیطان کے اغوا، اور منکر ونکیر کے سوال کے وقت بھی ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح وسالم رہے گا۔ قضاء وقدر کے تسلط اور آخرت کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا یہ بھی کیا نرالا انداز ہے۔

حدیث 60: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ الزُّرَقِيِّ، قَالَ: قَالَتْ أَسْمَاءُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ بَنِي جَعْفَرٍ تُصِيبُهُمُ الْعَيْنُ أَفَأَسْتَرْقِي لَهُمْ؟". قَالَ: "نَعَمْ، فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقُ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ".

(حسن: مسند أحمد، رقم 27470، 14573؛ الحميدي رقم 332؛ ابن أبي شيبة رقم 23591؛ ترمذی رقم 2059؛ ابن ماجه رقم 3510؛ ابن أبي عاصم في "الآحاد والمثاني"

رقم3146؛الطبرانی فی "الکبیر" 24/ (رقم379)؛البیهقی فی "شعب الإیمان" رقم 11225 ؛ "السنن الکبری" بیہقی رقم؛ 348/9، البغوی فی "شرح السنة" رقم3243؛ ابن الأثیر فی "أسد الغابة" 15/7؛ المخلصیات وأجزاء أخری لأبی طاهر المخلص رقم1651 ؛ مسلم رقم60 – 2198 عن جابرؓ؛ مسلم رقم42 –2188 عن ابن عباسؓ؛ الصحیحة: رقم1251، 1252؛ مشکوۃ رقم4560؛ صحیح الجامع رقم5286::::::::::)

ترجمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کونظر (بڑی جلدی) لگ جاتی ہے، کیا میں اُن پر یہ منتر پڑھ سکتی ہوں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پڑھ سکتی ہو، کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر بھی غالب آسکتی، تو وہ نظر ہوتی''۔

تشریح نظر لگنے کی حقیقت کچھ بھی سہی، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ نظر ضرور لگتی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں اس کے وجوہ واسباب اور اس کی حقیقت پر بصیرت افروز بحث کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ شرکیہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ چونکہ نظر کی تاثیر اتنی قوی ہوتی ہے کہ اگر تقدیر بھی کسی چیز سے بدل سکتی، تو نظر سے بدل جاتی۔

حدیث 61:۔ حَدَّثَنِی أَبُو مُسْلِمٍ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ أَبُو الْمُنْذِرِ، عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَادَ الْحَسَدُ أَنْ يَغْلِبَ الْقَدَرَ، وَكَادَتِ الْفَاقَةُ أَنْ تَكُونَ كُفْرًا"۔

(الکنی والأسماء للدولابی، رقم1877؛ حلیة الاولیاء ج۳ ص ۵۳، ۱۰۹؛ مسند الشهاب القضاعی رقم586؛ جمع الجوامع المعروف بـ "الجامع الکبیر"، رقم594/ 27221؛ شعب الإیمان، رقم6188؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 26595 مرسلاً؛ الترغیب والترهیب لقوام السنة رقم1136؛ مشکوۃ رقم5051)

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حسد

ایسی چیز ہے کہ کہیں تقدیر پر بھی غالب نہ آجائے، اور احتیاج میں کفر تک نوبت پہنچ سکتی ہے"۔

تشریح فقر جب حد سے تجاوز کر جائے، تو اس کا نتیجہ کبھی کفر کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ دوسری چیز جو انتہا درجہ خطرناک ہے، وہ حسد ہے۔ اسی لیے سورت فلق میں حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ اس کی تاثیر کو اس انداز میں ادا کیا گیا ہے کہ جو چیز کسی سے متاثر نہیں ہوتی، وہ تقدیر ہے کہ سب اس کے زیرِ اثر ہیں، اور وہ کسی کے زیرِ اثر نہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو علمِ الٰہی ہے وہ کسی کے زیرِ اثر ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز تقدیری فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکتی تو وہ حسد ہوتا۔ سلسلۂ اسباب و مسببات میں انسانی عزائم کو بڑا دخل ہے۔ حاسد کا نفس جب ہمہ وقت پوری عزیمت کے ساتھ کسی کے درپے ہو جاتا ہے، تو یہاں بھی ایسے ایسے شگوفے کھلنے لگتے ہیں جس سے شبہ ہونے لگتا ہے کہ شاید تقدیر ہی بدل دی گئی ہے۔

10 اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، قضاء وقدر کے تحتانی مراتب میں تبدیلی بھی ہو جاتی ہے

حدیث 62:۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذَ الْعَدْلُ، ثنا بِشْرُ بْنُ مُوسَى الْأَسَدِيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَا: ثنا أَبُو نُعَيْمٍ، ثنا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، أَمْثَالَ الذَّرِّ، ثُمَّ جَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ. فَقَالَ آدَمُ: "مَنْ هَؤُلَاءِ يَا رَبِّ؟". قَالَ: "هَؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ". فَرَأَى آدَمُ رَجُلًا مِنْهُمْ أَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ. فَقَالَ: "يَا رَبِّ! مَنْ هَذَا؟". قَالَ: "هَذَا ابْنُكَ دَاوُدُ يَكُونُ فِي آخِرِ الْأُمَمِ". قَالَ آدَمُ: "كَمْ جَعَلْتَ لَهُ مِنَ الْعُمُرِ؟". قَالَ: "سِتِّينَ

سَنَةً". قَالَ: "يَا رَبِّ! زِدْهُ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً، حَتَّى يَكُونَ عُمُرُهُ مِائَةَ سَنَةٍ". فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "إِذَنْ يُكْتَبُ وَيُخْتَمُ فَلَا يُبَدَّلُ". فَلَمَّا انْقَضَى عُمُرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ لِقَبْضِ رُوحِهِ، قَالَ آدَمُ: "أَوَ لَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً؟". قَالَ لَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ: "أَوَ لَمْ تَجْعَلْهَا لِابْنِكَ دَاوُدَ؟". قَالَ: "فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَنَسِيَ وَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطِئَ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ".

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

[التعليق - من تلخيص الذهبي] - على شرط مسلم

(المستدرک علی الصحیحین، رقم 3257، 4132)

حدیث 63: - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ: "أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟". قَالَ: "هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ". فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ: "أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰذَا؟". فَقَالَ: "هٰذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ دَاوُدُ". فَقَالَ: "رَبِّ! كَمْ جَعَلْتَ عُمُرَهُ؟". قَالَ: "سِتِّينَ سَنَةً". قَالَ: "أَيْ رَبِّ! زِدْهُ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً". فَلَمَّا قُضِيَ عُمُرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: "أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً؟". قَالَ: "أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ". قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ".

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(صحیح: ترمذی رقم 3076، 3368؛ مسند ابی یعلی رقم 6654؛ ابن حبان رقم 6167؛؛؛ مشکوۃ رقم 118، 4662؛ صحیح الجامع رقم 5209)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اُن کی پیٹھ سے وہ تمام رُوحیں نکلیں، جنھیں اللہ تعالیٰ قیامت تک حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے پیدا کرنے والے تھے۔ ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان ایک سفید روشنی رکھ دی۔ پھر انھیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''میرے رب! یہ کون ہیں؟''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یہ سب تیری اولاد ہے''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے ایک آدمی دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی روشنی حضرت آدم علیہ السلام کو بہت بھلی لگی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ''میرے رب! یہ کون ہے؟''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تیری اولاد کی آخری اُمتوں میں سے ایک آدمی ہے جس کا نام حضرت داوٗد علیہ السلام ہے''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''میرے رب! تُو نے اس کی عمر کتنی لکھی ہے؟''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ساٹھ (60) سال''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''اچھا! میرے رب! میری عمر میں سے چالیس (40) سال حضرت داوٗد علیہ السلام کو دے دے''۔ پھر جب ملک الموت حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: ''ابھی تو میری عمر کے چالیس (40) سال باقی ہیں؟''۔ فرشتے نے یاد دلایا: ''کیا آپ علیہ السلام نے اپنی عمر کے چالیس سال اپنے بیٹے حضرت داوٗد علیہ السلام کو نہیں دیئے تھے؟''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (حقائق سے) انکار کرنے لگی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ اب ان کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی۔ اب ان کی اولاد سے بھی خطا ہوتی ہے''۔

تشریح تقدیر کی کتابت میں سے پہلا مرتبہ علمِ الٰہی کا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس حدیث میں دوسرے مرتبہ کا بیان ہے۔ پہلے مرتبہ کے لحاظ سے حضرت داوٗد علیہ السلام کی عمر سو سال ہی کی تھی۔ حق تعالیٰ جس کو عالم کا ذرہ ذرہ روشن ہے، یہ جانتا تھا کہ آئندہ واقعہ اس طرح پیش آئے گا۔ اُن کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ ہوگا، اور مجموعہ سو

(100) ہو جائے گی۔ پس اگر اس تفصیل کو دیکھو تو یوں کہہ دو کہ چالیس سال کا اضافہ ہوا، اور اگر نظر ذرا اس سے اوپر کر کے دیکھو تو حق تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے آخری بات یہی تھی کہ اُن کی عمر سو (100) سال ہوگی۔ اس لیے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ دوسرے مرتبہ کے اس ذرا سے الٹ پھیر سے حضرت داوٗد علیہ السلام کی زندگی میں اتنا نمایاں اثر پیدا ہو گیا کہ قرآن کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی اتنی بڑی تعداد میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد خلیفہ کا لقب صرف اُن ہی کو دیا ہے:

آیت 15:۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ. (ص:۲۶)

ترجمہ اے داوٗد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

ان کے علاوہ جتنے اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے۔ ظاہر ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام خلیفۃ اللہ ہی ہیں، مگر چونکہ اصل خلیفۃ اللہ کی عمر کے چالیس سال صرف حضرت داوٗد علیہ السلام ہی کو ملے تھے۔ اس لیے تقدیر کی اس حقیقت کا اثر قرآنی الفاظ میں بھی اتنا نمایاں ہونا ضروری ہوا۔ عالمِ غیب حقیقت ہی حقیقت کا علم ہے۔ وہاں جو بھی ہوتا ہے اس عالم میں اس کا اثر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ رہا اس جگہ یہ سوال کرنا کہ کیا کسی اور نبی کی پیشانی کا نور اتنا پیارا نہ تھا۔ یہ محض بے علمی کا سوال ہے۔ عالمِ غیب کی ساری تفصیل نہ ہم کو بتائی گئی ہے، نہ اس کی ضرورت تھی۔ اس حدیث میں تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات بیان کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا گیا۔ قضاء وقدر کا یہ ایک واقعہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے معرضِ بیان میں آ گیا ہے۔ جو عالم ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور قصداً پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اس کی کچھ کچھ جزئیات اس لیے بھی ذکر کر دی جاتی ہیں کہ اس عالم کو اس عالم کی باتیں سُن سُن کر یہ تنبہ ہوتا رہے کہ اس عالم کے سوا کوئی اور دوسرا عالم بھی ہے اور اس طرح اس پر ایمان لانے میں مدد مل سکے۔

حدیث 64:۔ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَابْنُ حَزْمٍ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً

فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى أَمُرَّ بِمُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَقَالَ: "مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟". قُلْتُ: "فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلَاةً". قَالَ لِي مُوسٰى: "فَرَاجِعْ رَبَّكَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ". فَرَاجَعْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَوَضَعَ شَطْرَهَا. فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: "رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ". فَرَاجَعْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ: "هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ". فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: "رَاجِعْ رَبَّكَ". فَقُلْتُ: "قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ".

(صحیح: سنن نسائی رقم 449؛ سنن ابن ماجہ رقم 1399؛ ومثلہ فی مسند احمد رقم 21288؛ بخاری رقم 349، 3342؛ مسلم رقم 263-163)

إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَرَضْتُ عَلَيْكَ وَعَلٰى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً فَقُمْ بِهَا أَنْتَ وَأُمَّتُكَ. (سنن نسائی رقم 450؛ مسند الشامیین طبرانی رقم 341)

ترجمہ حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن حزم (أبو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم) رحمۃ اللہ علیہ تابعی سے روایت فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''(شبِ معراج میں) اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ جب میں اُن کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو انھوں نے پوچھا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردگار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟''۔ میں نے کہا: ''پچاس''۔ انھوں نے فرمایا: ''جایئے! پھر جا کر تخفیف کی درخواست کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں ان کی ادائیگی کی سکت نہیں ہے''۔ میں واپس ہوا اور پروردگار کی خدمت میں عرض معروض کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ معاف فرمادیا۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور سرگزشت بیان کی۔ انھوں نے کہا: ''میں کہتا ہوں کہ پھر جایئے، ابھی اور تخفیف کرایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں اس کی بھی طاقت نہیں ہے''۔ میں پھر گیا، اور پروردگار سے درخواست کی۔ ارشاد ہوا: ''اب یہ پانچ ہیں، مگر ہمارے یہاں وہی پچاس کی پچاس شمار ہوں گی۔ ہمارے یہاں جو بات ایک بار طے ہو جاتی ہے، پھر وہ بدلا نہیں کرتی''۔ میں پھر حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے پھر واپس جا کر مزید تخفیف کے لیے فرمایا۔ میں نے کہا: ''اب تو مجھے بار بار جانے میں شرم آتی ہے''۔

شرح یہ حدیث بہت مجمل ہے۔ تفصیلی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہر بار پانچ پانچ نمازوں کی معافی ہوتی رہی ہے، اور جب پانچ ہی رہ گئی تھیں، تو چلتے چلتے کچھ ایسے کلمات ارشاد ہو گئے تھے، جن سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اب اس سے زیادہ تخفیف کی گنجائش نہیں رہی۔ اس نکتہ کے سمجھ جانے کے بعد گو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس جانے کا اصرار بھی فرمایا، اور یوں بھی اُمت کے حق میں تخفیف کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں نہ معلوم کتنے ارمان ہوں گے، لیکن شانِ عبدیت حکم کے سامنے جھک گئی، اور جو اتنی بار آمدورفت سے نہ تھکے تھے، وہ اس مرتبہ جانے میں شرم محسوس فرمانے لگے۔ سبحان اللہ! شانِ معبودیت بھی کیسی بلند ہے! اور اس کے بالمقابل شانِ عبدیت بھی کتنی کامل ہے! اُدھر جب آخری فیصلہ فرما دیتے ہیں، تو پھر کوئی نہیں، جو اس میں ذرا سی ترمیم بھی کر سکے۔ اِدھر شانِ عبدیت کا کیا کمال ہے کہ جب آخری حکم ہونے کا احساس بھی ہو جاتا ہے تو پھر ترمیم کی درخواست پیش کرنے کے لیے قدم ہی نہیں اُٹھتے۔

حدیث 65:۔ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ".

(حسن لغيره: مسند أحمد، رقم 22386، 22413، 22438؛ "الزهد" لوكيع رقم 407؛ مصنف ابن أبي شيبة رقم 29867؛ هناد في "الزهد" رقم 1009؛ ابن ماجه رقم 90، 4022؛ ابن حبان رقم 872؛ ابن المبارك في "الزهد" رقم 86؛ النسائي في الرقاق من "الكبرى" رقم 11775؛ الطحاوي في "شرح المشكل" رقم 3069؛ الطبراني في "الكبير" رقم 1442؛ مستدرکِ حاکم رقم 1814؛ المجالسة وجواهر العلم، للدينوري رقم 1892؛ القضاعي في "مسند الشهاب" رقم 831، 1001؛ شرح السنة، البغوي،

رقم3418؛أبو نعيم فی "تاریخ أصبهان" 10/2 موقوفاً؛الطبرانی فی "الدعاء" رقم31؛ مسند ابی یعلی رقم 282؛القضاء والقدر بیہقی رقم249 ؛ شعب الایمان رقم9752؛حدیث الإمام سفیان بن سعید الثوری رقم265؛نهایة المراد من کلام خیر العباد عبد الغنی المقدسی، رقم 20، 21، 22؛سَأَلت شَیخنَا أَبَا الْفضل الْعِرَاقِیّ رَحمَه الله عَن هٰذَا الحَدِیث فَقَالَ: هٰذَا حَدِیث حسن: مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه رقم33، 6141؛مشکوٰۃ رقم4925؛الصحیحة:رقم154)

ترجمہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یقیناً آدمی گناہوں کی شامت سے کبھی رزق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ تقدیر کو کوئی چیز پلٹ نہیں سکتی مگر صرف دعا، اور مقررہ عمر میں کوئی شے زیادہ نہیں کر سکتی، مگر نیکی''۔

تشریح اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے: تقدیر، عمر اور رزق۔ یہ تینوں چیزیں اسلامی عہد کے بعد ناقابلِ تبدیل ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ اگر غور کیجیے تو یہاں ایک ہی چیز ہے، یعنی تقدیر۔ عمر اور رزق اسی کے اجزاء ہیں۔ ان تین کے بالمقابل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تین چیزیں اور بیان فرمائی ہیں، جن کی تاثیر سے دنیا آج تک ناواقف تھی، یعنی دعا، نیکی اور گناہ۔ ان میں سے دعا کی برکت سے کبھی نوشتۂ تقدیر بھی ٹل جاتا ہے، اور نیکی کی بدولت کبھی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ بھی مقرر شدہ ہے۔ گناہوں کی شامت سے وہ رزق بھی جو مقرر شدہ ہے، کبھی منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر یہ سب کچھ احاطۂ تقدیر میں شامل ہوتا ہے، یعنی کوئی دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرما دے گا، تو اتنی عمر دے دی جائے گی، اور فلاں گناہ کے باعث رزق گھٹ جائے گا، اور یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دعا کرے گا یا نہیں، نیکی کی توفیق ملے گی یا نہیں، اور اس طرح گناہ کا صدور ہوگا یا نہیں۔ اگر تقدیر کے پہلے نمبر کی طرف نظر کی جائے، جس میں ردّ بلا دعا کے ساتھ اور عمر کا اضافہ نیکی کے ساتھ اور رزق کا انقطاع گناہ کے ساتھ معلق ہوتا ہے، تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مقدرات بھی قابلِ تبدیل ہوتے ہیں، اور جب اس سے اوپر نظر کی جائے، جہاں تعلیقات کچھ نہیں، صرف احکام ہیں۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقدرات میں جو ترمیمات ہیں، وہ سب تحتانی مراتب میں ہیں، حقیقت میں کوئی ترمیم نہیں۔

11 دنیا میں لوگوں کی جو کچھ بھی جد وجہد نظر آ رہی ہے، درحقیقت یہ تقدیر ہی کی خفیہ کاروائیاں ہیں

حدیث66:۔حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيهَا، وَدَوَاءً نَتَدَاوَى بِهِ، وَتُقَاةً نَتَّقِيهَا، هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ شَيْئًا؟". قَالَ: "هِيَ مِنْ قَدَرِ اللهِ". هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

(حسن: ترمذی رقم2065، 2148؛ مسند أحمد رقم15472، 15473، 15474، 15475؛ ابن ماجہ رقم3437؛ الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم رقم2610؛ معجم کبیر طبرانی رقم5468؛ مسند الشامیین رقم1820؛ مستدرک حاکم رقم7432؛ فوائد تمام رقم1160؛ السنن الصغیر بیہقی رقم3100؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 19598 ، 19599 ، 19600؛ الدولابی فی "الکنی" رقم165، 166؛ مکارم الأخلاق، الخرائطی رقم1094 مرسلا، رقم1095، 1096 مرفوعا؛ هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ: الأحكام الشرعية الصغرى "الصحيحة"، لعبد الحق، ج٢ ص٨٣١؛ حديث حسن صحيح: الأحكام الوسطى، لعبد الحق، ج٤ ص٢٣٦؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْحَارِثُ: لَمْ أَعْرِفْهُ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ أَبِي خُزَامَةَ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج٥ ص٨٥ رقم8283؛ مشکوۃ رقم 97؛ جامع معمر بن راشد رقم19777 مرسلا؛ حسنه الألبانی فی کتاب تخريج مشكلة الفقر: 11؛ صحيح موارد الظمآن: 1171؛ دیکھیے: أنيس السّاری فی تخريج وتحقيق الأحاديث التی ذكرها الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح البارى، ج٨ ص٥٨٥٦ تا ٥٨٦١ رقم4086)

ترجمہ حضرت ابوخزامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقے جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کرتے ہیں، یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں، یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کو لوٹا دیتی

ہیں؟''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں''۔

حدیث 67:۔حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْحَافِظُ. ثنا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى، ثنا مُسَدَّدٌ، ثنا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثنا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! رُقًى كُنَّا نَسْتَرْقِي بِهَا، وَأَدْوِيَةٌ كُنَّا نَتَدَاوَى بِهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ تَعَالَى؟"۔ قَالَ: "هُوَ مِنْ قَدَرِ اللهِ".

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، ثُمَّ لَمْ يُخَرِّجَاهُ.

[التعليق - من تلخيص الذهبي] - على شرطهما

(المستدرك على الصحيحين، رقم87، 8223؛ معجم کبیر طبرانی رقم1095، 3090؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَفِيهِ صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ يُعْتَبَرُ حَدِيثُهُ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج۵ ص۸۵ رقم8282)

ترجمہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقے جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کرتے ہیں، یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں، یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کو لوٹا دیتی ہیں؟''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں''۔

حدیث 68:۔أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، بِالْفُسْطَاطِ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْعَلَاءِ الزُّبَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَالِمٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ دَوَاءً نَتَدَاوَى بِهِ، وَرُقًى نَسْتَرْقِي بِهَا، وَأَشْيَاءَ نَفْعَلُهَا، هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ؟"۔ قَالَ: "يَا كَعْبُ! بَلْ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللهِ"۔ (حسن لغیرہ: ابن حبان، رقم6100)

ترجمہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

''کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں، یا جھاڑ پھونک کے وہ طریقے جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کرتے ہیں، یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کو لوٹا دیتی ہیں؟''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے کعب! یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں''۔

حدیث 69:۔حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْفَضْلِ الْأَسْفَاطِيُّ، ثنا شَبَابٌ الْعُصْفُرِيُّ، ثنا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، ثنا صَالِحٌ الْمُرِّيُّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: "يَا رَسُولَ اللهِ! يَنْفَعُ الدَّوَاءُ مِنَ الْقَدَرِ؟"۔ قَالَ: "الدَّوَاءُ مِنَ الْقَدَرِ، وَقَدْ يَنْفَعُ بِإِذْنِ اللهِ"۔

(حسن: معجم کبیر طبرانی، رقم 12784؛ الطب النبوی لأبی نعیم، رقم 50؛ مسند خليفة بن خياط رقم 49؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ صَالِحُ بْنُ بَشِيرٍ الْمُرِّيُّ، وَهُوَ ضَعِيفٌ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۵ ص ۸۵ رقم 8281؛ صحیح الجامع: 3415، 3416؛ حسنه الألبانی فی کتاب تخریج مشکلة الفقر: 11)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''دوا کا نفع پہنچانا بھی تقدیر میں سے ہے؟''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دوا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور اس کا نفع دینا بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے''۔

تشریح رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کا استعمال کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کے ماتحت ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہوتا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی، اور فلاں قسم کے جھاڑ پھونک، یا فلاں دوا کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا۔

اگر غور کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس نہایت مختصر دو لفظی جواب سے مسئلۂ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضاء وقدر اسباب کی سببیت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اسباب خود قضاء وقدر کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ج۱ ص ۱۲۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ جب اسباب تقدیر کو نہیں بدل سکتے، تو اُن کا ارتکاب کرنا ہی لا حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ ارتکاب کرنا بھی تقدیری احاطہ میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کے ارتکاب کرنے، نہ کرنے کا سوال ہی بے محل ہے۔ اب چاہے تو یوں سمجھ لو کہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہے، ہم کرتے وہی اسباب ہیں، اور چاہے یوں کہہ دو کہ جو اسباب بھی ہم اس عالم میں کرتے ہیں، یہ سب اُسی خفیہ تقدیر کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں۔ نتیجہ دونوں باتوں کا ایک ہی نکلتا ہے۔

حدیث 70:- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ الرِّشْكِ قَالَ: سَمِعْتُ مُطَرِّفًا يُحَدِّثُ: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ، أَوْ قِيلَ لَهُ: "أَيُعْرَفُ أَهْلُ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟". فَقَالَ: "نَعَمْ". قَالَ: "فَلِمَ يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ؟". قَالَ: "يَعْمَلُ كُلٌّ لِمَا خُلِقَ لَهُ". أَوْ "لِمَا يُيَسِّرَ لَهُ".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد، رقم 19834، 19960، 19936؛ بخاری رقم 6596، 7551؛ مسلم رقم 9-2649؛ البزار فی "مسنده" رقم 3557؛ اللالکائی فی "أصول الاعتقاد" رقم 1068، 1069؛ الطیالسی رقم 828؛ البخاری فی "خلق أفعال العباد" رقم 270، 271، 272؛ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم 413؛ أبو داود رقم 4709؛ النسائی فی "الکبری" رقم 11680؛ ابن حبان رقم 333؛ الطبرانی 18/ رقم (266)، (267)، (268)، (269)، (272)، (273)، (274)؛ أبو نعیم فی "الحلية" 294/6؛ الخطیب فی "الموضح" 470/2؛ مسند ابن الجعد رقم 1517؛ مسند الرویانی رقم 112)

حدیث 71:- حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ يَعْمَرَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ، قَالَ: غَدَوْتُ عَلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ يَوْمًا مِنَ الْأَيَّامِ فَقَالَ: "يَا أَبَا الْأَسْوَدِ! فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، أَنَّ رَجُلًا

مِنْ جُهَيْنَةَ أَوْ مِنْ مُزَيْنَةَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُونَ فِيهِ؟ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضَى عَلَيْهِمْ فِي قَدَرٍ قَدْ سَبَقَ. أَوْ فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَ مِمَّا أَتَاهُمْ بِهِ نَبِيُّهُمْ، وَأُخِذَتْ عَلَيْهِمْ بِهِ الْحُجَّةُ". قَالَ: "بَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ، وَمَضَى عَلَيْهِمْ". قَالَ: "فَلِمَ يَعْمَلُونَ إِذًا يَا رَسُولَ اللهِ؟". قَالَ: "مَنْ كَانَ اللهُ خَلَقَهُ لِوَاحِدَةٍ مِنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ يُهَيِّئُهُ لِعَمَلِهَا". وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللهِ: "وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا". [الشمس: 8]

(قوی علی شرط مسلم: مسند أحمد، رقم 19936؛ الطيالسي رقم 842، مسلم رقم 10-2650؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 174، الطبري 30/210- 211، الطبراني في "الكبير" 18/ (رقم 557)، اللالكائي في "شرح أصول الاعتقاد" رقم 950، 951، 952، 953؛ البيهقي في "الاعتقاد" ص 147-148، "شعب الايمان" رقم 186، البغوي في "تفسيره" 4/492؛ ابن حبان رقم 6182؛ الواحدي في "تفسيره" 4/497)

ترجمہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قبیلۂ جہینہ یا مزینہ کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: ''یارسول اللہ! فرمایئے! آج دنیا اپنے اعمال میں جو کچھ کر رہی ہے، کیا یہ سب کچھ اُن کی تقدیر سے پہلے طے شدہ تھا، یا جب انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر خدائی حجت اُن پر پوری کر دیتے ہیں، تو اس کے بعد لوگ اپنے اعمال کا سلسلہ کسی تقدیر کے بغیر خود شروع کر دیتے ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یوں نہیں ہے بلکہ اُن کی تمام جدوجہد طے شدہ تقدیر کے تحت ہوتی ہے''۔ چنانچہ اس کی شہادت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے:

آیت 16:۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ○ (الشمس: ۷، ۸)

ترجمہ اور نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی قسم! جس نے اسے ہموار کیا۔ پھر اس کی بدی (فجور) اور اس کی پرہیزگاری (تقویٰ) اس پر الہام کر دی۔

تشریح اس عالم میں جو کچھ نظر آ رہا ہے، یہ سب عالمِ تقدیر کی کارفرمائیاں ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَوْله تَعَالَى: "وَنَفس وَمَا سواهَا فألهمها فجورها وتقواها".

أَقُول المُرَاد بالإلهام هُنَا خلق صُورَة الفُجور فِي النَّفس كَمَا سبق فِي حَدِيث ابْن مَسْعُود. فالإلهام فِي الأَصْل خلق الصُّورَة العلمية الَّتِي يصير بهَا عَالما. ثمَّ نقل إِلَى صُورَة إجمالية هِيَ مبدأ آثَار، وَإِن لم يصر بهَا عَالما تجوزا. وَالله أعلم. (حجة الله البالغة، ج ۱ ص ۱۲۸)

ترجمہ آیت "فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا" میں الہام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نفس میں تقویٰ و فجور کی صورت پیدا فرما دیتا ہے، جیسا کہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے کہ شکمِ مادر ہی میں سعادت و شقاوت لکھ دی جاتی ہے۔ اس کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ الہام اصل میں اس صورتِ علمیہ کو کہتے ہیں جس کی بنا پر کسی کو عالم کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ صورت اجمالیہ جو آئندہ ظہورِ آثار کے لیے مبداء و منشاء ہو، الہام کے نام سے موسوم ہو جاتی ہے، خواہ اس کی بنا پر عالم کا اطلاق نہ کیا جاتا ہو۔ اس جگہ الہام کے یہی معنی مراد ہیں۔

فَقَوْلُهُ: "فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا"، إِثْبَاتٌ لِلْقَدَرِ بِقَوْلِهِ: "فَأَلْهَمَهَا"، وَإِثْبَاتٌ لِفِعْلِ الْعَبْدِ بِإِضَافَةِ الْفُجُورِ وَالتَّقْوَىٰ إِلَى نَفْسِهِ، لِيُعْلَمَ أَنَّهَا هِيَ الْفَاجِرَةُ وَالْمُتَّقِيَةُ. وَقَوْلُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا". [الشَّمْس: 9، 10]، إِثْبَاتٌ أَيْضًا لِفِعْلِ الْعَبْدِ، وَنَظَائِرُ ذٰلِكَ كَثِيرَةٌ. (شرح العقيدة الطحاوية، لابن أبي العز، ص ۴۳۹)

ترجمہ لفظ "فَأَلْهَمَهَا" (اسی نے نفس کو الہام کیا اور سکھایا) قدر (تقدیر) کی طرف اشارہ ہے، اور "فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا" میں فجور اور تقویٰ کے نفس کی طرف اضافت سے اس کے اختیار کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بندہ کا بھی کوئی فعل ضرور ہوتا ہے، جس کی بنا پر اس کا نفس فاجر یا متقی بن جاتا ہے۔ اسی طرح آئندہ آیات میں ہے:

آیت 17:۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس: ۹، ۱۰)

ترجمہ یقیناً فلاح پا گیا (کامیاب ہوا) وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا (پاک کیا)، اور نامراد ہوا

وہ جس نے اُسے دبا دیا۔ (آلودہ کیا)۔
ان آیات میں ''زَکّٰهَا'' اور ''دَسّٰهَا'' میں تزکیہ اور تدسیس کی انسان کی طرف نسبت بھی دلالت کرتی ہے کہ یہاں عبد کا بھی کچھ فعل ہوتا ہے۔
گویا تقدیر کے جبر اور بندہ کے اختیار کے فاعل ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اس کے اختیار کے ساتھ ساتھ تقدیر کا جبر بھی موجود ہے۔

12 دنیا کے واقعات کے ساتھ اُن کے اسباب بھی قضاء وقدر کے تحت ہی ہوتے ہیں

حدیث 72:۔عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يَجِيءُ بِكِ الْمَلَكُ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ. فَقَالَ لِي: هٰذِهِ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ". فَقُلْتُ: "إِنْ يَكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ". مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(مشکوۃ رقم 6188؛ بخاری رقم 3895، 5078، 5125، 7011، 7012؛ مسلم رقم 79-2438؛ مسند احمد رقم 24142، 24971، 25285؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 10747 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 7093؛ الشریعۃ للآجری رقم 1874؛ الطبرانی فی "الکبیر" 23/ (رقم 41، 42، 43)؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 13492؛ شرح السنۃ بغوی رقم 3292)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''تم مجھے خواب میں تین رات دکھائی گئیں، فرشتہ ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں تمہیں لے کر آتا، اور مجھ سے کہتا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔ تو میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا اہٹایا، تو دیکھا کہ وہ تم ہو۔ تو میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا''۔

حدیث 73:۔عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ جِبْرِيلَ جَاءَ بِصُورَتِهَا فِي خِرْقَةِ حَرِيرٍ خَضْرَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "هٰذِهِ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ". رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

(صحیح: مشکوٰۃ رقم 6191؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 1237؛ ترمذی رقم 3880؛ ابن حبان رقم 7094؛ الإسماعیلی فی "معجمه" رقم 344؛ مسند بزار رقم 226؛ معجم ابن الاعرابی رقم 2195؛ الشریعۃ للآجری رقم 1876؛ الصحیحۃ: 3011)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سبز ریشم کے کپڑے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صورت لے کر آئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: ''دنیا اور آخرت میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں''۔

تشریح انبیاء علیہم السلام کی شخصیت بھی کتنی پاکیزہ اور بلند ہوتی ہے کہ بیداری کی حالت ہو، یا خواب کی، اُمورِ تشریعیہ ہوں، یا تکوینیہ، اُن کے ذاتی معاملات ہوں، یا دوسروں کے، کسی وقت بھی اُن کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کی خواب کو بھی وحی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اب ذرا دیکھیے! یہ کیا چھوٹا سا معاملہ تھا، بات بھی خواب کی تھی، اور وہ بھی ایک ذاتی معاملہ میں، جس کا کوئی ظاہری سامان بھی نہ تھا، مگر یہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس پر اس طرح یقین رکھتی ہے جس طرح کہ اپنی بیداری کی وحی پر۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بھی اتنی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ بیداری کے بعد اس ظاہری حلیہ کا کوئی سراغ ہی لگاتے، بلکہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ کر اس کو تقدیر کے حوالہ کر دیتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ نے اس خواب کا اسی ظاہری شکل پر پورا ہونا مقدر فرما دیا ہے، تو وہ پورا ہو کر رہے گا اور اس کے اسباب بھی ہو کر رہیں گے۔

حدیث 74:۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا نَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَرَّ بِابْنِ صَيَّادٍ، فَقَالَ: "إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبْئًا". قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: "دُخٌّ". قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اخْسَأْ، فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ". فَقَالَ عُمَرُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ". قَالَ: "لَا، إِنْ يَكُنِ الَّذِي تَخَافُ، فَلَنْ تَسْتَطِيعَ قَتْلَهُ".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد، رقم 3610، 4371؛ مسلم رقم 85-2924، 86-

2924؛ أبو یعلی رقم5172، 5223؛ابن حبان رقم6783؛مصنف ابن ابی شیبہ رقم351، 37530؛ شرح مشکل الآ ثار رقم2946؛عن ابن عمر : بخاری رقم 1354، 1355، 3055، 6173، 6174، 6617؛مسلم رقم95-2930؛ مسند احمد رقم6360، 6363؛جامع معمر بن راشد رقم 20817؛الفتن لنعیم بن حماد رقم1542؛ابوداؤد رقم4329؛ترمذی رقم2249؛عن أبی سعید الخدری: مسلم رقم87-2925؛مسند احمد رقم11776؛عن جابر : مسلم88-2926؛مسند احمد رقم 14955؛ ابن عباس: بخاری رقم6172 مختصراً؛عن حسین بن علی رضی اللہ عنہ: عبد الرزاق رقم20818؛الفتن لنعیم بن حماد رقم1544؛ الطبرانی فی "الکبیر" رقم2908، 2909؛ الهیثمی فی "المجمع" 5/8 وقال: رواه الطبرانی بإسنادین، ورجال أحدهما رجال الصحیح؛ عن أبی ذر: مسند احمد رقم21319؛عن أبی الطفیل: مسند احمد رقم23796)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ چل رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن صیاد کے پاس پہنچے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ”میں نے تیرے لیے ایک بات چھپا دی ہے“۔ ابن صیاد نے کہا: ”دُخ“۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”پھٹکار ہے تجھ پر! تو اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکے گا“۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں“۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں (اسے چھوڑ دو)، اگر ابن صیاد ہی دجّال (اکبر) ہے تو تم اسے قتل نہیں کر سکو گے“۔

تشریح تقدیر کا قطعی فیصلہ اگر کہیں کسی کے لیے ٹل سکتا، تو آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر مایوس نہ کر دیا جاتا کہ تم اس بچہ کو قتل کر ہی نہیں سکتے۔ دیکھیے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانا اور تشریف لا کر دجال کو قتل کرنا تقدیر کے ان حتمی فیصلوں میں داخل ہو چکا ہے، جو اٹل ہیں۔ یہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے کی قوت آزمائی بھی بیکار ہے۔ یہ قدرت کے راز ہیں۔ اگر آج وہ کسی قید و شرط کا اظہار فرما کر اپنے اس فیصلہ کو ٹال دیتی، تو آج ہی اُمتِ محمد یہ ان تمام ہولناک مصائب سے نجات پا لیتی، جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر ذاتِ بے نیاز کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اس نے شیطان کی درخواست منظور کر لی، اور قیامت تک کے لیے اس کو طویل حیات

بخش دی۔ تقدیر کے فیصلے اسی طرح ٹلا نہیں کرتے۔ اگر کہیں ٹل سکتے، تو ایک بار ایسا نازک موقع بھی آچکا تھا جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ عالی مقام (حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ) کی روح قبض ہو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بندھی ہوئی تھیں، مگر یہاں بھی یہ سب کچھ گوارا کر لیا گیا، مگر ختمِ نبوت کے فیصلہ پر نظرِ ثانی نہیں کی گئی۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند گرامی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ اگر اس فیصلہ میں بھی کوئی قید یا کوئی شرط مستور ہوتی، تو آج سے زیادہ اس کے لیے کوئی دوسرا موقع نہ تھا۔

یہاں یہ بات کتنی قابلِ غور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب میں اب یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ لاؤ ذرا آزمائش تو کر کے دیکھوں کہ مجھ میں اس کے قتل کی طاقت ہے بھی یا نہیں، بلکہ وہ ہاتھ جو ابھی ابھی شمشیر کے قبضہ پر اس طرح رکھا ہوا تھا کہ اب اجازت ملے، تو فوراً شمشیر بے نیام کرلے۔ وہی ہاتھ اس حکم کے سننے کے بعد اس طرح مفلوج ہو چکا تھا، گویا کہ اس میں اس آزمائش کے لیے کوئی حس و حرکت ہی نہ تھی۔ جب تک قضاء وقدر پر یہ ایمان نصیب نہ ہو، اس وقت تک مؤمن بھی نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر میں جس طرح دجال کا قتل مقدر ہو چکا ہے، اس کا قاتل بھی مقدر ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ قتل تو ہو جائے، مگر ہو کسی اور سبب سے۔ نہیں وہ ضرور ہوگا اور اُسی اپنے سبب کے ذریعہ ہوگا جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ پھر جب دونوں باتیں قضاء وقدر کے تحت داخل ہو چکی ہیں، تو یہ سوال کیسے ہوسکتا ہے کہ جب تقدیر کے فیصلے اٹل ہیں، تو ہمارے مساعی کی ضرورت کیا؟ جی ہاں! اُن مساعی کا کرنا بھی آپ کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ان فیصلوں کا منصۂ شہود پر آنا۔ لہٰذا آپ کا سوال ہی مہمل ہے۔ آپ ایسے فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال فرما رہے ہیں جس کی ایک جانب پہلے سے آپ کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے۔ اس لیے اگر آپ بضد ہو کر سعی نہ کریں، تو یقین رکھیے کہ یہی جانب آپ کے مقدر میں تھی۔ لیکن چونکہ اس فعل کو اپنے اختیار ہی سے کیا ہے، اس لیے جو جبر آپ کے اختیار پر مسلط تھا (یعنی آپ کے

اختیار ہی کو اس طرف لگا دینا)۔ وہ آپ کو محسوس نہیں ہوتا۔
ابن صیاد کون تھا، اس کی تفصیلی بحث ''عقائد اہلِ السنت والجماعت (3): علاماتِ قیامت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث 75: ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى، عَنْ زَكَرِيَّاءَ هُوَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا، لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا، فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا"۔ (بخاری رقم 5152، 6600)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت کو یہ نہ چاہیے کہ وہ دوسری عورت کی طلاق کا اس نیت سے مطالبہ کرے کہ جو اس کے نصیب کا لکھا ہے، وہ بھی سب یہی حاصل کر لے، اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ جو اُس کے نصیب کا ہوگا، وہ اُسی کو ملے گا (دوسری کو نہیں مل سکتا)۔

تشریح انسانی پست ہمتی اور خست کی یہ ایک بدترین مثال ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے، تو پہلے وہ اس سے یہ شرط لگائے کہ جو عورت اس کے نکاح میں موجود ہے، اگر وہ اس کو طلاق دے دے، تو یہ اُس سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ بھی ہو صرف اس لالچ میں کہ اس صورت میں وہ شوہر کے پورے مال پر قابض رہے گی، یہاں تک کہ جو اس وقت اس کی اسلامی بہن کا حصہ ہے، وہ بھی اسی کے پاس آجائے گا۔ اسلام اپنے نفع کی خاطر دوسرے کو نقصان رسانی کی اس بدتر صورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کٹھن سبق کو یہ کہہ کر آسان کر دیتا ہے کہ سرے سے لالچ کا یہ تخیل ہی غلط ہے، کیونکہ کسی کے مقدر کا رزق دوسرے کو مل جائے، یہ ممکن ہی نہیں۔ تو پھر مفت میں اس دناءت اور خست کے اظہار کی ضرورت؟!!۔ اب آپ نے دیکھا کہ تقدیر کا مسئلہ کتنی مشکلات کا حل ہے۔ حیات و موت کا کوئی گوشہ جب انسان کے لیے لاینحل بن رہا ہو، تو تقدیر کا سبق بڑی آسانی سے اس کو حل کر دیتا ہے۔

حدیث 76: ـ حَدَّثَنَا هَاشِمٌ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "إِنَّ لِي جَارِيَةً، وَهِيَ

خَادِمُنَا وَسَانِيَتُنَا، أَطُوفُ عَلَيْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ. قَالَ: "اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ، فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا". قَالَ: فَلَبِثَ الرَّجُلُ، ثُمَّ أَتَاهُ، فَقَالَ: "إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَمَلَتْ". قَالَ: "قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا".

(صحیح علی شرط مسلم: مسند أحمد، رقم14346، 14362، 15140، 15174؛ مسلم رقم134 - 1439، 135 - 1439؛ أبو داود رقم2173؛ ابن ماجه رقم89؛ مسند ابی یعلی رقم1910؛ مسند ابن الجعد رقم2640؛ مستخرج ابی عوانہ رقم4351؛ ابن حبان رقم4194؛ مسند الشامیین طبرانی رقم1914؛ الإبانة الکبری لابن بطة رقم1434؛ السنن الصغیر بیہقی رقم2526؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم14305؛ شرح السنہ بغوی رقم2294)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: ''میری ایک باندی ہے جو میرے کام کاج کرتی ہے، اور میں اُس سے صحبت بھی کرتا ہوں۔ اس لیے مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ حاملہ ہو جائے (کیا میں عزل کر سکتا ہوں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو عزل کر لو، مگر اس کے مقدر میں جو بچہ لکھا جا چکا ہے، وہ اسے پیدا کر کے رہے گی''۔ کچھ عرصہ گزرا ہو گا کہ وہی شخص پھر حاضر ہوا اور عرض کیا: ''وہ تو حاملہ ہو گئی''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ جو بچہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے، وہ اس سے ضرور پیدا ہو کر رہے گا''۔

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر بات غیر پسندیدہ ہوتی، تو اس کی اجازت تو دیتے، مگر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر۔ مشکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر منع فرما دے تو حرمت کا مرتبہ آ سکتا ہے، اور اگر کھلی اجازت دے دے، تو یہ خلاف مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے لفظ ''إِنْ شِئْتَ'' (یعنی اگر تُو چاہتا ہے تو کر لے) فرما کر تنبیہ فرما دی کہ ہماری مرضی کی تو یہ بات نہیں۔ دوم: اس عمل کے بیکار ہونے کی طرف بھی اشارہ فرما دیا۔ حدیث کی مراد یہ نہیں ہے کہ اگر تقدیر میں اولاد مقدر ہو گی، تو مرد کے نطفہ کے بغیر بھی ہو کر رہے گی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد مقدر ہو گی تو

عزل کے بعد بھی غیر شعوری حالت میں اتنا مادہ رحم میں پہنچ جائے گا جو بچہ بننے کے لیے کافی ہوگا، اور اس طرح نوشتۂ تقدیر تو پورا ہوکر رہے گا اور یہ عمل آخرکار بیکار ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس وقت آپ ﷺ نے پھر اس کو اپنا مقولہ یاد دلایا۔

حدیث 77:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: "نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّذْرِ"۔ وَقَالَ: "إِنَّهُ لَا يَرُدُّ مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيلِ"۔

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد رقم 5275، 5592، 5994؛ بخاری رقم 6608، 6692، 6693؛ مسلم رقم 2-1639، 4-1639؛ نسائی رقم 3801، 3802، 3803؛ ابوداود رقم 3287؛ ابن ماجہ رقم 2122؛ ابن حبان رقم 4377، 4378؛ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: بخاری رقم 6609، 6694؛ مسلم رقم 5 - 1640، 6 - 1640، 7 - 1640؛ ترمذی رقم 1538؛ نسائی رقم 3804، 3805؛ ابوداود رقم 3288؛ ابن ماجہ رقم 2123؛ مسند احمد رقم 7297، 7998، 8152، 8860، 9340، 9963؛ ابن حبان رقم 4376؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 5840، 5841)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے منتیں ماننے سے روکا ہے، اور فرمایا ہے: "منتیں ماننے سے تقدیر تو بدلتی نہیں، ہاں! اس بہانہ سے بخیل آدمی کا مال اس کے قبضہ سے زبردستی نکلوا لیا جاتا ہے"۔

تشریح انسانی بخل کی بھی حد ہوگئی کہ وہ اپنے خالق کی بارگاہ میں بھی اس وقت تک مال خرچ کرنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ اس سے بھی اس کا کوئی معاوضہ وصول نہ کرلے، اور وہ بھی پیشگی، یعنی نذرونیاز ادا کرنے کا عزم بھی جب کرتا ہے، جب کہ مثلاً پہلے اس کا مریض شفایاب ہوجائے۔ حدیث کہتی ہے کہ کارکنانِ قضاء وقدر کے سامنے یہ مشروط نذرونیاز بیکار اور لاحاصل بات ہے۔ وہ طے شدہ معاملہ ہے اور اسی طرح ہوکر رہے گا۔ مشروط نذریں تقدیری فیصلوں پر ذرا برابر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ صدقہ کرنے سے بیشک کبھی بلا رد ہوجاتی ہے۔ اس لیے اگر تم یہ چاہتے ہو، تو شرط کیے بغیر صدقہ دیتے رہو۔ اگر عالمِ تقدیر میں یہ طے پاچکا ہے کہ تم صدقہ کروگے، تو یہ بلا تم سے ٹل

جائے گی، تو اِنْ شَآءَ اللہُ تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا، اور تمہارے اس بخل کا مظاہرہ بھی نہ ہوگا۔

حدیث میں جہاں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اُمور مقدرہ کے لیے اسباب بھی مقدرہ ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کا ارتکاب عبث ہے۔ عالَمِ تقدیر میں ان کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ ایسے اسباب نہیں ہیں جیسے عمر میں برکت کے لیے صدقہ۔ اس لیے ان کا ارتکاب اضاعتِ وقت کے ساتھ ساتھ حماقت بھی ہے۔ عورت کا کسی مرد سے نکاح کرنے کے لیے دوسری بی بی کے طلاق کا مطالبہ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

13 قضاء وقدر کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ نظامِ تقدیر اور نظامِ تدبیر ٹکرائے نہیں

حدیث 78: ۔حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ". قَالُوا: "وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ؟" قَالَ: "يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ مَوْتِهِ".

(صحيح على شرط الشيخين: مسند أحمد رقم 12036، 12214، 13333، 13408، 13695؛ عبد بن حميد رقم 1393؛ أبو يعلى رقم 3840، 3756؛ الآجرى فى "الشريعة" رقم 368؛ ابن أبى عاصم فى "السنة" رقم 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399؛ أبو الشيخ فى "طبقات المحدثين بأصبهان" رقم 320؛ أبو نعيم فى "أخبار أصبهان" 192/2؛ الضياء رقم 1977، 1980، 1981؛ ترمذى رقم 2142، 2143؛ ابن حبان رقم 341؛ الطبرانى فى "الأوسط" رقم 1962؛ الحاكم 1/339-340؛ البغوى رقم 4098؛ حسين المروزى فى زياداته على "زهد" ابن المبارك رقم 970؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1089؛ الاعتقاد بیہقی ص ۱۵۷، ۱۵۸؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 117)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے متعلق بھلائی کا ارادہ فرمالیتے ہیں، تو اُس سے نیک کام کرا لیتے ہیں''۔ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''نیک کام کرانے کا کیا مطلب ہے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موت سے پہلے اس کو نیک کام کرنے کی توفیق بخش دیتے ہیں''۔

شرح یعنی جنتی جنت میں، یا دوزخی دوزخ میں جائے گا تو اپنے مقدر ہی سے، مگر خانہ پُری کے لیے پہلے اس سے اعمال ویسے کرا لیے جائیں گے تاکہ دوزخ یا جنت ملے، تو ان اسباب کے ساتھ ملے، اور قضاء وقدر بھی نافذ ہو، تو اسی طرح نافذ ہو کہ عالمِ اسباب میں جو نظامِ اسباب رکھا گیا ہے، وہ درہم برہم نہ ہونے پائے۔ جب اسباب ظاہریہ قضاء وقدر کے اس طرح جزء بنے ہوئے ہوں، تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنے والے اسباب کے بیکار ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں؟!!۔

حدیث 79: ۔حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَبِي قُرَّةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ: بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ".

(حسن: مسند أحمد رقم 446، 474، 528؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29275؛ مسند عبد بن حمید رقم 54؛ سنن أبی داود، رقم 5088، 5089؛ الطیالسی رقم 79؛ "الأدب المفرد" رقم 660؛ ابن ماجہ رقم 3869؛ ترمذی رقم 3388؛ النسائی فی "الیوم واللیلة" رقم 346، 347؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 10106، 10107؛ مستدرک حاکم رقم 1895؛ مسند بزار رقم 357؛ الکنی والأسماء، للدولابی، رقم 55؛ شرح مشکل الآثار رقم 3073، 3074، 3075، 3076؛ ابن حبان رقم 852، 862؛ الدعاء للطبرانی رقم 317، 776؛ عمل الیوم واللیلة، لابن السُّنّی، رقم 44؛ حلیة الأولیاء ج ۹ ص ۴۲؛ الاسماء والصفات بیہقی رقم 2، 72؛ شرح السنہ بغوی رقم 1326)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مَوْدُودٍ، عَمَّنْ سَمِعَ، أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَعْنِي ابْنَ عَفَّانَ، يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ قَالَ بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ، فِي الْأَرْضِ، وَلَا فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَمْ تُصِبْهُ فَجْأَةُ بَلَاءٍ، حَتَّى يُصْبِحَ، وَمَنْ قَالَهَا حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثُ مَرَّاتٍ، لَمْ تُصِبْهُ فَجْأَةُ بَلَاءٍ حَتَّى يُمْسِيَ". وَقَالَ: فَأَصَابَ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ، الْفَالِجُ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ

الَّذِي سَمِعَ مِنْهُ الْحَدِيثَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: "مَا لَكَ تَنْظُرُ إِلَيَّ؟ فَوَاللهِ مَا كَذَبْتُ عَلَى عُثْمَانَ وَلَا كَذَبَ عُثْمَانُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلٰكِنَّ الْيَوْمَ الَّذِي أَصَابَنِي فِيهِ مَا أَصَابَنِي غَضِبْتُ، فَنَسِيتُ أَنْ أَقُولَهَا". (ابو داؤد رقم 5088؛ ترمذی رقم 3388؛ ابن ماجہ رقم 3869؛ ابن حبان رقم 862)

ترجمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اسے کوئی مضرت نہیں پہنچے گی اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

ترجمہ اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تشریح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی ان کے صاحبزادے حضرت ابان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان پر فالج کا حملہ ہو گیا تھا جس سے ان کا جسم متاثر تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے ایک آدمی خاص طرح کی نظر سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو رہا ہے کہ جب آپ یہ حدیث اپنے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سن چکے تھے، تو پھر آپ پر فالج کا حملہ کیسے ہو گیا؟ اس حدیث میں تو اس دعا کے صبح و شام پڑھنے والے کے لئے ہر حادثہ سے حفاظت کی ضمانت بتائی گئی ہے۔ حضرت ابان رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی سے کہا: ’’میاں دیکھتے کیا ہو؟ نہ میں غلط بیان کر رہا ہوں، نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے غلط بیان کیا تھا۔ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس میں جو وعدہ ہے وہ بھی برحق ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی معاملہ کی وجہ سے مجھے سخت غصہ تھا، اس غصہ کی حالت میں اس دن وقت پر دعا پڑھنا بھول گیا، اسی دن یہ فالج کا حملہ ہوا۔ چونکہ تقدیر الٰہی میں فالج ہونا مقرر تھا، اس لئے اس دن بھلا دیا گیا۔‘‘ حضرت ابان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بھی حدیث کے ساتھ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔ صبح شام تین دفعہ اس

دعا کا پڑھنا اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے، اور بلاشبہ اس میں آفاتِ ارضی وسماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

دیکھیے! یہ تابعی اسباب اور قضاء وقدر کا باہم ربط کتنا ٹھیک سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ بہت مختصر الفاظ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب کوئی امر ظہور پذیر ہونا مقدر ہوتا ہے، تو وہ اسباب کو توڑ کر مقدر نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے اسی کے مناسب اسباب بھی مقدر ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے لیے فالج کی بیماری مقدر ہوئی، تو یوں نہیں ہوئی کہ میں اس سے حفاظت کے اسباب تو پورے کرلوں، اور اس کے باوجود پھر فالج میں مبتلا ہو جاؤں، بلکہ یوں مقدر ہوئی کہ آج اس کے سامانِ تحفظ ہی نہ کروں، تاکہ نظامِ تقدیر اور نظامِ تدبیر دونوں کے دونوں قائم رہیں۔

حدیث 80:۔حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذَ الْعَدْلُ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَاضِي، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثنا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْخِرِّيتِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "كَانَ الْهُدْهُدُ يَدُلُّ سُلَيْمَانَ عَلَى الْمَاءِ". فَقُلْتُ: "وَكَيْفَ ذَاكَ وَالْهُدْهُدُ يُنْصَبُ لَهُ الْفَخُّ يُلْقَى عَلَيْهِ التُّرَابُ؟". فَقَالَ: "أَهْنَكَ اللهُ بِهَنِ أَبِيكَ! أَوَ لَمْ يَكُنْ إِذَا جَاءَ الْقَضَاءُ ذَهَبَ الْبَصَرُ؟".

أَخْبَرَنَاهُ أَبُو زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَنْبَرِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ، ثنا إِسْحَاقُ، أَنْبَأَ أَبُو مُعَاوِيَةَ، ثنا الْأَعْمَشُ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: "لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا" [النمل: 21]. قَالَ: "أَنْتُفُ رِيشَهُ". قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ يُوضَعُ لَهُ سِتُّ مِائَةِ أَلْفِ كُرْسِيٍّ، ثُمَّ يَجِيءُ أَشْرَافُ الْإِنْسِ حَتَّى يَجْلِسُوا مِمَّا يَلِيهِ، ثُمَّ يَجِيءُ أَشْرَافُ الْجِنِّ حَتَّى يَجْلِسُوا مِمَّا يَلِي الْإِنْسَ، ثُمَّ يَدْعُو الطَّيْرَ فَيُظِلُّهُمْ، ثُمَّ يَدْعُو الرِّيحَ فَتَحْمِلُهُمْ، فَيَسِيرُ فِي الْغَدَاةِ الْوَاحِدَةِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ فَبَيْنَمَا هُوَ يَسِيرُ فِي فَلَاةٍ إِذِ احْتَاجَ إِلَى الْمَاءِ فَجَاءَ الْهُدْهُدُ فَجَعَلَ يَنْقُرُ الْأَرْضَ فَأَصَابَ مَوْضِعَ الْمَاءِ، فَجَاءَتِ

الشَّيَاطِينُ فَسَلَخَتْ ذٰلِكَ الْمَوْضِعَ كَمَا تَسْلُخُ الْإِهَابَ فَأَصَابُوا الْمَاءَ".
فَقَالَ نَافِعُ بْنُ الْأَزْرَقِ: "يَا وَقَّافُ! أَرَأَيْتَ الْهُدْهُدَ كَيْفَ يَجِيءُ فَيَنْقُرُ الْأَرْضَ فَيُصِيبُ مَوْضِعَ الْمَاءِ وَهُوَ يَجِيءُ إِلَى الْفَخِّ وَهُوَ يُبْصِرُهُ حَتّٰى يَقَعَ فِي عُنُقِهِ؟". فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: "إِنَّ الْقَدَرَ إِذَا جَاءَ حَالَ دُونَ الْبَصَرِ". هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

[التعليق-من تلخيص الذهبي]-على شرط البخاري ومسلم

(المستدرك على الصحيحين، رقم 3525، 3526؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 31852؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، اللالكائی رقم 1228؛ القضاء والقدر، بیہقی، رقم 494؛ شعب الایمان رقم 247؛ الاحادیث المختارۃ رقم 409؛ المقاصد الحسنة، رقم 53)

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہدہد پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پانی کی موجودگی کو بتلا دیتا تھا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: ''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ تعجب ہے کہ زمین کی تہہ کا پانی تو اس کو نظر آجائے، لیکن جب بچے جال بچھا کر ایک مٹھی بھر خاک اس پر ڈال دیں، تو وہ اس کو نظر نہ آئے، اور وہ اُن کے جال میں پھنس جائے''۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تجھے فہم دے! جب قضاء آجاتی ہے، تو اسی طرح آنکھیں بیکار ہوجایا کرتی ہیں''۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفاذِ قضاء کے لیے اسباب سے غفلت یہ بھی حکمتِ تقدیر ہے۔

حدیث 81: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ، وَعُمَرُ بْنُ شَبَّةَ بْنِ عَبِيدَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا كَانَ أَجَلُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ أَوْثَبَتْهُ إِلَيْهَا الْحَاجَةُ، فَإِذَا بَلَغَ أَقْصَى أَثَرِهِ قَبَضَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ، فَتَقُولُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَبِّ هٰذَا مَا اسْتَوْدَعْتَنِي".

(صحیح: سنن ابن ماجه، رقم 4263؛ التفسير من سنن سعيد بن منصور رقم 894؛ قال الحاكم: قَدِ احْتَجَّ الشَّيْخَانِ بِرُوَاةِ هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ آخِرِهِمْ. وقال الذهبي: على

شرطهما: مستدرک حاکم رقم122، 123، 124، 1358؛البیهقی فی "شعب الإیمان" 9423؛هٰذَا إِسْنَاد صَحِيح رِجَاله ثِقَات: مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه رقم5251؛ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم392؛الطبرانی فی "المعجم الکبیر" رقم 10403؛صَحِيح الْجَامِع:رقم311، الصَّحِيحَة:رقم1221)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کی موت کسی جگہ مقدر ہوتی ہے، تو اس کی کوئی ضرورت ادھر متعین ہو جاتی ہے۔ پھر جب وہ شخص اس کے لیے وہاں جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض فرما لیتے ہیں۔ پھر وہ زمین قیامت کے دن کہے گی: اے میرے رب! یہ ہے وہ امانت جو تُو نے میرے سپرد کی تھی''۔

حدیث82:۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ، حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قَضَى اللهُ مِيتَةَ عَبْدٍ بِأَرْضٍ، جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً"۔

(صحیح لغیرہ:مسند أحمد رقم21983، 21984؛ترمذی رقم2146؛معجم اوسط رقم 2146؛ البخاری فی "التاریخ الکبیر" 400/7؛ابن قانع فی "معجم الصحابة" 119/3، 120/3؛ الطبرانی فی "الکبیر" 20/ رقم(807، 808)؛القضاعی فی "مسند الشهاب" رقم1396؛قال الحاکم: عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ:قال الذهبی: علی شرطهما: مستدرک حاکم رقم125، 126، 1359؛ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۴۶)

ترجمہ حضرت مَطَرُ بْنُ عُكَامِسٍ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی کی موت کسی سرزمین میں لکھ دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی ضرورت وہاں متعین فرما دیتے ہیں''۔

حدیث83:۔حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ أَبِي عَزَّةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا أَرَادَ قَبْضَ رُوحِ عَبْدٍ بِأَرْضٍ، جَعَلَ لَهُ فِيهَا - أَوْ قَالَ:

بِهَا حَاجَةً".

(صحیح، رجاله ثقات رجال الشیخین غیر صحابیه: مسند أحمد رقم 15539؛ قال الحاکم: هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَرُوَاتُهُ عَنْ آخِرِهِمْ ثِقَاتٌ، ووافقه الذهبی: مستدرک حاکم رقم 127؛ التفسیر من سنن سعید بن منصور رقم 896؛ ترمذی رقم 2147؛ ابن حبان رقم 6151،706؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 1422؛ مسند ابی یعلی رقم 927؛ البخاری فی "الأدب المفرد" رقم 780، 1282؛ "تاریخ الکبیر" 8/419-420؛ ابن أبی عاصم فی "الآحاد والمثانی" رقم 1069؛ البزار فی "الزوائد" (2154)؛ الدولابی فی "الکنی" رقم 267؛ القضاعی فی "مسنده" رقم 1392، 1393، 1394؛ الطبرانی فی "الکبیر" 22/ رقم (706)(707)، (708)؛ ابن عدی فی "الکامل" 4/1634؛ أبو نعیم فی "الحلیة" 8/374؛ الصحیحة: رقم 1221)

ترجمہ حضرت أَبُوْ عَزَّةَ (یسار بن عبدٍ الهذلی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی موت کسی جگہ مقدر فرمادیتے ہیں، تو اس جگہ اس کو کوئی ضرورت پیدا فرمادیتے ہیں (جس کے پورا کرنے کے لیے وہ جاتا ہے اور اس ذریعہ سے وہ اپنی موت کی جگہ جا پہنچتا ہے)''۔

تشریح ان احادیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عالم میں بعض واقعات محض اسباب کا بھرم قائم رکھنے کے لیے پیش آتے ہیں۔ اگر تقدیر عالمِ اسباب کو توڑ کر سامنے آجائے، تو اسباب کی تاثیر کا سارا راز فاش ہو جائے۔ دیکھیے! آدمی سفر کرتا ہے اپنی ضرورت کی خاطر، اُدھر تقدیر کھینچتی ہے موت کی خاطر۔ ظاہر میں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہاں آنا ہوا تھا ایک ضرورت کے لیے۔ اس لیے یہاں موت آگئی، اور تقدیر یہ کہتی ہے کہ چونکہ موت ہی یہاں کی مقدر تھی، اس لیے یہاں آنا ہوا۔ پہلی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال رہ رہ کر آسکتا ہے کہ اگر کاش یہ شخص یہاں نہ آتا، تو موت اپنے وطن ہی میں آتی اور موتِ غربت سے بچ جاتا۔ لیکن دوسری صورت میں اس خیال کی بجائے دل میں یہ جزم حاصل ہوتا ہے کہ جب موت یہاں کی مقدر تھی تو یہ اپنے وطن میں رہتا کیونکر؟!!

حدیث 84: ـ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ أَنَّهُ قَالَ: "كَانَ صَدِيقًا لِأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَكَانَ أُمَيَّةُ إِذَا مَرَّ بِالْمَدِينَةِ نَزَلَ عَلَى سَعْدٍ، وَكَانَ سَعْدٌ إِذَا مَرَّ بِمَكَّةَ نَزَلَ عَلَى أُمَيَّةَ. فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ انْطَلَقَ سَعْدٌ مُعْتَمِرًا، فَنَزَلَ عَلَى أُمَيَّةَ بِمَكَّةَ. فَقَالَ لِأُمَيَّةَ: "انْظُرْ لِي سَاعَةَ خَلْوَةٍ لَعَلِّي أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ". فَخَرَجَ بِهِ قَرِيبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ، فَلَقِيَهُمَا أَبُو جَهْلٍ، فَقَالَ: "يَا أَبَا صَفْوَانَ! مَنْ هٰذَا مَعَكَ؟". فَقَالَ: "هٰذَا سَعْدٌ". فَقَالَ لَهُ أَبُو جَهْلٍ: "أَلَا أَرَاكَ تَطُوفُ بِمَكَّةَ آمِنًا، وَقَدْ أَوَيْتُمُ الصُّبَاةَ، وَزَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ تَنْصُرُونَهُمْ وَتُعِينُونَهُمْ، أَمَا وَاللهِ! لَوْلَا أَنَّكَ مَعَ أَبِي صَفْوَانَ مَا رَجَعْتَ إِلَى أَهْلِكَ سَالِمًا". فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ وَرَفَعَ صَوْتَهُ عَلَيْهِ: "أَمَا وَاللهِ! لَئِنْ مَنَعْتَنِي هٰذَا لَأَمْنَعَنَّكَ مَا هُوَ أَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ طَرِيقَكَ عَلَى الْمَدِينَةِ". فَقَالَ لَهُ أُمَيَّةُ: "لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ! عَلَى أَبِي الْحَكَمِ، سَيِّدِ أَهْلِ الْوَادِي". فَقَالَ سَعْدٌ: "دَعْنَا عَنْكَ، يَا أُمَيَّةُ! فَوَاللهِ! لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّهُمْ قَاتِلُوكَ". قَالَ: "بِمَكَّةَ؟". قَالَ: "لَا أَدْرِي". فَفَزِعَ لِذٰلِكَ أُمَيَّةُ فَزَعًا شَدِيدًا، فَلَمَّا رَجَعَ أُمَيَّةُ إِلَى أَهْلِهِ، قَالَ: "يَا أُمَّ صَفْوَانَ! أَلَمْ تَرَىْ مَا قَالَ لِي سَعْدٌ؟". قَالَتْ: "وَمَا قَالَ لَكَ؟". قَالَ: "زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُمْ قَاتِلِيَّ". فَقُلْتُ لَهُ: "بِمَكَّةَ؟". قَالَ: "لَا أَدْرِي". فَقَالَ أُمَيَّةُ: "وَاللهِ! لَا أَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ". فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ اسْتَنْفَرَ أَبُو جَهْلٍ النَّاسَ، قَالَ: "أَدْرِكُوا عِيرَكُمْ؟". فَكَرِهَ أُمَيَّةُ أَنْ يَخْرُجَ، فَأَتَاهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ: "يَا أَبَا صَفْوَانَ! إِنَّكَ مَتَى مَا يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ، وَأَنْتَ سَيِّدُ أَهْلِ الْوَادِي،

تَخَلَّفُوا مَعَكَ". فَلَمْ يَزَلْ بِهِ أَبُو جَهْلٍ حَتَّى قَالَ: "أَمَّا إِذْ غَلَبْتَنِي، فَوَاللهِ! لَأَشْتَرِيَنَّ أَجْوَدَ بَعِيرٍ بِمَكَّةَ". ثُمَّ قَالَ أُمَيَّةُ: "يَا أُمَّ صَفْوَانَ! جَهِّزِينِي". فَقَالَتْ لَهُ: "يَا أَبَا صَفْوَانَ! وَقَدْ نَسِيتَ مَا قَالَ لَكَ أَخُوكَ الْيَثْرِبِيُّ؟". قَالَ: "لَا، مَا أُرِيدُ أَنْ أَجُوزَ مَعَهُمْ إِلَّا قَرِيبًا". فَلَمَّا خَرَجَ أُمَيَّةُ أَخَذَ لَا يَنْزِلُ مَنْزِلًا إِلَّا عَقَلَ بَعِيرَهُ، فَلَمْ يَزَلْ بِذٰلِكَ حَتَّى قَتَلَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِبَدْرٍ".

(بخاری رقم 3950، 3632؛ مسند احمد رقم 3794، 3795)

ترجمہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کا اور اُمیّہ بن خلف کا باہم دوستانہ تھا۔ جب کبھی اُمیہ مدینہ طیبہ آتا، تو اِن کا مہمان بنتا۔ جب یہ مکہ مکرمہ جاتے تو اس کے مہمان ہوتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے، تو ایک بار حضرت سعد رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے اور حسبِ قاعدہ اُمیہ کے مہمان ہوئے۔ اُس سے کہا: ''ذرا دیکھنا، کوئی خالی سا وقت ملے، تو مجھے بیت اللہ کا طواف کرنا ہے''۔ دوپہر کے وقت یہ طواف کے لیے نکلے۔ اتفاقاً ابوجہل کی ان دونوں سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا: ''ابوصفوان! (اُمیہ کی کنیت ہے)، یہ تمہارے ساتھ کون آدمی ہے؟''۔ اُس نے کہا: ''حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں''۔ اس پر ابوجہل بولا: ''میں دیکھ رہا ہوں، تم بڑے اطمینان سے بیت اللہ کا طواف کر رہے ہو، حالانکہ تم نے اُن لوگوں کو جو یہاں سے اپنا آبائی دین چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے، اور تمہارا گھمنڈ یہ ہے کہ جنگ میں تم ان کی مدد بھی کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے، تو اپنے گھر زندہ نہیں جاسکتے تھے''۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ برہم ہوکر ذرا بلند آواز سے بولے: ''اللہ کی قسم! اگر تُو مجھ کو طواف سے روکے گا، تو میں تجھ کو ایسی بات سے روکوں گا جو اس سے

زیادہ تجھ پر شاق ہوگی، یعنی اہلِ مدینہ کی طرف سے تیرا تجارتی راستہ بند کر دوں گا"۔ اُمیہ نے کہا: "دیکھو، سعد! اِن سے ایسی تیز گفتگو نہ کرو۔ آخر یہ بھی اس وادی کے سردار ہیں"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اُمیہ سے مخاطب ہو کر کہا: "بس، آپ بھی رہنے دیجیے۔ اللہ کی قسم! میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ وہ تم کو قتل کریں گے"۔ اُمیہ بولا: "ارے کیا مکہ میں؟"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ تو مجھے معلوم نہیں"۔ اُمیہ نے کہا: "اللہ کی قسم! میں مکہ سے کہیں باہر نکلوں گا ہی نہیں"۔ اس گفتگو کے بعد جب غزوۂ بدر کی نوبت آئی، تو ابو جہل نے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا، اور یہ تقریر کی: "تمہارا تجارتی قافلہ روک لیا گیا ہے۔ لوگو! تم اُس کی خبر لو"۔ لیکن اُمیہ کو جنگ کے لیے نکلنا سخت ناگوار تھا۔ ابو جہل کو جب یہ احساس ہوا، تو وہ اس کے پاس آیا اور سمجھانے لگا: "ابوصفوان! دیکھیے! آپ اس وادی کے سردار ہیں، جب لوگ آپ ہی کو دیکھیں گے کہ آپ جنگ سے ہٹ رہے ہیں، تو وہ بھی آپ کے ساتھ ہی رہ جائیں گے"۔ ابو جہل اس کو برابر سمجھاتا رہا، یہاں تک کہ وہ بولا: "اچھا بھئی! جب تم میرا پیچھا چھوڑتے ہی نہیں، تو دیکھو! میں مکہ مکرمہ میں جو سب سے اعلیٰ اونٹ ہوگا، وہ خریدتا ہوں"۔ اس کے بعد اپنی بیوی اُمّ صفوان سے کہا: "سامانِ سفر تیار کر"۔ اس نے کہا: "ابوصفوان! کیا وہ بات جو تمہارے یثربی بھائی (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) نے تمہارے متعلق کہی تھی، بھول گئے ہو"۔ ابوصفوان نے کہا: "نہیں، مگر میرا ارادہ ان کے ساتھ صرف ایک دو دن ہی رہنے کا ہے"۔ یہ انتظام کر کے جب اُمیہ جنگ کے لیے نکلا، تو جس پڑاؤ پر ٹھہرتا، اپنا اونٹ پاس ہی باندھتا (تاکہ ذرا خطرہ ہو، اور اونٹ پر بیٹھ بھاگ لے)۔ یہ انتظامات وہ برابر کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں اس کو ہلاک کیا"۔

14 قضاء وقدر کا اعتقاد اسباب کے ارتکاب سے نہیں روکتا، بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے

حدیث 85:۔حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْعَبَّاسِ، قَالَا: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي بَحِيرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ سَيْفٍ، عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَمَّا أَدْبَرَ: "حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رُدُّوا عَلَيَّ الرَّجُلَ". فَقَالَ: "مَا قُلْتَ؟". قَالَ: قُلْتُ: "حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ يَلُومُ عَلَى الْعَجْزِ، وَلَكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ، فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ: حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ".

(مسند أحمد رقم 23983؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 10387؛ الطبرانی فی "الکبیر" 18/ رقم (97)، (139)؛ "مسند الشامیین" رقم 1182؛ أبو داود رقم 3627؛ النسائی فی "عمل الیوم واللیلۃ" رقم 626؛ البزار فی "مسندہ" رقم 2749؛ ابن السنی فی "عمل الیوم واللیلۃ" رقم 349؛ البیهقی فی "السنن الکبریٰ" رقم 20725؛ "شعب الایمان" رقم 1162؛ مشکوۃ رقم 3784)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے ایک معاملہ میں فیصلہ فرمایا۔ پھر جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، جب وہ پشت پھیر کر چلنے لگا، تو اُس نے (افسوس کے ساتھ) کہا: ''حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ'' (مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے)۔ یہ سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص کو میرے پاس واپس لاؤ''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''تو نے کیا کہا ہے؟''۔ اس شخص نے کہا: ''میں نے ''حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ'' کہا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سعی وکوشش نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے، اس لیے

ہمیشہ پہلے اپنے معاملات میں دانائی سے کام لیا کر، پھر اس کے بعد بھی حالات خلاف ہو جائیں، تو اُس وقت: ''حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' پڑھا کر''۔

تشریح سبحان اللہ! تقدیر کا سبق دینے والے تو تدبیر میں ادنیٰ سے تساہل کا نام بھی عجز رکھیں۔ اس کو نفرت سے دیکھیں، اور دانائی و ہوش سے کام لینے کی سخت تاکید فرمائیں، اور جب تمام کوششیں پوری کرنے کے بعد بھی گھٹنے ٹک جائیں، اس کے بعد اپنی تسلی کے لیے تقدیر کو یاد کرنے کی ہدایت فرمائیں، اور لوگ سمجھیں کہ آپ خود گھٹنے توڑ کر بیٹھ رہنے، اسباب کو یکسر معطل کر ڈالنے کے عقیدہ کی تعلیم دے رہے ہیں!!۔

حدیث 86: ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيبٍ، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ".

(مسند أحمد رقم 17123؛ ابن المبارك في "الزهد" رقم 171، الطيالسي رقم 1218؛ حَدِيثٌ حَسَنٌ: ترمذی رقم 2459؛ الطبراني في "الكبير" رقم 7141، 7143؛ "مسند الشاميين" رقم 463، 1485؛ "معجم الصغير" رقم 863؛ أبو نعيم في "الحلية" 267/1، 174/8؛ القضاعي في "مسند الشهاب" رقم 185؛ البيهقي في "السنن الكبرىٰ" رقم 6514؛ "شعب الايمان" رقم 10062؛ الخطيب في "التاريخ" 50/12؛ البغوي في "شرح السنة" رقم 4116، 4117؛ البغوي في "التفسير" 305/2؛ ابن ماجه رقم 4260؛ البيهقي في "الآداب" رقم 812؛ مسند بزار رقم 3489؛ الحاكم: قال: "صحيح على شرط البخاري". وتعقبه الذهبي بقوله: "لا والله! أبو بكر -ابن أبي مريم الغساني- واه". وفي موضع آخر، قال: "صحيح الإسناد". وأقره الذهبي: مستدرک حاکم رقم 191، 7639؛ معجم ابن عساکر رقم 354؛ مشكوٰة رقم 5289؛ الضعيفة: رقم 5319)

ترجمہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''درحقیقت دانا شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنا تابع دار بنالیا، اور اپنی موت

کے بعد کی زندگی کے لیے سامان کیا، اور درماندہ شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو تو اُس کی خواہشات کے تابع رکھا، اور اس پر لگا اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھنے"

تشریح یہ حدیث کہتی ہے کہ جو جد وجہد کے میدان میں سرگرمی دکھا رہا ہے، وہ دانا ہے، اور جو اسباب اختیار کیے بغیر بیٹھا ہوا ہے، اور اس بے عملی میں پڑا ہوا بڑی بڑی تمناؤں میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ متبعِ نفس اور درماندہ انسان ہے۔ پھر مخالفین کو یہ شبہ کیسے پیدا ہو گیا کہ عقیدۂ تقدیر ہی اُمتِ مسلمہ کے عملی ضعف کا باعث بنا ہوا ہے، اور اسی لیے یہ اُمت دنیوی ترقیات میں سب سے پیچھے رہ گئی ہے۔ یہاں دنیوی ترقیات میں پیچھے رہ جانا تو صحیح ہے مگر اس کا سبب ہے کیا؟ اس کے جواب میں ہر شخص کا جواب مختلف ہے۔ منکرِ تقدیر تو تقدیر پر اعتماد سمجھتا ہے۔ سود خور یہ کہتا ہے کہ سود نہ لینا اس کا سبب ہے۔ کیمونسٹ کہتا ہے کہ اس کسل کا اصل راز مذہب کی افیم کھانا ہے۔ یہاں اسلام بھی کچھ کہتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اصل سبب (دین) جس کے دامن سے وابستہ ہو کر بامِ عروج پر پہنچے تھے، اسی کو چھوڑ بیٹھنا ہے۔

حدیث 87:۔ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: يَعْنِي أَبَا عَاصِمٍ قَالَ أَبِي: وَلَا أَدْرِي مَنْ هُوَ يَعْنِي نَافِعًا هٰذَا قَالَ: كُنْتُ أَتَّجِرُ إِلَى الشَّامِ - أَوْ إِلَى مِصْرَ - قَالَ: فَتَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، فَقُلْتُ: "يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! إِنِّي قَدْ تَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ". فَقَالَتْ: "مَا لَكَ وَلِمَتْجَرِكَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِذَا كَانَ لِأَحَدِكُمْ رِزْقٌ فِي شَيْءٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهُ، أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ". فَأَتَيْتُ الْعِرَاقَ، ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَيْهَا، فَقُلْتُ: "يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! وَاللهِ! مَا رَدَدْتُ الرَّأْسَ مَالِ". فَأَعَادَتْ عَلَيْهِ الْحَدِيثَ - أَوْ قَالَتِ الْحَدِيثُ كَمَا حَدَّثْتُكَ.

(مسند أحمد رقم 26092؛ البخاری فی "التاریخ الکبیر" 85/8؛ ابن ماجه رقم 2148؛ البیهقی فی "شعب الإیمان" رقم 1186، 1187؛ "الآداب" للبیهقی رقم 963؛ المزی فی "تهذیبه" 9/313-314؛ مشکوٰة رقم 2785)

ترجمہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنا سامانِ تجارت ملکِ شام اور مصر کی طرف لے جایا کرتا تھا۔ پھر ایک مرتبہ میں نے عراق کے لیے سامانِ تجارت تیار کیا۔ پھر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: ''اے اُمّ المؤمنین! میں نے عراق کے لیے سامانِ تجارت لے جانے کا پروگرام بنایا ہے''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (ایسا نہ کر!) آخر تم نے اپنی پہلی تجارت گاہ میں کیا نقصان دیکھا (جو دوسری بدل رہے ہو؟)، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی کی روزی کسی حیلہ سے لگا دے، تو جب تک وہ صورت خود ہی نہ بدل جائے، اس وقت تک اس کو ترک نہ کرنا چاہیے''۔ پھر میں عراق آیا۔ اس کے بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے عرض کیا: ''اے اُمّ المؤمنین! اللہ کی قسم! میں تو راس المال (اصل رقم) بھی لے کر واپس نہیں آیا''۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہی حدیثِ نبوی سنادی۔

تشریح اس حدیث کو بار بار پڑھیے۔ اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ تیری یہ شکایت کرنا ہی غلط ہے۔ تیری قسمت میں اس مرتبہ تھوڑا ہی رزق ہوگا۔ اگر شام جاتا تو بھی تجھ کو تھوڑا ہی نفع ہوتا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جن ممالک میں تجارت فائدہ بخش ہو چکی ہو، اس کو ترک کرنا اسبابِ ظاہریہ کے بھی خلاف ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ آمد و رفت کی جگہ آدمی کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے اور بھی تجارتی منافع ہو جاتے ہیں۔ اجنبی جگہ میں نہ انسان کی معرفت ہوتی ہے، نہ وہ تجارتی منافع۔ تو پھر بے وجہ تقدیر آزمائی کی ضرورت؟ جتنی بات تقدیر کے حق میں ہم پر لازم قرار دی گئی ہے، وہ اس پر ایمان رکھنا ہے یعنی یہ سمجھ لینا کہ ہماری ہر نقل و حرکت سب سے پہلے لکھی جا چکی ہے، مگر اس طویل دفتر میں سے ہمیں علم ایک شوشہ کا بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے عملی طور پر ہم کو صرف صحیح طور پر جدوجہد کرتے رہنے کا ہی مکلف بنایا گیا ہے۔

غور فرمائیے! یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کس طرح اسباب اور قضاء وقدر دونوں کے اسرار لپیٹے ہوئے ہیں۔ رزق کا معاملہ چونکہ مقدرات میں داخل ہے، مگر

ہے اپنے اسباب کے ساتھ۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ رزق کا سبب ہونا تو ضروری ہے مگر اس کو سبب بنانے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔ اب سبب پر تو نظر کرنا اور مُسبِّب سے قطع نظر کرنا، یہ کس درجہ ناانصافی اور احسان فراموشی کی بات ہے۔ پھر جب اُس نے تمہاری روزی کا کوئی سبب پیدا فرمادیا ہے، تو اب اچھی خاصی لگی لگائی روزی پر لات مارنا بھی کتنی ناشکری ہے۔ ناشکری کی جزاء یہی ہے کہ دی ہوئی نعمت لے لی جائے۔ حدیث کا ہر ہر جملہ اس کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کو جوامع الکلم مرحمت ہوئے ہیں۔ عمیق حقائق کو اس طرح سادے سادے الفاظ میں، پھر اتنی بے تکلفی اور برجستگی سے بیان کیا۔ یہی ایک کمال آپ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے کافی نہیں ہے؟!

حدیث 88:۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا كُنَّا فِي دَارٍ كَثِيرٌ فِيهَا عَدَدُنَا، وَكَثِيرٌ فِيهَا أَمْوَالُنَا، فَتَحَوَّلْنَا إِلَى دَارٍ أُخْرَى، فَقَلَّ فِيهَا عَدَدُنَا، وَقَلَّتْ فِيهَا أَمْوَالُنَا". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ذَرُوهَا ذَمِيمَةً".

(حسن: سنن أبي داود رقم 3924؛ البخاري في "الأدب المفرد" رقم 918؛ الطبري في مسند علي من "تهذيب الآثار" رقم 68؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم 16528؛ مشکوۃ رقم 4589؛ الصَّحِيحَة: رقم 790؛ صحيح الأدب المفرد رقم 709/918)

مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ: "يَا رَسُولَ اللهِ! دَارٌ سَكَنَّاهَا، وَالْعَدَدُ كَثِيرٌ، وَالْمَالُ وَافِرٌ، فَقَلَّ الْعَدَدُ، وَذَهَبَ الْمَالُ". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "دَعُوهَا ذَمِيمَةً".

(مؤطا امام مالک رقم 3567/793؛ الجامع فی الحدیث لابن وھب رقم 647)

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے عرض کیا: "یارسول اللہ! پہلے ہم ایک ایسے مکان میں رہتے تھے جس میں ہماری جانوں اور ہمارے اموال، دونوں میں برکت ہوئی۔ اب جو دوسرے مکان میں آئے ہیں، تو وہاں جان و مال دونوں

میں گھاٹا ہو رہا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسے خراب کو چھوڑ دو"۔

تشریح یہ وہ برکت و نقصان نہیں، جو زمانۂ جاہلیت کے قدیم لوگ صرف کسی مکان کا اثر سمجھا کرتے تھے، خواہ وہ کتنا ہی بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو، یا آج بھی جیسا بعض ضعیف الاعتقاد نحوست وغیرہ کے قائل ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ برکت و نحوست ہے جو مکان کے محل وقوع یا اُس کی ناموزونیت یا اُس کے تعمیری سُقم سے عالمِ اسباب کے تحت پیدا ہونی ناگزیر ہے۔ قضاء و قدر کا اعتقاد یہ تعلیم نہیں دیتا کہ رہائش کے لیے ایسا مکان انتخاب کیا جائے جس میں وسعت نہ ہو، نہ آمد و برآمد ہو، اور نہ اس کا محلِ وقوع ہی مناسب ہو۔ انسان کو دنیا میں مختار بنایا گیا ہے اور اعمالِ شرعیہ کا مطالبہ اس کے اسی اختیار کی بنا پر ہے۔ پس جس طرح وہ اچھے اعمال کرنے اور بُرے اعمال کے نہ کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اپنی دنیوی زندگی میں بھی اس کو ان دونوں راہوں کا امتیاز لازم ہے۔

حدیث 89:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَحِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ، سَمِعَ فَرْوَةَ بْنَ مُسَيْكٍ الْمُرَادِيَّ، قَالَ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَرْضًا عِنْدَنَا يُقَالُ لَهَا: أَرْضُ أَبْيَنَ هِيَ أَرْضُ رِيفِنَا، وَمِيرَتِنَا، وَإِنَّهَا وَبِئَةٌ - أَوْ قَالَ: إِنَّ بِهَا وَبَاءً شَدِيدًا -". فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعْهَا عَنْكَ، فَإِنَّ الْقَرَفَ التَّلَفُ".

(مسند أحمد، رقم 15742؛ عبد الرزاق في "المصنف" رقم 20162؛ أبو داود رقم 3923؛ البيهقي في "السنن الكبرى" رقم 19582؛ "شعب الايمان" رقم 1302؛ ابن قانع في "معجم الصحابة" 337/2؛ أبو نعيم في "الصحابة" رقم 5657؛ الطب النبوي، لأبي نعيم، رقم 144؛ المزي في "تهذيب الكمال" 23/ 177؛ الحربي في "الغريب" 2/ 365؛ أبو الشيخ في "الأمثال" رقم 305؛ مشكوة رقم 4590؛ الضعيفة: رقم 1720)

ترجمہ حضرت فَرْوَةُ بْنُ مُسَيْكٍ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہماری ایک زمین ہے جس کا نام "أَبْيَنَ" ہے۔ ہمارے کھانے پینے اور کھیتی کی جگہ وہی ہے، لیکن وہاں کی آب و ہوا بہت خراب ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو

چھوڑ دو، کیونکہ ایسی جگہ بود و باش رکھنے سے جان کا نقصان ہوتا ہے"۔

تشریح وبائی امراض اچھی آب و ہوا کے ملکوں میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا حکم اُن علاقوں سے بالکل علیحدہ ہے جن کی آب و ہوا مستقلاً خراب ہو۔ اس حدیث نے درمیانی راہ تعلیم دی کہ انسان کو نہ تو اتنا ضعیف الاعتقاد ہونا چاہیے کہ اگر اچھی آب و ہوا کے ملک میں اتفاقاً کوئی وبائی مرض آجائے، تو وہاں سے بھاگ پڑے، اور نہ اتنا جامد ہونا چاہیے کہ بود و باش ہی ایسے ملک میں رکھے جہاں کی آب و ہوا ہلاکت کا باعث ہو۔ بندہ مختار ہے اور قضاء وقدر کے تحت بھی ہے۔ ان دونوں اعتقادوں کا ثبوت اس کے عمل سے ظاہر ہونا چاہیے۔ پس خراب آب و ہوا میں رہنا اس کے تقدیر پر اعتقاد کی پختگی کا ثبوت ہے۔ مگر اس عالمِ اسباب میں انسانی اختیار کی نفی کرنا ہے اور اچھے مقام سے وبائی امراض میں بھاگ اُٹھنا صرف اس کے مختار ہونے کا ثبوت ہے، مگر قضاء وقدر پر اس کے اعتقاد کی نفی کرتا ہے۔ اس عالمِ اسباب میں اعتدال کی راہ درمیان کی راہ ہے، نہ خراب آب و ہوا میں بود و باش رکھو، اور نہ اتفاقی وبا سے ڈر کر بھاگ نکلو۔

حدیث90:۔حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ، وَخُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالُوا: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ هٰذَا الطَّاعُونَ رِجْزٌ، أَوْ بَقِيَّةٌ مِنْ عَذَابٍ عُذِّبَ بِهِ قَوْمٌ قَبْلَكُمْ، فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ، وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا فِرَارًا مِنْهُ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ فِي أَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِ".

(صحیح علی شرط الشیخین:مسند أحمد، رقم1577، 21860؛ مؤطا مالک رقم3330/ 674؛ مؤطا امام محمد رقم955؛ مسند ابن ابی شیبہ رقم14، 171؛ بخاری رقم3473، 5728، 6974؛ مسلم رقم92 - 2218، 93 - 2218، 94 - 2218، 95 - 2218، 96 - 2218، 97 - 2218؛ ترمذی رقم1065؛ عبد بن حمید رقم155؛ النسائی فی "الکبری" رقم7481، 7483؛ أبو یعلی رقم728؛ اللالکائی فی "أصول الاعتقاد" رقم1193؛ الدورقی رقم78؛

البخاری فی "التاریخ الکبیر" 288/1؛ البزار فی "مسندہ" رقم 2607؛ ابن قانع فی "معجم الصحابۃ" 10/1؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9747، 9753، 9761، 9762، 9764 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ شرح معانی الآثار رقم 7043؛ ابن حبان رقم 2952؛ معجم کبیر طبرانی رقم 403، 3745؛ السنن الواردۃ فی الفتن للدانی رقم 352، 353؛ الآداب بیہقی رقم 352؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 6559؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1443؛ مشکوۃ رقم 1548)

ترجمہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ طاعون اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، یا تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیے گئے عذاب کا باقی ماندہ حصہ ہے۔ لہٰذا جب طاعون اس جگہ آ جائے، جہاں تم رہتے ہو، تو طاعون کے خوف سے بھاگ کر نہ جاؤ، اور جب تم کسی جگہ طاعون کی وبا سنو، تو وہاں نہ جاؤ''۔

تشریح اس حدیث میں ''فِرَارًا مِنْهُ'' کی قید بہت زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔ وبا زدہ علاقہ سے نکلنا اگر کسی اتفاقیہ ضرورت سے ہو، تو وہ ممنوع نہیں، جس بات سے روکا گیا ہے، وہ بندہ کا ایسا عمل ہے جو قضاء وقدر کی تکذیب کرتا ہو۔ طاعون کے خوف سے بھاگنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیر سے یا تو تقدیرِ الٰہی کو بدل دے گا، یا اُس کے نزدیک یہ معاملہ قضاء وقدر کے تحت ہی نہیں ہے۔ لیکن جس کا اعتقاد یہ ہو کہ اس کی موت وحیات سے لے کر اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی کاتبِ تقدیر کے قلم کے تحت آ چکی ہے، اور اس کا اعتقاد بھی ہو کہ کسی صورت میں بھی اس کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں، وہ وبا زدہ علاقہ سے ڈر کر ہرگز ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ دین اسلام میں اعتقاد کے ساتھ ضرورت، اسباب اور انسانی ضعف کی اس حد تک رعایت کر لی گئی ہے جس سے اس اعتقاد کی تکذیب لازم نہ آتی ہو۔

حدیث 91:۔ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا النَّهَّاسُ، عَنْ شَيْخٍ بِمَكَّةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ"۔

(صحیح: مسند أحمد رقم 9722؛ الادب لابن ابی شیبہ رقم 179؛ مصنف لابن ابی شیبہ رقم

24543، 26408؛ علقه البخاری رقم 5707؛ البغوی رقم 3247؛ الأمثال فی الحدیث النبوی، لأبی الشیخ الأصبهانی رقم 163؛ السنن الصغیر بیہقی رقم 2514؛؛ البخاری فی "التاریخ الکبیر" 139/1؛ "التاریخ الأوسط" 76/2؛ البیهقی 218/7، والخطیب فی "تاریخه" 317/2؛ صحیح الجامع: 7530، الصَّحِیحَة: 783)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے: ''مجذوم شخص سے ایسے بھاگو، جیسے شیر سے بھاگتے ہو''۔

حدیث 92:۔ حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ فِي وَفْدِ ثَقِيفٍ رَجُلٌ مَجْذُومٌ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ارْجِعْ فَقَدْ بَايَعْتُكَ"۔

(صحیح علی شرط مسلم: مسند أحمد رقم 19474، 19468؛ مسلم رقم 126 – 2231؛ نسائی رقم 4182؛ ابن ماجہ رقم 3544؛ الطیالسی رقم 1270؛ الطبرانی فی "الکبیر" رقم 7247؛ النسائی فی "الکبری" رقم 7546، 7757، 8662؛ الأدب لابن أبی شیبة رقم 177؛ مسند ابن أبی شیبة رقم 909؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 24542، 26406؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9865 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ الخلافیات بیہقی رقم 4169؛ السنن الصغیر بیہقی رقم 2515؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم 14244؛ شعب الایمان رقم 1295)

ترجمہ حضرت الشَّرِيدُ بْنُ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيُّ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قبیلۂ ثقیف کے وفد میں ایک شخص تھا، جس کو جذام کا مرض تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا: ''ہم نے تجھے بیعت کرلیا ہے۔ لہٰذا وہیں سے واپس چلا جا''۔

تشریح فطرۃً کمزور انسان کو اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالے۔ وبا زدہ علاقوں میں جا جا کر نہ گھسے۔ جو مریض موذی امراض میں گرفتار ہیں، ان کو بُلا بُلا کر نہ لائے۔ تقدیر پر اعتماد کے ساتھ اپنی کمزور فطرت کی رعایت بھی ضروری چیز ہے۔ ہاں اگر طاعون اسی کے شہر میں آجائے، یا گھر میں ہی کوئی شخص کسی مُوذی مرض میں مبتلا ہوجائے، تو اب اپنی استقامت کا ثبوت دے، اور تقدیر کو یاد کرکے اپنی فطری ضعف کا مقابلہ کرتا رہے۔ چونکہ بہت سے انسانوں کے دلوں میں

اختلاط سے مرض کے متعدی ہونے کے اعتقاد کا سبب ہو جاتا ہے۔ اس لیے بے وجہ شریعت اپنی فطرت کے ساتھ زور آزمائی کی اجازت نہیں دیتی۔ جب ضرورت سر پر آجائے، تو اب ضعفِ بشری کے بہانے کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ اسلام ثبات قدمی کی دعوت دیتا ہے، مگر ہوش کے ساتھ، صرف جوش کے ساتھ نہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حدیث 93:- لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ (بخاری رقم 2966)

ترجمہ دشمن سے جنگ ہو، یہ تمنائیں نہ کیا کرو۔

دشمنِ اسلام سے جنگ ہے بڑی فضیلت کی چیز، مگر اتنی ہی پُرخطر بھی ہے۔ اگر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، تو پھر کہیں ٹھکانا بھی نہیں۔ اس لیے اس کی تمنا نہ کرو، اور جب سر پر آجائے، تو پہاڑوں سے بڑھ کر ثابت قدمی دکھاؤ۔

حدیث 94:- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً"۔

(بخاری رقم 5678؛ ابن ماجہ رقم 3439؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 23416؛ النسائی فی "الکبری" رقم 7513؛ مسند البزار رقم 9303؛ الطب النبوی لابی نعیم رقم 8؛ شرح السنۃ بغوی رقم 3225؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 19557؛ معرفۃ السنن والآثار رقم 19351؛ شرح السنۃ بغوی رقم 3225؛ معجم ابن عساکر رقم 269؛ صحیح الجامع رقم 5559)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری بھیجی ہے، تو اس کے ساتھ اس کی شفاء (دوا) بھی بھیج دی ہے''۔

حدیث 95:- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً، إِلَّا قَدْ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ"۔

(صحیح لغیرہ: مسند أحمد رقم 3578، 3922، 4236، 4267، 4334؛ ابن ماجہ

رقم3438؛مسند ابن الجعد رقم 2073 ؛الحمیدی رقم90؛مسند البزار رقم1450؛ البیہقی فی "السنن الکبریٰ" رقم19560، 19566، 19571؛ابن عبد البر فی "التمہید" 285/5؛ابن حبان رقم6062،6075؛مستدرک حاکم رقم7423،7424،7425،8205، 8224،8232؛الطبرانی فی "الکبیر" رقم10331 مرفوعاً؛8969 موقوفاً؛أبو یعلی رقم 5183؛الطیالسی رقم368؛ابن عبد البر فی "التمہید" 285/5؛ النسائی فی "الکبری" رقم6834،6836؛الطحاوی فی "شرح معانی الآثار" رقم7176؛ابن حبان رقم6075؛ الخطیب فی "تاریخ بغداد" 356/7 ؛الطب النبوی لأبی نعیم، رقم1 ؛صحیح الجامع: رقم 1809؛ الصَّحیحۃ: رقم451،518)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری بھیجی ہے، تو اس کے ساتھ اس کی شفاء (دوا) بھی بھیج دی ہے۔ کسی کو تو اس بیماری اور اس کی دوا کا پتہ چل گیا، اور کوئی اس سے جاہل ہی رہا''۔

حدیث96:۔حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ، بَرَأَ بِإِذْنِ اللهِ تَعَالَى"۔

(صحیح علی شرط مسلم: مسند أحمد رقم14597؛ مسلم رقم69 - 2204؛النسائی فی "الکبری" رقم7514؛أبو یعلی رقم2036؛ابن حبان رقم6063 ؛مستخرج ابی عوانہ رقم9680، 9681، 9690(الجامعۃ الاسلامیہ)؛ شرح معانی الآثار رقم7160؛التوحید لابن مندہ رقم115؛ مستدرک حاکم رقم7434، 8219؛الطب النبوی لأبی نعیم، رقم25؛السنن الصغیر بیہقی رقم 3095؛ السنن الکبریٰ بیہقی رقم19558؛معرفۃ السنن والآثار رقم19352؛مشکوٰۃ رقم4515؛صحیح الجامع رقم5164)

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر مرض کے لیے دوا ہے۔ جب کسی بیماری کے لیے ٹھیک دواء پہنچ جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے''۔

تشریح اس عالم میں بیماری اور اس کی دواء دونوں قدرت ہی نے پیدا فرمائی ہیں۔ لہٰذا دواء کا

استعمال کرنا تو ضروری ٹھہرا، لیکن یہ غلط ہوگا کہ شفاء تو شافی مطلق دے، اور تم تعریف کرو دواء کی۔ سوچنا چاہیے کہ اس جمادِ محض میں یہ اثر پیدا کس نے فرمایا۔ کہو: اس نے جس نے بیماری پیدا فرمائی۔

حدیث 97:۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصْحَابُهُ عِنْدَهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِهِمُ الطَّيْرُ، قَالَ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، وَقَعَدْتُ، قَالَ: فَجَاءَتِ الْأَعْرَابُ، فَسَأَلُوهُ فَقَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! نَتَدَاوَى؟"۔ قَالَ: "نَعَمْ، تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ".

(صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير أن صحابيه لم يخرج له سوى أصحاب السنن: مسند أحمد رقم18454، 18455، 18456؛ أبو داود الطيالسي رقم1328؛ البخاري في "التاريخ الكبير" 20/2؛ النسائي في "الكبرى" رقم7511؛ ابن قانع في "معجم الصحابة" 13/1؛ "مكارم الأخلاق" طبراني رقم12؛ أبو نعيم في "معرفة الصحابة" رقم772؛ الحاكم في "المستدرك" رقم416، 7430، 8206؛ البيهقي في "السنن الصغير" رقم 3096؛ البيهقي في "السنن الكبرى" رقم19559؛ "شعب الايمان" رقم1435، 1436؛ معرفة السنن والآثار رقم19353؛ "الآداب" بيهقي رقم858؛ ابن الأثير في "أسد الغابة" 81/1؛ وكيع في "الزهد" رقم423؛ الحميدي رقم845؛ ابن أبي شيبة رقم23417؛ هناد في "الزهد" رقم1259، 1260؛ البخاري في "الأدب المفرد" رقم291؛ أبو داود رقم3855؛ ابن ماجه رقم3436؛ يعقوب بن سفيان في "المعرفة والتاريخ" 304/1-305؛ ترمذي رقم 2038؛ ابن أبي عاصم رقم1467، 1468، 1469؛ الفاكهي في "أخبار مكة" رقم 1377؛ الطبري في "تهذيب الآثار" رقم374 (مسند ابن عباس)؛ أبو القاسم البغوي في "الجعديات" رقم2597؛ الطحاوي في "شرح معاني الآثار" رقم7158؛ "مشكل الآثار" رقم6015؛ الخرائطي في "مساوئ الأخلاق" رقم27، 28؛ ابن حبان رقم478، 486، 6061، 6064؛ الطبراني في "الكبير" رقم463-485؛ "معجم الأوسط" رقم6376؛ "معجم الصغير" رقم559؛ أبو نعيم في "تاريخ أصبهان"

13/2.166/1؛ الخطیب البغدادی فی "تاریخه" 9/197-198؛ "الفقیه والمتفقه" 111/2؛ "موضع أوهام الجمع والتفریق" 101/2؛ ابن عبد البر فی "التمهید" 281/5، 282؛ "الاستذکار" 414/8 (13)؛أبو محمد البغوی فی "شرح السنة" رقم3226؛الضیاء المقدسی فی "المختارة" رقم1381.1382.1383 1384.1385.1387.1388.1389.1390؛أبو نعیم فی"معرفة الصحابة" رقم773؛ الطب النبوی، لأبی نعیم. رقم17، 48؛مشکوۃ رقم4532؛ الصحیحة:432؛صحیح الجامع رقم2930،3973،7934)

ترجمہ: حضرت اُسامہ بن شَرِیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے خاموش اور مؤدب بیٹھے تھے گویا کہ اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ پھر کچھ دیہاتی لوگ آئے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یارسول اللہ! ہم بیماریوں کا علاج کریں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! دواء کا استعمال کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دواء پیدا کی ہے، سوائے ایک بیماری کے۔ وہ حد سے گزرا ہوا بڑھاپا ہے''۔

تشریح: یہاں دواء کرنے کا صریح حکم ہو رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ وسوسہ لانا چاہیے کہ قضاء وقدر اسباب سے تعطل کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر کہیں انسان کے قبضہ میں بڑھاپے کی دواء بھی آجائے، تو شاید وہ بڑی جرأت سے قدرت کا انکار کر دے۔ عام بیماریوں کے علاج پر بھی اب تک اُس نے جتنا قابو پالیا ہے، وہی اس کے اعتقاد کو متزلزل بنا رہا ہے۔ اب اگر کہیں بوڑھے بھی جوان بن بن کر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی دنیا میں ڈٹے رہتے، تو خالق کا کون یقین کرتا؟ اس لیے ہر دروازہ پر شکست دینے کے لیے قدرت کوئی نہ کوئی مسئلہ ایسا لاینحل بنا دیتی ہے، جہاں انسان متحیر کھڑا نظر آتا ہے۔ یہاں پہنچ کر نصیب والے کی تو آنکھیں کھل جاتی ہیں، اور بدنصیب کی آئندہ انکشاف کی اُمید میں پھر بھی قدرتِ الٰہیہ کا قائل ہو کر نہیں دیتا۔

حدیث98:۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: "كَانَ أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالآخَرُ يَحْتَرِفُ، فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ: "لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ"۔ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

(صحیح: ترمذی رقم 2345؛ مسند البزار رقم 6988؛ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَرُوَاتُهُ عَنْ آخِرِهِمْ أَثْبَاتٌ ثِقَاتٌ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ۔ وقال الذهبي أيضاً: على شرط مسلم: المستدرك على الصحيحين، رقم 320؛ المدخل إلى السنن الكبرى، بيهقي، رقم 335؛ مسند الرویانی رقم 1374؛ مشکوۃ رقم 5308؛ صَحِيحُ الْجَامِعِ: رقم 5084؛ الصَّحِيحَة: رقم 2769؛ هداية الرواة: رقم 5238)

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے، ان میں ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر رہا کرتا، اور دوسرا تجارت کرتا۔ جو بھائی تجارت کرتا تھا، اس نے اپنے بھائی کے کام میں شرکت نہ کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شاید تجھے رزق اسی کے مقدر سے ملتا ہو''۔

تشریح تقدیر کے معلّم اوّل نے کبھی کسی کو ایک مرتبہ بھی یہ سبق نہیں دیا کہ وہ کسبِ معاش چھوڑ کر صرف تقدیر کے بھروسہ پر معطل ہو کر بیٹھ جائے۔ البتہ جب کہیں یہ دیکھا ہے کہ کسبِ معاش کا خمار اتنا چڑھ چکا ہے کہ دوسروں کا رزق بھی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے، تو اس جگہ اتنی سی تنبیہ کر دینی ضروری سمجھی ہے کہ معاملہ کہیں اس کے برعکس نہ ہو، یعنی تمہارا ہی رزق اُس کی بدولت نہ مل رہا ہو۔ یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاجر (ہنر مند، کاریگر) کو اس کی تجارت (ہنر، پیشے) سے نہیں روکا، لیکن جب تجارت پر اعتماد کی یہ نوبت آگئی کہ جو بھائی علمِ نبوت کی تحصیل میں مشغول تھا، اور اس وجہ سے کسی کام کے

کرنے سے معذور تھا، اس کی شکایت کی گئی، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا کہ اب اس کے سامنے ایک دوسرا ورق بھی کھول دیا جائے، اور فرمایا: جیسا ماں کی چھاتیوں میں دودھ بچہ ہی کے مقدر کا اترتا ہے، ایسا ہی کبھی کبھی تجارت (کام) کرنے والے کو بھی کسی غیر تاجر کے مقدر کا رزق مل جاتا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا تو صحیح کہ رزق کے لیے کسب کی ضرورت ہے مگر یہ صحیح نہیں کہ جس کا رزق ہو، اسی کے لیے کسب کرنا بھی ضروری ہے، بلکہ کبھی کام کوئی کرتا ہے اور اس میں رزق کسی کا ہوتا ہے۔
دولت اور کسب کے مابین کیا رشتہ رہنا چاہیے، اس حدیث سے اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ یہاں ایک خیال تو یہ ہے کہ کسب کا دولت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لہٰذا جو کماتا ہے، اس کا اپنی کمائی ہوئی دولت میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ دوسرا خیال اس کے بالمقابل ہے، وہ یہ کہ کسب کا دولت سے اتنا گہرا ربط ہے کہ انسان کی کمائی ہوئی دولت ساری کی ساری کمانے والے ہی کی ملکیت ہوتی ہے، ایسی ملکیت کہ اس میں کسی غیر کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسلام کی رائے یہاں کتنی معتدل ہے، وہ کہتا ہے کہ کسب سے ملکیت تو ضرور ثابت ہو جاتی ہے۔ آخر کمائی ہوئی دولت اسی کی محنت کا ثمرہ ہے، مگر غریبوں کے حقوق واجب اور غیر واجب، منضبط اور منتشر اس میں اتنے ہیں کہ پھر یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ سارے کا سارا کمایا ہوا مال خالص اسی کی ملکیت تھا۔ اس لیے اسلام نہ تو امپیریلزم کا حامی ہو سکتا ہے، نہ کمیونزم کا۔ وہ اپنا ایک مستقل نظام رکھتا ہے۔ اس میں یہ لچک نہیں ہے کہ کبھی اس کو اس طرف کھینچ لیا جائے، کبھی اُس طرف۔
اس حدیث سے ایک اور بلند نظریہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی مدد کرے، تو اس کو یہ سمجھنا زیبا نہیں ہے کہ خود وہ اس کی مدد کر رہا ہے، بلکہ یہ تصور کرنا مناسب ہے کہ جو رزق اُس کے پاس اُس کے مقدر کا جمع تھا، وہ اُس نے اس کے حوالہ کر دیا ہے۔ گویا ''حق بحق دار رسید'' کا مصداق ہے۔

15 قوتِ ارادیہ کے استحکام میں قضاء وقدر پر اعتقاد کا عجب اثر ہوتا ہے

حدیث99:۔حَدَّثَنَا يُونُسُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ رَكِبَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا غُلَامُ! إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ"۔

(صحیح: مسند أحمد، رقم2669، 2763، 2803؛ مسند ابن الجعد رقم3445؛ مسند عبد بن حمید رقم 636؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم315؛ ترمذی رقم2516؛ ابن السني في "عمل اليوم والليلة" رقم425؛ القدر للفریابی رقم153، 155، 156، 158؛ مسند أبي يعلى رقم2556؛ معجم ابی یعلی رقم96؛ الآجري في "الشريعة" رقم413، 414؛ العقيلي في "الضعفاء" 53/3؛ معجم كبير الطبراني رقم11243، 11416، 11560، 12988؛ المُعْجَمُ الكَبِير للطبراني المُجَلَّدان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر رقم14768؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم1503، 1504، 1505، 1508؛ التوحيد لابن مَنْدَہ رقم248؛ مستدرک حاکم رقم 6303، 6304؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم1094، 1095، 1096؛ أبو نعيم في "الحلية" 314/1؛ مسند الشهاب القضاعي رقم745؛ الأسماء والصفات للبيهقي رقم126؛ الاعتقاد بیہقی ص ۱۳۹، ۱۴۰؛ القضاء والقدر بیہقی رقم287، 288، 306؛ البيهقي في "الشعب" رقم192، 1043، 9528؛ "الآداب" رقم1073؛ الدعاء للطبرانی رقم41، 42، 43؛ معجم اوسط طبرانی رقم5417؛ صَحِيح الجَامِع: رقم 7957؛ الصَّحِيحَة: رقم 2382؛ مشکوۃ رقم 5302)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھلاتا ہوں: تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر، وہ تیری (دنیا و آخرت میں) حفاظت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر، تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب تجھے کچھ مانگنا ہو، تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ۔ اور جب بھی مدد مانگنا ہو، تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ۔ اس بات کو یقین سے جان لے! کہ اگر ساری اُمت بھی اس بات پر مجتمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچائے، تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہو۔ اور اگر سارے ہی لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر کمر بستہ ہو جائیں، تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہو۔ تقدیر کے قلم لکھنے کے بعد اُٹھا لیے گئے ہیں۔ اور نوشتے لکھنے کے بعد خشک ہو گئے ہیں''۔

تشریح اسلام کا اعلیٰ مرتبہ احسان کا ہے۔ یہاں اس کو پھر تازہ کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہم سے دور نہیں۔ وہ ہم سے اتنی قریب ہے کہ اگر ہم توجہ کریں تو اس کو اپنے سامنے ہی پائیں گے، جو بُعد اور دوری ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے۔ بس حجابِ غفلت اُٹھا دو، پھر قرب در قرب دیکھو گے۔ جب یہ قرب میسر آجائے، تو کب مناسب ہوگا کہ ایسے داتا کو چھوڑ کر ہاتھ کسی اور کے سامنے پھیلاؤ؟ اور ایسے توانا کو چھوڑ کر مدد کسی اور سے مانگو؟ مگر انسان فطرۃً اتنا کچا ہے کہ سوال کی ذلت اُٹھائے بغیر اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ وہ ایک محتاج مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلائے بغیر باز نہیں آتا، اور ذرا سی مشکل میں جب کبھی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے، تو اسی کی طرف اس کی نظریں اُٹھتی ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ اس فطری خامی کا علاج قضاء وقدر کا استحضار ہے۔ پس جب یہ عقیدہ جما لو گے کہ نفع ونقصان پہنچانا جہان بھر میں کسی کے بس کی بات نہیں، اور یہ کہ سارے معاملات سب طے شدہ ہیں۔ تو تمہارے دل میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ جب کبھی مدد کی ضرورت ہو گی، تو صرف اُسی سے مانگو گے، جو ہر محتاج کا فریاد رَس ہے۔ پس قضاء وقدر کا عقیدہ اسباب سے بے نیازی

کی تعلیم نہیں دیتا، ہاں مخلوق سے بے نیازی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی عملی جدوجہد اب اور بھی بڑھ جاتی ہے، جو انسانوں کا بھروسہ رکھتا ہے، وہ بسا اوقات اسباب میں بھی تساہل کر جاتا ہے۔

حدیث 100 :۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ، فَأَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِهِ الأَرْضَ، فَقَالَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ، وَمَقْعَدُهُ مِنَ الجَنَّةِ"۔ قَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا، وَنَدَعُ العَمَلَ؟"۔ قَالَ: "اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ"۔ ثُمَّ قَرَأَ: "فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى"۔ (الليل:6) الآيَةَ۔

(بخاری رقم :4949، 1362، 4945، 4946، 4947، 4948، 6217، 6605، 7552؛ مسلم رقم 6 - 2647، 7 - 2647، 8 - 2648؛ مسند عبد بن حمید رقم 84؛ الادب المفرد رقم 903؛ ترمذی رقم 2136، 3344؛ ابوداؤد رقم 4694؛ ابن ماجہ رقم 78؛ مسند احمد رقم 621، 1067، 1110، 1181، 1349؛ القدر للفریابی رقم 40؛ الکنیٰ والاسماء للدولابی رقم 1484؛ ابن حبان رقم 334، 335؛ الشریعۃ للآجری رقم 327؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1063؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 47، 50)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''تو کیا ہم اپنے اس نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور سعی و عمل چھوڑ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو ہم سعی و عمل کی دردسری کیوں مول لیں؟)''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! عمل کیے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے، تو اُس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ پس جو کوئی بد بختوں میں سے ہے، تو اس کو شقاوت اور بد بختی والے اعمالِ بد ہی کی توفیق ملتی ہے''۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

آیت 18:۔ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ (الیل: ۴ تا ۱۳)

ترجمہ: درحقیقت! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ (تمہاری کمائی الگ الگ ہے)۔ (بعض بخیل ہیں، بعض فیاض اور دریا دل، بعض متقی ہیں اور بعض مُسْتَغْنِی، بعض مُصَدِّق اور بعض مُکَذِّب) تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا۔ بھلائی کو سچ مانا، (اور اچھے انجام کو مانا)۔ اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (اس کو ہم راحت کی منزل کا اہل بنائیں گے)۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے اللہ سے) بے نیازی برتی (بے پروا ہوا)، اور بھلائی کو جھٹلایا۔ اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟۔ (جب وہ کھڈ میں گرے)۔ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے، اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ ہر شخص کے لیے اُس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے، اور تقدیرِ الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمالِ خیر کے راستے جائے گا، اور جو جہنم میں جائے گا، وہ اپنی فلاں فلاں بد اعمالیوں کی وجہ سے جائے گا۔ پس جنتیوں کے لیے اعمالِ خیر اور دوزخیوں کے لیے اعمالِ بد بھی مقدور و مقرر ہیں، اور اس لیے ناگزیر

ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَقَالَ رَجُلٌ: "یَارَسُولَ اللهِ!، أَفَلاَ نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟"۔ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: "سب کچھ پہلے سے متعین اور فیصل شدہ ہے"۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ جب سب کچھ طے شدہ اور متعین و مشخص ہو چکا، اور جو وہاں طے ہو چکا، وہی واقع ہو کر رہے گا، پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ علم الٰہی میں جو متعین اور طے شدہ ہے، اس کے خلاف ہونا تو ممکن نہیں، عمل کرو یا نہ کرو، کم کرو یا زیادہ، اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا، اس کا حاصل یہ ہے: "تم عمل کرتے رہو، کیونکہ تم کو کیا خبر ہے کہ اللہ کے علم میں کیا چیز طے شدہ ہے، لہٰذا تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ۔ فضول بحثوں میں مت پڑو، اور تم ناگزیر کرو گے وہی، جو علمِ الٰہی میں طے ہو چکا ہے، پھر ایسی بے کار بحثوں میں الجھنے سے کیا فائدہ"۔

رہا یہ کہنا کہ کسی شخص کا جنّتی یا جہنمی ہونا اور اسی طرح سعید و شقی ہونا جب پہلے لکھا جا چکا ہے، تو عمل کی کیا ضرورت؟ تقدیر کا لکھا تو بہر حال پورا ہو کر رہے گا۔ یہ قلتِ تدبر کی دلیل ہے، کیونکہ تقدیر میں جہاں یہ لکھا ہے کہ فلاں شخص جنّتی یا سعید ہوگا، وہیں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ شخص فلاں فلاں عمل کرکے اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ لہٰذا وہ اعمال بھی مقدر ہوئے، اور ان کا صدور بھی تقدیر ہی کا ایک جزو ہوا۔ پھر اس کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟ پس یہ سوال کہ ہم عمل کیوں کریں؟ یا عمل میں زیادہ جان کیوں ماریں؟ اس کا جواب یہ ہوگا: "ہماری تقدیر میں جن اعمال کے ذریعہ جنّت میں پہنچنا یا درجاتِ عالیہ حاصل کرنا لکھا ہے، ان کا صدور بھی ہم سے ضروری و لابدی ہے، جس طرح دنیا میں ایک مدت متعینہ تک ہماری حیات جن اسباب کے ذریعہ مقدر ہے، ان اسباب کی مباشرت بھی تقدیری طور پر ہمارے لئے ضروری ہے، تقدیر میں صرف نتائج و مسبّبات ہی نہیں، ان کے اسباب و ذرائع اور مبادی بھی پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال بالکل بے موقع ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کا جنّتی یا جہنمی ہونا مقدر ہے، وہ خواہ کتنی ہی بحث وتکرار کرے اس کی طبیعت آخرکار اس طرف چلے گی اور وہی اعمالِ صالحہ یا افعالِ کفریہ اس کے لئے آسان ہوتے چلے جائیں گے، جو اس کے آخری نتیجہ تک پہنچنے کے وسائل و ذرائع ہیں اور اچھے برے اعمال کی تفریق وامتیاز جن اسباب پر مبنی ہے، مثلاً انزالِ کتب وارسالِ رُسُل وغیرہ، ان سب کا وقوع پذیر ہونا بھی ناگزیر ہوگا۔ بہرحال جس طرح ایک شخص کا جنّتی یا جہنمی ہونا مقدر ہے، اس کے مناسب اعمال کا صدور بھی مقدر ہے اور اچھے برے اعمال کی تقسیم کے لئے کتابوں اور رسولوں کا آنا بھی مقدر ہے۔ یہ سب چیزیں ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوکر رہیں گی۔

(مسئلۂ تقدیر، ص۹، ۱۰۔ المؤلف: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۹ھ)۔ الناشر: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور، ۱۹۷۸ء)

حدیث 101: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خَلِيلٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، حَدَّثَنَا الأوزاعي، عن بن شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ الله تعالى عَنْهُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! نَعْمَلُ فِي شَيْءٍ نَأْتَنِفُهُ أَمْ فِي شَيْءٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ". قَالَ: "بَلْ فِي شَيْءٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ". قَالَ: "فَفِيمَ الْعَمَلُ؟". قَالَ: "يَا عُمَرُ! لَا يُدْرَكُ ذَاكَ إِلَّا بِالْعَمَلِ". قَالَ: "إِذًا نَجْتَهِدُ يَا رَسُولَ اللهِ!".

(صحیح: ابن حبان، رقم 108؛ القدر للفریابی رقم 31؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 166؛ الشریعۃ للآجری رقم 325؛ معجم کبیر طبرانی رقم 7940؛ مسند البزار رقم 7760؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد رقم 11819)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! جو بھی اعمال ہم کرتے ہیں، اس کے کرنے میں ہم سے ہی آغاز ہوتا ہے، یا وہ ایسی شی ہے جس کو پہلے سے ہی لکھ کر فارغ ہوچکے ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ وہ ایسی ہے جس سے پہلے ہی (تقدیر کا قلم لکھ کر) فارغ ہوچکا ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''(جب سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے) تو پھر عمل کس لیے

ہوا؟''۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! عمل کیے بغیر تو وہ (جنت) نہیں مل سکتی''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! پھر تو ہم عمل میں جان توڑ کوشش کریں گے''۔

حدیث 102:۔حَدَّثنا الفضل بن سَهْل، قَال: حَدَّثنا يونس بن مُحمد، قَال: حَدَّثنا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَن أَبِيهِ قَالَ: كَتَبَ لَيْثٌ إِلَى سُلَيْمَانَ بْنِ طَرْخَانَ: حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَن سَعِيد بْنِ جُبَيْر، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قِيلَ: "يَا رَسولَ اللهِ!" أَوْ ذَكَرُوا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمِ نَحْوَ هذا: "يانبي اللهِ! أَرَأَيتَ مَا نَعْمَلُ؟ أَشَيْئًا نَبْتَدِيهِ؟ أَمْ شَيْئًا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟". فَقَالَ: "لَا بَلْ شَيْءٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ". قَالَ: فَقَالَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: "فَالْجِدُّ إِذًا".

(صحيح: مسند البزار، رقم 5137؛ الطبراني في "الكبير" رقم 10899؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَزَّارُ بِنَحْوِهِ.......وَرِجَالُ الطَّبَرَانِيِّ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد رقم 11820)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! جو بھی اعمال ہم کرتے ہیں، ان کے کرنے میں ہم سے ہی آغاز ہوتا ہے، یا وہ ایسی شی ہے جس کو پہلے سے ہی لکھ کر فارغ ہو چکے ہیں؟''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ وہ ایسی ہے جس سے پہلے ہی (تقدیر کا قلم لکھ کر) فارغ ہو چکا ہے''۔ (مذکورہ بالا سوال وجواب کے بعد) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''اب تو کوشش کرنے کے سوا چارہ کار نہیں''۔

حدیث 103:۔حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثنا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ، ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، أَخْبَرَنِي قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ الْمُدْلِجِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَعْمَلُ شَيْئًا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ، أَمْ نَسْتَأْنِفُ الْعَمَلَ؟". قَالَ: "بَلْ لِعَمَلٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ". فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! فَفِيمَ الْعَمَلُ؟". فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلٌّ مُيَسَّرٌ لَهُ عَمَلُهُ". قَالَ: "يَا رَسُولَ اللهِ! الْآنَ الْجِدُّ الْآنَ الْجِدُّ".

(صحیح: المعجم الکبیر للطبرانی رقم 6593، 6588، 4235، 4236؛ ابن أبي عاصم فی "السنة" رقم 167؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد رقم 11822؛ ابن ماجہ رقم 91؛ مسند احمد رقم 14116، 14258؛ ابن حبان رقم 336، 337، 3919؛ قال الألبانی: "إسناده صحیح علی شرط مسلم": ظلال الجنة رقم 167؛ الذهبی فی "معجم الشیوخ" 1/ 133-134؛ ابن قانع فی "الصحابة" 341/1؛ أبو نعیم فی "الصحابة" رقم 2619، 2620، 2621؛ ابن الأثیر فی "أسد الغابة" 2/177-178)

ترجمہ حضرت سُراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! جو بھی اعمال ہم کرتے ہیں، وہ ایسی شی ہے جس کو پہلے سے ہی لکھ کر فارغ ہو چکے ہیں؟ یا اس کے کرنے میں ہم سے ہی آغاز ہوتا ہے؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلکہ وہ ایسے اعمال ہیں جس سے پہلے ہی (تقدیر کا قلم لکھ کر) فارغ ہو چکا ہے"۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "(جب سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے) تو پھر عمل کس لیے ہوا؟"۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر ایک کے لیے وہ عمل آسان بنا دیا گیا ہے"۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اب تو کوشش کرنی ہے، اب تو کوشش کرنی ہے"۔

حدیث 104: ـحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ الْعَدَوِيِّ، قَالَ: سَأَلَ غُلَامَانِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فِيمَ الْعَمَلُ فِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، أَمْ شَيْءٌ نَسْتَأْنِفُهُ؟" قَالَ: "بَلْ فِيمَا جَفَّتْ بِهِ الْأَقْلَامُ، وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ". قَالَا: "فَفِيمَ الْعَمَلُ، يَا رَسُولَ اللهِ؟". قَالَ: "اعْمَلُوا، فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا هُوَ عَامِلٌ". قَالَا: "فَالْجِدُّ الْآنَ".

(صحیح مرسلاً: القدر الفِرْیابي ص ۹۴، ۹۵ رقم 101؛ الإبانة الکبری لابن بطة، رقم 1357، 1358؛ ابن قانع فی "الصحابة" 1/92 - 93؛ قال الحافظ ابن حجر: وَأَخْرَجَ الْفِرْيَابِيُّ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ إِلَى بَشِيرِ بْنِ كَعْبٍ أَحَدِ كِبَارِ التَّابِعِينَ: فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۹۷؛ رواته ثقات: أنیس السّاری فی تخریج وتحقیق الأحادیث التی ذکرها الحافظ ابن حجر

العسقلانی فی فتح الباری، ج ۴ ص ۲۵۶۷، ۲۵۶۸، رقم 1752)

ترجمہ حضرت بُشَیْرُ بْنُ کَعْبٍ الْعَدَوِیُّ رحمۃ اللہ علیہ مرسلاً روایت فرماتے ہیں: دونو جوانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ''عمل کس لیے ہے جب (تقدیر کے) قلم کی سیاہی خشک ہوئی ہے، اور تقدیر اسی کے مطابق جاری ہے، یا اس کی ابتداء ہم ہی سے ہوتی ہے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ تمہاری جتنی جد وجہد ہے، یہ سب تقدیر کا قلم لکھ کر فارغ ہو چکا ہے''۔ اس پر انھوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! پھر عمل کا فائدہ؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر عمل کرنے والا عمل ہی وہ کر سکے گا، جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے''۔ یہ سن کر اُنھوں نے کہا: ''تو پھر کوشش کیے بغیر چارۂ کار نہیں''۔

تشریح حیرت ہے کہ کہ جس حدیث کو آج سننے والے سُن کر ترکِ عمل کا عہد کرتے ہیں، اسی کو کل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سننے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سُن کر جد وجہد کا عہد کر رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ حکم کے تابع تھے، اور ہم عقل کے بندے ہیں۔ عقل نارسا بیچاری دنیا کی معمولی الجھنوں کو سلجھا نہیں سکتی، وہ تقدیر کے مسئلہ کو کہاں سمجھتی؟ ہاں جب وہ بھی اسلام قبول کر لیتی ہے تو پھر مسائلِ شرعیہ میں اس کے نزدیک بھی کوئی الجھن نہیں رہتی۔ پھر اس میں وہ بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اختیار اس کو مل چکا ہے، اس کو وہ کام میں لے آنا اپنا فرض سمجھتی ہے اور تقدیر میں ہے کیا؟ اس سے کوئی بحث نہیں کرتی۔ وہ اس کے علم سے بالاتر ہے۔ کس کو یہ خبر ہے کہ فلاں معاملہ میں ہماری تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ جب یہ خبر نہیں تو پھر محسوس اختیار سے کام نہ لیا جائے؟!!

حدیث 105: ۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي

فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَ كَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ قَدَرُ اللهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ"۔

(مسلم رقم 34-2664؛ مسند احمد رقم 8791، 8829؛ ابن ماجہ رقم 79، 4168؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 356؛ السنن الکبریٰ نسائی رقم 10382، 10384، 10386؛ عمل اليوم والليلة للنسائی رقم 621، 622، 623، 625؛ مسند ابی یعلی رقم 6251، 6346؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 11693 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ شرح مشکل الآثار رقم 259، 260، 262؛ ابن حبان رقم 5721، 5722؛ الأسماء والصفات للبیہقی رقم 333؛ الاعتقاد بیہقی ص ۱۵۹؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم 20173؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 210، 211؛ شعب الایمان رقم 191؛ مسند حمیدی رقم 1147؛ عمل اليوم والليلة لابن السُّنّي رقم 349؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1028؛ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۹۶؛ مسند الشہاب القضاعی رقم 370)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قوی اور طاقت ور مؤمن اللہ کے نزدیک کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔ ہر ایک میں بھلائی ہے۔ ہر وہ چیز جو تمہارے لئے نافع ومفید ہو، اس کی فکر وجستجو کرو۔ اللہ سے مدد طلب کرو، اور عاجز وبے بس بن کر بیٹھے نہ رہو، اگر تمہیں کوئی (ناپسندیدہ) چیز پہنچے، تو یوں نہ کہو: "اگر میں یوں کر لیتا تو یوں ہو جاتا"، بلکہ یوں کہو: "اللہ نے جو چاہا مقدر فرمایا اور اس نے جو چاہا وہی کیا۔ اس لیے کہ "اگر" کا لفظ تو شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے"۔

تشریح حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کے اسماء وصفات کا مظہر بنا رہے۔ مثلاً: اس کا اسم مبارک "القوی" ہے، تو وہ یہ پسند کرتا ہے کہ مؤمن بھی قوی ہو۔ وہ جمیل ہے، اس لیے جمال کو بھی پسند فرماتا ہے۔ وہ علیم ہے، اس لیے علماء کو پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کا اسم محسن اور صابر بھی ہے، اس لیے وہ محسنین اور صابرین کو بھی پسند فرماتا ہے۔

(شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر والحكمة والتعليل، ص ۱۸، ۱۹)

جو مسئلہ یہاں ہمارے موضوع سے متعلق ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں حریص

بننے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''حرص'' کے معنی یہ ہیں: ''جدوجہد کی جو طاقت بندہ میں ودیعت فرمائی ہے، اس کو اپنی معاش و معاد میں ختم کر ڈالنا''۔ لیکن یہ حرص کمال اس وقت شمار ہوگی جب کہ ہو اُن چیزوں میں جو اُس کے لیے نفع رساں ہوں۔ پس مؤمن قوی وہی ہے جس میں حرص کا مادہ موجود ہو، اور ہر نیکی میں وہ مسابقت کے لیے تیار رہے۔

آیت 19:۔ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ (أَلْمُطَفِّفِيْن:۲۶)

ترجمہ بازی لے جانے والے اس کو حاصل کرنے کے لیے بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

معاصی اور گناہوں پر حرص کرنا اتنا ہی بڑا عیب بھی ہے۔ چونکہ یہ حرص بھی انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں بھی مدد طلب کرنی چاہیے۔ حدیث کہتی ہے: جو شخص مفید اور نافع اعمال میں حریص نہیں، وہ عاجز انسان ہے۔ کمال عاجز بن جانے میں نہیں ہے، بلکہ کامیابی کے لیے جان توڑ کوشش کرنے میں ہے، اور یہ سمجھ کر کرنے مین ہے کہ جو ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے، ہماری یہ کوشش سب اسی کے لیے ہے۔ پس تدبیر کرنا تو ضروری ہوا، مگر اس کو حاکم بنا کر نہیں، بلکہ اپنے آپ کو تقدیر کا محکوم سمجھ کر۔ اب اگر تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اسباب کر لینے کے بعد بھی مقصد برآری نہ ہو سکی، تو یہ کہنے لگا: اگر ہم یوں کرتے تو کامیاب ہو جاتے۔ یہ بھی در حقیقت تقدیر کو تدبیر کا محکوم بنانے کے مترادف ہے۔ اس لیے یہ مؤمن بندے کی شان نہیں، یہ شیطان کی حرکت ہے، کیونکہ اب ''اگر، اگر'' کہنے سے سوائے ندامت، پشیمانی اور افسوس کے ہوتا ہی کیا ہے۔ جو مقدر تھا، وہ تو واقع ہو ہی چکا۔ لہٰذا اب اس دروازہ کو کھولنے سے نفع؟ ہاں! جدوجہد کے بعد بھی جب مقصد حاصل نہ ہو، تو اب اس کو قضاء الٰہی کے حوالہ کر دینا یہ مؤمن کی شان ہے، اور یہ اس کے لیے باعثِ تشفی و تسکین بھی ہے۔

پس ظہورِ نتائج سے قبل تدبیر سے غفلت کا نام عجز ہے، تقدیر پر اعتماد نہیں۔ نتائج کے خلاف ہونے کی صورت میں اپنی ضعیف تدبیر کو یاد کرنا عملِ شیطانی ہے، اور اس کو

تقدیرِ الٰہی کے سپرد کردینا، یہ شانِ مؤمن ہے۔

خلاصہ یہ کہ قضاء وقدر اپنی جگہ ہیں، اور کسب واختیار اپنی جگہ، اور شانِ مؤمن اسی میں ہے کہ کامیابی ہو، یا ناکامی، دونوں حالتوں میں وہ اپنی بندگی اور عبودیت کو قائم رکھے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے معاملات کے لیے پوری جدوجہد کرے۔ پھر اگر نتیجہ موافق برآمد ہو، تو اس پر اترائے نہیں، اور اگر خلاف ہو جائے، تو بے صبری بھی نہ دکھائے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

آیت 20:۔ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰـكُمْ ؕ (الحدید: ۲۳)

ترجمہ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو، اس پر تم دل شکستہ نہ ہو، اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھولے نہ سماؤ۔

یعنی تقدیر میں ہر چیز کی نوشت موجود ہے۔ اس پر تم کو اس لیے اطلاع بخشی ہے کہ تم خوب سمجھ لو کہ جو تمہارے لیے مقدر ہو چکا ہے، وہ ضرور پہنچ کر رہے گا، اور جو مقدر نہیں ہوا، وہ کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم میں ٹھہر چکا ہے، بس ویسا ہی ہو کر رہے گا۔ لہٰذا جب فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے، اس پر غمگین ومضطرب نہ ہو، اور جو مقدر سے ہاتھ لگ جائے، اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں، بلکہ مصیبت وناکامی میں صبر وتسلیم اور راحت وکامیابی میں ثنا وشکر سے کام لو۔

حدیث 106:۔ أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُظَفَّرِيُّ، أَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ الْفَقِيهُ، نَا أَبُو نَصْرِ بْنُ حَمْدَوَيْهِ الْمُطَّوِّعِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُوَجِّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، أَنَا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ هُوَ ابْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا: زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ! لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ، إِلا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّ الرُّوحَ الأَمِينَ نَفَثَ فِي رُوعِي، أَنَّهُ لَيْسَ مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا، فَاتَّقُوا اللهَ، وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ

تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللهِ، فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ".

(صحيح: شرح السنة. البغوي. رقم 4111، 4112، 4113؛ مسند الشهاب القضاعي رقم 1151؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 34332؛ أبو عبيد في "الغريب" 1/298؛ مصابيح السنة رقم 4093؛ ابن مردويه في "أماليه" رقم 24، البيهقي في "الشعب" رقم 9891؛ أبو القاسم الأصبهاني في "الترغيب" رقم 1098؛ العسكري في "التصحيفات" 1/209؛ مستدرک حاکم رقم 2136؛ البيهقي في "القضاء والقدر" رقم 235؛ القناعة والتعفف. لابن أبي الدنيا. رقم 57؛ جامع معمر بن راشد رقم 20100 مرسلاً؛ مشکوٰۃ رقم 5300؛ الصحيحة: رقم 2866؛ صحيح: تخريج أحاديث مشكلة الفقر. للألباني. رقم 15)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر ونواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت ومنفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین علیہ السلام نے (اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس علیہ السلام نے) (اور دونوں سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی)۔ لہٰذا اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیز گاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر وکوشش کرنے لگو، کیوں کہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔''

حدیث 107:۔حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَحْمَدَ ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ ثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الْحَوَارِيِّ ثنا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الْوُحَاظِيُّ ثنا عُفَيْرُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِيَ أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ أَجَلَهَا وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَهَا فَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّ أَحَدَكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ يَطْلُبَهُ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنَّ اللهَ لَا يُنَالُ مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ".

(أبو نعيم في "الحلية" 10/26-27؛ الطبراني في "الكبير" رقم 7694؛ ابن عبد البر في "التمهيد" 24/435؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ عُفَيْرُ بْنُ مَعْدَانَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ: مجمع الزوائد رقم 6293؛ صحيح الجامع: رقم 2085)

ترجمہ: حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک روح القدس علیہ السلام (حضرت جبرئیل امین علیہ السلام) نے ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی تنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اُس کی موت کا وقت نہ آجائے اور وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہوجائے اُس کو موت آہی نہیں سکتی ہے)۔لہٰذا (اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں) نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہوجانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکروکوشش کرنے لگو، کیوں کہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے“

حدیث 108:۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، خُذُوا مَا حَلَّ، وَدَعُوا مَا حَرُمَ".

(صحیح: ابن ماجہ رقم 2144؛ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الذهبی: على شرط البخاری ومسلم: مستدرک حاکم رقم 2134، 2135، 7924؛ ابن حبان رقم 3239، 3241؛ أبو الشيخ فی "الطبقات" رقم 801؛ سنن الکبریٰ للبیهقی رقم 10404، 10405؛ "شعب الایمان" رقم 1142، 10023؛ ابن الحطاب فی "مشيخته" رقم 43؛ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم 420؛ حنبل بن إسحاق فی "جزئه" رقم 46؛ ابن الجارود رقم 556؛ الطبرانی فی "الأوسط" رقم 3109، 9074؛ ابن بشران رقم 285، 1603؛ أبو طالب العشاری فی "حديث أبی القاسم البغوی" رقم 4؛ مسند الشهاب القضاعی رقم 1152؛ البیهقی فی "القضاء والقدر" رقم 234؛ ابن عبد البر فی "التمهيد" 24/ 434 - 435؛ محمد بن عبد الباقی الأنصاری فی "المشيخة الكبرى" رقم 33؛ الذهبی فی "معجم الشیوخ" 2/278-279؛ "تذكرة الحفاظ" 3/1083؛ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۶، ۱۵۷، ج ۷ ص ۱۵۸؛ الآداب بیہقی رقم 777).

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو۔ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک (اُس کی موت کا وقت نہ آجائے اور) وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے)۔ اور اگر روزی میں کچھ تاخیر ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ روزی میں تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو۔ حلال روزی کو حاصل کرو، اور حرام روزی کو چھوڑ دو''۔

حدیث 109 :۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْخِرَقِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ الطَّيْسَفُونِيُّ، أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْجَوْهَرِيُّ، نَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ الْكُشْمِيهَنِيُّ، نَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، نَا عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ، عَنِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:

"مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمُ اللهُ بِهِ، إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمُ اللهُ عَنْهُ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّ الرُّوحَ الأَمِينَ قَدْ أَلْقَى فِي رُوعِي، أَنَّهُ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَوْعِبَ كُلَّ الَّذِيْ كَتَبَ اللهُ لَهَا، فَمَنْ أَبْطَأَ عَنْهُ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ، فَلْيُجْمِلْ فِي الطَّلَبِ، فَإِنَّكُمْ لَنْ تُدْرِكُوا مَا عِنْدَ اللهِ إِلَّا بِمِثْلِ طَاعَتِهِ".

(صحیح مرسل: البغوی فی "شرح السُّنة" رقم 4110؛ احادیث إسماعیل بن جعفر المدنی، رقم 368؛ مسند الإمام الشافعی (ترتیب سنجر) رقم 1798؛ سنن الکبریٰ، البیهقی، رقم 13443؛ "شعب الایمان" رقم 1141؛ "بیان خطأ من أخطاء علی الشافعی"، بیهقی، ص 105؛ الأسماء والصفات للبیهقی، رقم 427؛ معرفة السنن والآثار رقم 20؛ السمرقندی فی "تنبیه الغافلین" ص 365؛ جامع بیان العلم وفضله رقم 2345؛ هذا إسناد مرسل حسن: الصحیحة: رقم 1803)

ترجمہ: حضرت اَلْمُطَّلِبُ بْنُ حَنْطَبٍ رحمۃ اللہ علیہ تابعی مرسلاً روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر ونواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت ومنفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں)۔ بے شک الروح الامین علیہ السلام (حضرت جبرئیل امین علیہ السلام) نے ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہو (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے)۔ پس جس کے لیے روزی میں کچھ تاخیر ہو جائے۔ (اے لوگو

! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور) تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیز گاری کا رویہ اختیار کرو ۔(یہ تمہیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو) کیوں کہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے''۔

تشریح ان احادیث میں عالمِ غیب کے چند اہم اسباق کی تعلیم دی گئی ہے:

1 انسان کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مرنے کے بعد دفعۃً جنت یا دوزخ میں پہنچ جاتا ہے، بلکہ اپنے عملی مساعی کے لحاظ سے کبھی وہ اس طرف قریب ہو جاتا ہے کبھی اُس طرف۔ پس زندگی کیا ہے؟ وہ جنت و دوزخ کی مسافت کا نام ہے، جتنی وہ ختم ہوتی ہے، اتنا ہی وہ ایک طرف کا راستہ طے لر لیتا ہے۔ ہر چند کہ اصل دارومدار تو خاتمہ ہی پر رکھا گیا ہے، لیکن ایک مؤمن قانت (فرماں بردار) کو اپنے اوقات و اعمال کا محاسبہ ہمہ وقت لازم ہے کہ وہ اپنی عمر میں کتنا کس طرف قریب ہو رہا ہے؟ جتنا وہ جس طرف بھی قریب ہو گیا، بظاہر اُمید یہ ہی ہوتی ہے کہ بقیہ عمر میں بھی وہ اُسی سمت کی بقیہ مسافت طے کرے گا۔ لہٰذا زندگی کا ہر قدم بہت پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ کسی جگہ سے قریب ہو کر پھر دفعۃً دور ہو جانا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے عموماً جس حالت میں بھی عمر گزرتی ہے، اسی پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ گو کبھی کبھی اس کے خلاف بھی پیش آ جاتا ہے۔

2 انسان عبث ایسی چیز کے پیچھے لگا رہتا ہے جو خود اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے، یعنی رزق۔ انسانی مقدرات میں جہاں اور باتیں لکھی جاتی ہیں، اس کا مقدر کا رزق بھی لکھا جاتا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ اس کو پورا کیے بغیر وہ سفرِ آخرت کر سکے؟

3 انسان رزق کی ہوس میں یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ حلال ذریعہ سے رزق تھوڑا حاصل ہوتا ہے اور حرام ذرائع سے زیادہ۔ اس لیے حرام ذرائع اختیار کر لیتا ہے۔ حدیث اس کو سمجھاتی ہے کہ تمام مخلوق کا رزق رازق کے پاس ہے۔ جب یہ ہے تو پھر جس کے ہاتھ میں رزق ہو، تم اس کی مخالفت کو کیسے رزق کا ذریعہ سمجھ لیتے ہو؟

4 یہاں کسبِ حلال پر اتنا ہی زور دیا گیا ہے جتنا کہ تقویٰ کی تحصیل پر۔ حلال کے بارے میں جد وجہد کرنا اور حرام سے بچنے کے لیے تقدیر کو یاد رکھنا اسلامی معیشت کے لیے سہل ترین نسخہ ہے۔

16 توکل اور رضا بالقضاء

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانہ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لیے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان نلوں کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح عالمِ وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لَو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے امید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرزِ عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کے لیے لازم نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر دور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کارخانہ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے، نہ اس کے لیے شرط ہے، ہاں اگر غلبہ حال سے اللہ کا کوئی صاحبِ یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے تو قابل اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لیے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لیے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کے لیے کوئی بندۂ خدا ترکِ اسباب کا رویہ اختیار کر لے، تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی، اور قرآن وحدیث میں اسی کی ترغیب ودعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح وثنا کی گئی ہے، اور بلاشبہ یہ توکل، ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی اچھے یا بُرے احوال آئیں، وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے، اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے، اور راحت وعافیت کے دنوں کی طرح تکلیف ومصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو، کہ: ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

حدیث 110:۔حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ حُصَيْنَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ"۔

(بخاری رقم 6472، 3410، 5705، 5752، 6541؛ مسلم رقم 374 - 220؛ مسند احمد رقم 2952؛ ترمذی رقم 2446؛ ابن مندہ فی "الإیمان" رقم 981، 982، 983، 984؛ ابن حبان رقم 6430؛ "شعب الإیمان" رقم 264؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 19544؛ البغوی رقم 4322)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں سے ستر ہزار (70,000) بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ وہ، وہ

بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، اور شگونِ بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں"۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت مبعوث ہوئے، اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابلِ اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے، تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون بُرا نکلتا، تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اس لئے پھر اس کو نہیں کرتے تھے۔ الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لیے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگونِ بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لیے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیوں کہ اصل کارفرما اور موثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔ لہٰذا کسی مقصد کے لیے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، سخت حماقت ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگانِ خدا وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگونِ بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا، تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگونِ بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے اس اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لیے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ان کا ترک کر دینا توکل کا مقتضٰی نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔

البتہ توکل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرزِ عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔ یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ اول میں مستحق ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ علاوہ ازیں عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی آ جائے۔

حدیث 111:۔حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ، أَخْبَرَنِي بَكْرُ بْنُ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ هُبَيْرَةَ، يَقُولُ: إِنَّهُ سَمِعَ أَبَا تَمِيمٍ الْجَيْشَانِيَّ يَقُولُ: سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: إِنَّهُ سَمِعَ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا".

(صحیح :مسند أحمد رقم205، 370، 373؛ عبد بن حميد رقم10، ابن حبان رقم 730؛ أبو نعيم في "الحلية" 10 / 69؛ ابن المبارك في "الزهد" رقم559؛ الطيالسي رقم51؛ ترمذی رقم2344؛ القضاعي في "مسند الشهاب" رقم1444؛ البغوي في "شرح السنة" رقم4108 ؛مسند عبد بن حمید رقم10؛ ابن ماجہ رقم4164؛ مسند بزار رقم 340؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 11805؛ مسند ابی یعلی رقم 247؛ مستدرک حاکم رقم7894؛ الآداب بیہقی رقم 774؛ شعب الایمان رقم 1139؛ الاحادیث المختارۃ رقم 227، 228؛ صحیح الجامع: رقم 5254؛ الصَّحِيحَة: رقم310)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: ''اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے، جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں''۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کرے، جیسا کہ انہیں کرنا چاہئے تو اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے کہ انہیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل وحرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھرے اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو اسی طرح کی بھی سہولت سے رزق پہنچائے اور انہیں زیادہ کدو کاش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اٹھانی پڑتی ہے۔

حدیث 112:۔حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أخبرنَا أَبُو شُعَيْبٍ، صَالِحُ بْنُ رُزَيْقٍ الْعَطَّارُ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُمَحِيُّ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُلَيِّ بْنِ

رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً، فَمَنْ أَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ، وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ".

(سنن ابن ماجه رقم 4166؛ مسند الشهاب القضاعي رقم 1145؛ مشکوۃ رقم 5309؛ هٰذَا إِسْنَاد ضَعِيف: مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه: ج ۴ ص ۲۲۷ رقم 7741؛ المزي في "تهذيب الكمال" 45/13)

ترجمہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے دل کے لیے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں)۔ پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا، اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا، تو اللہ کو پروانہ ہوگی، کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اس کے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنادے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کے لئے کفایت کرے گا (اور اس کو دل کے اطمینان وسکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے)''۔

تشریح حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل اور اعتماد کرے، اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

حدیث 113:۔ حَدَّثَنَا يُونُسُ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ رَكِبَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا غُلَامُ! إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ

لَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ".

(صحيح: مسند أحمد رقم 2669، 2763، 2803؛ مسند ابن الجعد رقم 3445؛ مسند عبد بن حميد رقم 636؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 315؛ ترمذی رقم 2516؛ ابن السنی فی "عمل اليوم والليلة" رقم 425؛ القدر للفریابی رقم 153، 155، 156، 158؛ مسند أبي يعلى رقم 2556؛ معجم ابی یعلی رقم 96؛ الآجری فی "الشريعة" رقم 413، 414؛ العقيلي في "الضعفاء" 53/3؛ معجم كبير الطبرانی رقم 11243، 11416، 11560، 12988؛ المُعْجَمُ الكَبِير للطبرانی المُجَلَّدان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر رقم 14768؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 1503، 1504، 1505، 1508؛ التوحيد لابن مَنْدَه رقم 248؛ مستدرک حاکم رقم 6303، 6304؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1094، 1095، 1096؛ أبو نعيم في "الحلية" 314/1؛ مسند الشهاب القضاعی رقم 745؛ الأسماء والصفات للبيهقي رقم 126؛ الاعتقاد بیہقی ص ۱۳۹، ۱۴۰؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 287، 288، 306؛ البيهقي في "الشعب" رقم 192، 1043، 9528؛ وفي "الآداب" (1073)؛ الدعاء للطبرانی رقم 41، 42، 43؛ معجم اوسط طبرانی رقم 5417؛ صَحِيح الجَامِع: رقم 7957؛ الصَّحِيحَة: رقم 2382؛ مشکوٰۃ رقم 5302)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو)، اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے، تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو، تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو دل میں بٹھالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے، تو صرف اسی چیز

سے تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر دی ہے، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے، تو صرف اسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا، اُٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے''۔

تشریح: حدیث کا مطلب ومنشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع ونقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لیے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ لہٰذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لیے اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام وحقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا وآخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

حدیث 114: ۔ أَخْبَرَنَا أَبُو مَنْصُورٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْمُظَفَّرِيُّ، أَنَا أَبُو سَعِيدٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ الْفَقِيهُ، نَا أَبُو نَصْرِ بْنُ حَمْدَوَيْهِ الْمُطَّوِّعِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُوَجِّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، أَنَا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ هُوَ ابْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا: زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ! لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ، إِلا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّ الرُّوحَ الأَمِينَ نَفَثَ فِي رُوعِي، أَنَّهُ لَيْسَ مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ

رِزْقَهَا، فَاتَّقُوا اللهَ، وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللهِ، فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللهِ إِلا بِطَاعَتِهِ".

(صحیح: شرح السنة، البغوی، رقم 4111، 4112، 4113؛ مسند الشهاب القضاعی رقم 1151؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 34332؛ أبو عبيد فی "الغريب" 1/ 298؛ مصابیح السنۃ رقم 4093؛ ابن مردويه فی "أماليه" رقم 24، البيهقی فی "الشعب" رقم 9891؛ أبو القاسم الأصبهانی فی "الترغيب" رقم 1098؛ العسکری فی "التصحيفات" 1/ 209؛ مستدرک حاکم رقم 2136؛ البيهقی فی "القضاء والقدر" رقم 235؛ القناعة والتعفف، لابن أبی الدنيا، رقم 57؛ جامع معمر بن راشد رقم 20100 مرسلاً؛ مشکوٰۃ رقم 5300؛ الصحيحة: رقم 2866؛ صحیح: تخریج أحاديث مشكلة الفقر، للألبانی، رقم 15)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر ونواہیؒ کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین علیہ السلام نے (اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس علیہ السلام نے) (اور دونوں سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی)۔ لہٰذا اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے

حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو، کیوں کہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہے"۔

تشریح: حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ارشاد فرمایا: "لوگو! حلال وحرام اور گناہ وثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں"۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی، جس کا حاصل یہ ہی ہے: "ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا۔ لہٰذا اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اس کے حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے کیوں کہ اللہ کا فضل وانعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہی سے حاصل کی جاسکتا ہے"۔

اس کو ایک جزوی مثال کے طور پر آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تنگدستی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھالے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کے روزی حاصل کرلے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کر رہے گی، پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش

کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

حدیث 115:۔ حَدَّثَنَا ابْنُ عَامِرٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَهْلِهِ، فَلَمَّا رَأَى مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ، خَرَجَ إِلَى الْبَرِّيَّةِ، فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ امْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحَى، فَوَضَعَتْهَا، وَإِلَى التَّنُّورِ فَسَجَرَتْهُ، ثُمَّ قَالَتْ: "أَللّٰهُمَّ! ارْزُقْنَا". فَنَظَرَتْ فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ. قَالَ: وَذَهَبَتْ إِلَى التَّنُّورِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا. قَالَ: فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ: "أَصَبْتُمْ بَعْدِي شَيْئًا؟". قَالَتِ امْرَأَتُهُ: "نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا". قَامَ إِلَى الرَّحَى، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَمَا إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا، لَمْ تَزَلْ تَدُورُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ".

(صحیح: مسند احمد رقم 10658؛ البزار رقم 10073؛ الطبرانی فی "الأوسط" رقم 5588؛ البیہقی فی "الدلائل" 105/6؛ شعب الایمان رقم 1278؛ وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِنَحْوِهِ، وَرِجَالُهُمْ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ شَيْخِ الْبَزَّارِ، وَشَيْخِ الطَّبَرَانِيِّ وَهُمَا ثِقَتَانِ: مجمع الزوائد رقم 17873؛ سلسلة الأحاديث الصحيحة رقم 2937؛ مشکوۃ رقم 5311)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچا۔ جب اس نے ان کو فقر وفاقہ کی حالت میں دیکھا، تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لیے) جنگل کی طرف چل دیا۔ جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا (کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسا کر کے اس نے تیاری شروع کردی)۔ وہ اُٹھ کر چکی کے پاس آئی، اور اس کو تیار کیا (تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے، تو جلدی سے اس کو پیسا جا سکے)۔ پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تا کہ آٹا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے)۔ پھر اس نے خود بھی دعا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ''اے مالک! ہمیں رزق دے''۔ اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لیے جو جگہ بنی ہوتی ہے (جس کو چکی کا گرانڈ اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں)، وہ آٹے سے بھری ہوئی ہے۔ پھر وہ تنور کے پاس گئی تو

دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں)۔ اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے، اور بیوی سے پوچھا: ''میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟''۔ بیوی نے بتایا: ''ہاں! ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہِ راست خزانۂ غیب سے اس طرح ملا ہے)۔ یہ سُن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اُٹھا کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اُٹھا کر دیکھا)۔ پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ اس کو اُٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا''۔

تشریح اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارقِ کے قبیل سے ہے، اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالمِ اسباب کے عام دستور کے خلاف براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں، تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے کسی متبع اُمتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو، تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کے لئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آ گیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے ناآشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایت پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے، اُن کے لیے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

آیت 21:۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۳)

ترجمہ اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کے لئے اور اس کے کام بنانے کے لئے کافی ہے۔

17 ''تقدیر'' اور انسان کی جدوجہد

انسان کے دل میں بعض اوقات یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب تقدیر تو پہلے ہی لکھی جاچکی ہے تو اب محنت ومشقت کی کیا ضرورت ہے......؟ اور پھر اسی سوچ کی وجہ سے بہت سے لوگ محنت اور کام کاج سے جی چرانے لگتے ہیں اور راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ اپنی اسی غلط سوچ کو بہانہ بنا کر اللہ پر توکل کا دعویٰ کرتے ہیں اور محنت ومشقت سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں کہ بس ہمیں اللہ پر توکل ہے۔ لہٰذا اب کام کاج یا محنت ومشقت کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہیں۔

یہ اندازِ فکر اسلامی تعلیمات کی رو سے یکسر غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ''الحکیم'' یعنی حکمت والا بھی ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی حکم یا فیصلہ حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی حکمت ومصلحت کی بناء پر ہی تمام ''مسبّبات'' کو ''اسباب'' پر موقوف فرمادیا ہے، یعنی کسی بھی مقصد کے حصول کیلئے اللہ پر مکمل توکل اور اس سے دعا کے ساتھ ساتھ ہر اس ظاہری سبب کو اختیار کرنا بھی شرعاً ضروری ولازمی ہے، جو اس مقصد کیلئے مفید اور معاون ہو۔ مثلاً کسان اگر غلہ اگانا چاہتا ہے یا عمدہ فصل حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلے زمین میں بیج تو ڈالے، اس کے بعد اچھی فصل کی توقع کرے، اگر کسی کو اولاد کی تمنا ہے تو پہلے شادی تو کرے، اس کے بعد اولاد کی امید رکھے۔ اسی طرح مثلاً یہ کہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ تو یقیناً اللہ کی مشیت ومرضی اور اس کے فضل واحسان سے ہی نصیب ہوگا، لیکن اس مقصد کیلئے ظاہری اسباب کا اختیار کرنا مثلاً اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور تمام منکرات وسیئات سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کوئی جنت کا طلبگار ہے تو اس کیلئے تمام ظاہری اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے، یعنی اس مقصد کیلئے عقیدہ وایمان کی درستی، اعمالِ صالحہ کا اہتمام والتزام نیز تمام فاسد وباطل عقائد اور معاصی ومنکرات سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ اپنی طرف سے اس کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ سے دعا اور توبہ واستغفار کا سلسلہ بھی جاری رکھے اور اس

کے بعد اپنے مقصد (یعنی جنت میں داخلہ اور جہنم سے حفاظت ونجات) کے حصول اور خواہش کی امید رکھے۔

اگر نہ تو اصلاحِ عقیدہ وعمل کی فکر ہو، نہ ہی اس سلسلے میں کوئی کوشش اور جدوجہد ہو، اور انسان محض جھوٹی اور موہوم امیدوں پر تکیہ کئے بیٹھا رہے، اور یوں فقط بیٹھے بٹھائے ہی جنت کی آرزو کرتا رہے...... یہ چیز یقیناً اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف اور منافی ہے، کسی کا شعر ہے:

ترجو النّجاة ولم تَسلُك مَسالِكها　　انّ السّفينة لا تجر علىٰ اليَبَس

ترجمہ: تم نجات کی امید لگائے بیٹھے ہو، حالانکہ نجات کے راستے پر تو تم چلتے ہی نہیں، خشکی پر رکھی ہوئی کشتی تو کبھی تیر نہیں سکتی۔

لہٰذا اگر دریا کے اس پار جانے کی خواہش ہے، تو پہلے کشتی کو خشکی سے اٹھا کر پانی میں ڈالا جائے، اور اس کے بعد یہ امید کی جائے کہ یہ کشتی اب ہمیں اُس پار پہنچادے گی۔ جس شہر کی طرف جانے کی خواہش ہے، پہلے اس شہر تک پہنچانے والا راستہ اختیار کیا جائے، وہاں تک پہنچانے والی سواری پکڑی جائے اور اس کے بعد وہاں پہنچنے کی توقع کی جائے...... اسی طرح اگر آخرت میں فلاح ونجات کی آرزو ہے، تو پہلے نجات کا راستہ تو اختیار کیا جائے، اس کے بعد نجات کی امید قائم کی جائے۔

اسی طرح مثلاً جو پریشانی نصیب میں لکھی ہوئی ہے وہ تو آکر ہی رہے گی لیکن اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاطی تدبیر کا اہتمام شرعاً ضروری ہے۔ نصیب میں لکھی ہوئی بیماری تو ضرور آئیگی، مگر احتیاطی تدابیر نیز ہر ممکن علاج ودیگر تمام ظاہری اسباب اور وسائل وذرائع کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ہر انسان کا رزق اگرچہ مقرر ہے، لیکن اس کے حصول کیلئے کوشش، محنت ومشقت، عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل ضروری ہے، بلکہ حرام سے بچنے اور حلال روزی کمانے کیلئے جدوجہد تو بہت ہی افضل اور پسندیدہ ترین عمل ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی زندگی اگرچہ مقرر ومحدود ہے مگر اس کے باوجود اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کی حفاظت اور عافیت وسلامتی، نیز بربادی وہلاکت سے بچنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے، اور اس مقصد کیلئے شرعی تعلیمات کے مطابق ہر جائز و

ممکن تدبیر اختیار کرے، نیز والدین اور عزیز و اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کا خوب اہتمام کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ عمل درازیٔ عمر نیز رزق میں وسعت و فراخی کیلئے انتہائی اہم اور مفید ترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

حدیث 116 :۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الكِرْمَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَسَّانُ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، قَالَ مُحَمَّدٌ هُوَ الزُّهْرِيُّ: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ"۔

(بخاری رقم 2067، 5985؛ مسلم رقم 21-2557)

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کے رزق میں وسعت و کشادگی اور عمر میں درازی ہو، اسے چاہئے کہ خوب صلہ رحمی کیا کرے''۔

تشریح لہٰذا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر پر ایمان کے منافی ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس اسلامی تعلیم یہی ہے کہ ''تقدیر'' پر مستحکم ایمان اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر مکمل توکل و اعتماد کے ساتھ ساتھ بندے کیلئے ''اسباب'' کو اختیار کرنا محنت و کوشش، جدوجہد، مسلسل عمل اور فکر و جستجو شرعاً ضروری و لازمی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

آیت 22 :۔وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ۔الآية (التوبة:١٠٥)

ترجمہ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حدیث 117 :۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ

عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَیْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّی فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ"۔ (مسلم رقم 34-2664)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قوی اور طاقت ور مؤمن اللہ کے نزدیک کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔ ہر ایک میں بھلائی ہے۔ ہر وہ چیز جو تمہارے لئے نافع و مفید ہو، اس کی فکرو جستجو کرو۔ اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز و بے بس بن کر بیٹھے نہ رہو، اگر تمہیں کوئی (ناپسندیدہ) چیز پہنچے، تو یوں نہ کہو: "اگر میں یوں کر لیتا تو یوں ہو جاتا، بلکہ یوں کہو: "اللہ نے جو چاہا مقدر فرمایا اور اس نے جو چاہا وہی کیا۔ اس لیے کہ "اگر" کا لفظ تو شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے"۔

تشریح یعنی انسان اللہ پر توکل و اعتماد اور اس سے استعانت کا راستہ اپنائے رکھے، اور اس کے ساتھ ہی عمل، محنت و کوشش و دیگر تمام ظاہری اسباب و وسائل کو اختیار کرنے کی فکرو جستجو بھی کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خالص و صادق مؤمن اور متوکل علی اللہ کون ہوسکتا ہے؟ مگر اس کے باوجود سب ہی جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ہمیشہ ظاہری اسباب کو اختیار فرمایا، نیز اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی اسی کی تاکید و تلقین فرمائی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے موقع پر ہمیشہ ہر ممکن جنگی تدابیر اختیار فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہی سامانِ حرب جو میسر ہوسکتا تھا، اسے حاصل کرنے کی غرض سے تمام ممکنہ وسائل اختیار کئے گئے، اپنے دفاع کی غرض سے ہر ممکن حفاظتی تدابیر اختیار کی گئیں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر اسی نقطۂ نظر کے تحت خندق کھودی گئی۔ جنگ کے موقع پر حفاظتی تدبیر کے طور پر ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مخصوص جنگی لباس زیب تن فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا والوں کیلئے رہبر و رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا، مگر اس کے باوجود سفرِ ہجرت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رہبر کی خدمات حاصل کیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بخوبی سب ہی کے علم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاش اور روزگار کے معاملہ میں بھی ہمیشہ

ظاہری اسباب کو اختیار فرمایا۔ مختلف تجارتی سفر بھی کئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس سلسلہ میں محنت ومشقت اور جاں فشانی سے کام لینے کی تاکید وتلقین فرمائی۔

لہٰذا اسلامی تعلیمات کی رو سے تمام ظاہری اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ البتہ توکل واعتماد ان ظاہری اسباب پر نہ ہو، بلکہ صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہو، جو کہ ''مسبب الاسباب'' ہے، یعنی جس کے قبضے میں یہ تمام ظاہری اسباب ہیں، ان تمام ظاہری اسباب میں تاثیر بھی اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت ومرضی سے پیدا ہو گی۔ اللہ کو اگر منظور ہوگا تب ہی یہ ظاہری اسباب ووسائل اپنا اثر دکھا سکیں گے اور نافع ومفید ثابت ہوسکیں گے، ورنہ تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، کیونکہ درحقیقت ''سبب ساز'' بھی فقط وہی ہے اور ''سبب سوز'' بھی وہی ہے۔ لہٰذا یہی عقیدہ وایمان ہونا چاہئے کہ بہر حال وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔ ظاہری اسباب تو محض اس لئے اختیار کئے جاتے ہیں کہ دینِ اسلام کا حکم اور تعلیم یہی ہے۔ اور پھر اس کے بعد نتیجہ جو بھی ظاہر ہو، اسے اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' اور اس کا ''فیصلہ'' سمجھ کر قبول کرے اور اس پر راضی ہوجائے۔

18 دعا سے تقدیر بدلتی ہے

حدیث 118:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، وَسَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الضُّرَيْسِ، عَنْ أَبِي مَوْدُودٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ". وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

(حسن: ترمذی رقم 2139؛ مسند البزار رقم 2540؛ شرح مشکل الآثار رقم 3068؛ الدعاء للطبرانی رقم 30؛ معجم کبیر طبرانی رقم 6128؛ مسند الشہاب القضاعی رقم 831؛ الترغیب والترهیب لقوام السنة، رقم 1262؛ نهاية المراد من كلام خير العباد لعبد الغني المقدسي، رقم 23؛ مشکوٰۃ رقم 2233؛ صَحِيحُ الْجَامِعِ: رقم 7687؛ الصَّحِيحَة: رقم 154؛ صَحِيحُ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ: رقم 1638؛ سلسلة الأحاديث الصحيحة رقم 154؛ عن ثوبان: مسند احمد رقم

22386، 22413، 22438: ابن ماجہ رقم 90، 4022: مستدرک حاکم رقم 1814: شعب الایمان رقم 9752: ابن حبان رقم 872: موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان رقم 1090)

ترجمہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تقدیر نہیں بدلتی مگر دعا سے، اور نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔

حدیث 119 :۔ثنا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْحَافِظُ، ثنا حَامِدُ بْنُ مَحْمُودٍ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّازِيُّ، ثنا حَنْظَلَةُ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "لَا يَنْفَعُ الْحَذَرُ مِنَ الْقَدَرِ، وَلٰكِنَّ اللهَ يَمْحُو بِالدُّعَاءِ مَا يَشَاءُ مِنَ الْقَدَرِ"۔

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ. [التعليق - من تلخيص الذهبي] - صحيح

(صحیح: مستدرک حاکم رقم 3333: القضاء والقدر بیہقی رقم 254:)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حفاظتی تدابیر تقدیر کے مقابلے میں کچھ نفع مند نہیں ہیں، لیکن بندہ کے دعا مانگنے سے تقدیر کے لکھے میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دے''۔

19 حضرت آدم علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی تقدیر میں لکھی ہوئی عمر میں اضافہ فرما دیا۔

حدیث 120 :۔حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ: "أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟". قَالَ: "هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ". فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ: "أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰذَا؟". فَقَالَ: "هٰذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ دَاوُدُ". فَقَالَ: "رَبِّ! كَمْ

جَعَلْتَ عُمُرَهُ؟". قَالَ: "سِتِّينَ سَنَةً". قَالَ: "أَيْ رَبِّ! زِدْهُ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً". فَلَمَّا قُضِيَ عُمُرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: "أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً؟". قَالَ: "أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ". قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنُسِّيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ". هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(صحیح: ترمذی رقم 3076، 3368؛ مسند ابی یعلی رقم 6654؛ القدر للفریابی رقم 19؛ فوائد أبی محمد الفاکهی رقم 134؛ ابن حبان رقم 6167؛ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ. وقال الذهبی: علی شرط مسلم: المستدرک علی الصحیحین، رقم 3257، 4132؛ مشکوۃ رقم 118، 4662؛ صحیح الجامع رقم 5209)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اُن کی پیٹھ سے وہ تمام رُوحیں نکلیں، جنھیں اللہ تعالیٰ قیامت تک حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے پیدا کرنے والے تھے۔ ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان ایک سفید روشنی رکھ دی۔ پھر انھیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''میرے رب! یہ کون ہیں؟''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یہ سب تیری اولاد ہے''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے ایک آدمی دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی روشنی حضرت آدم علیہ السلام کو بہت بھلی لگی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ''میرے رب! یہ کون ہے؟''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تیری اولاد کی آخری اُمتوں میں سے ایک آدمی ہے جس کا نام حضرت داوٗد علیہ السلام ہے''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''میرے رب! تُو نے اس کی عمر کتنی لکھی ہے؟''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ساٹھ (60) سال''۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''اچھا! میرے رب! میری عمر میں سے چالیس (40) سال حضرت داوٗد علیہ السلام کو دے دے''۔ پھر جب ملک الموت حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: ''ابھی تو میری عمر کے چالیس (40) سال باقی ہیں؟''۔

فرشتے نے یاد دلایا: ''کیا آپ علیہ السلام نے اپنی عمر کے چالیس سال اپنے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو نہیں دیئے تھے؟''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (حقائق سے) انکار کرنے لگی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ اب ان کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی۔ اب ان کی اولاد سے بھی خطا ہوتی ہے''۔

20 تقدیر اور استعاذہ کی دعائیں

1 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بری تقدیر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے

حدیث 121:۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ"۔

(بخاری رقم 6616؛ مسلم رقم 53-2707)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے، اور بدبختی کے لاحق ہونے سے، اور بری تقدیر سے، اور دشمنوں کی شماتت سے''۔

تشریح اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی برائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں، جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے: "جُهْدُ الْبَلَاءِ" (کسی بلا کی مشقت اور سختی)۔ بلا ہر اس حالت کا نام ہے جو انسان کے لئے باعث تکلیف اور موجب پریشانی ہو، اور جس میں اس کی آزمائش ہو، یہ دینوی بھی ہوسکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہوسکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب اور تکالیف اور آفات و بلیات کو حاوی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں

تلقین فرمائی گئی ہے، وہ ہے ”دَرْكُ الشَّقَاءِ“ (بدبختی کا لاحق ہونا) اور تیسری چیز ہے: ”سُوْءُ الْقَضَاءِ“ (بری تقدیر) ان دونوں کی جامعیت بھی بالکل ظاہر ہے، جس بندے کو ہر نوع کی بدبختی سے اور بری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہوگئی، بلاشبہ اسے سب کچھ مل گیا۔ آخری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے ”شَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ“ (یعنی کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا)۔ بلاشبہ دشمنوں کی شماتت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف واذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوْءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ".

ترجمہ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بدبختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے مذاق اور ان کی طعنہ زنی سے۔

2 اللہ تعالیٰ جب چاہیں، تقدیر بدل سکتے ہیں۔

حدیث 122:۔ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ". قَالَ: فَقُلْنَا: "يَا رَسُولَ اللهِ! آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ، فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟". قَالَ: فَقَالَ: "نَعَمْ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلِّبُهَا".

(صحیح علی شرط مسلم: مسند أحمد رقم 12107، 13696؛ مصنف ابن أبي شيبہ رقم 29196، 30405؛ البخاري في "الأدب" رقم 683؛ ابن ماجه رقم 3834؛ ترمذي رقم 2140؛ أبو يعلى رقم 3688،3687؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم 225؛ الطبري في

"تفسیرہ" 3/ 188؛ الحاکم فی "مستدرکہ" رقم1927؛ البغوی رقم88؛ الآجری فی "الشریعۃ" رقم729، 732؛ أبو نعیم فی "الحلیۃ" 122/8؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 1261؛ الطبرانی فی "الکبیر" رقم759؛ مسند البزار رقم 7508؛ القضاء والقدر بیہقی رقم 382؛ الضیاء فی "المختارۃ" رقم2222، 2223، 2224، 2225؛ مشکوۃ رقم102)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ".

ترجمہ اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔

ہم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے بارے میں خوف ہے؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! (انسانوں کے) دل اللہ کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے درمیان ہیں، اللہ تعالیٰ دلوں کو پلٹتے رہتے ہیں"۔

حدیث123:۔ حَدَّثَنَا يُونُسُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ، عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ، وَهِشَامٍ، وَيُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَعَوَاتٌ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَ بِهَا: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ". قَالَتْ: فَقُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ تُكْثِرُ تَدْعُو بِهٰذَا الدُّعَاءِ". فَقَالَ: "إِنَّ قَلْبَ الْآدَمِيِّ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا شَاءَ أَزَاغَهُ، وَإِذَا شَاءَ أَقَامَهُ".

(صحیح لغیرہ: مسند أحمد رقم 24604، 26133؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم29199، 30407؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم1369، 1402؛ النسائی فی "الکبری" رقم 7737؛ مسند ابی یعلی رقم4669؛ الشریعۃ للآجری رقم321، 733؛ الطبرانی فی "مسند الشامیین" رقم2701؛ الدعاء للطبرانی رقم1259؛ معجم اوسط طبرانی رقم1530؛ الھیثمی فی "المجمع" 7/ 210. وقال: رواہ الطبرانی فی "الأوسط". وفیہ المعلی بن الفضل. قال ابن عدی: فی بعض ما یرویہ نکرۃ. وبقیۃ رجالہ وثقوا. وفیھم خلاف)

ترجمہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

"يَامُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ".

ترجمہ: اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔

میں نے عرض کیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے رہتے ہیں؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ یعنی اسی کے اختیار میں ہے، جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے''۔

حدیث 124: - حَدَّثَنَا هَاشِمٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَهْرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ، تُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكْثِرُ فِي دُعَائِهِ أَنْ يَقُولَ: "أَللّٰهُمَّ! مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ". قَالَتْ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَوَ إِنَّ الْقُلُوبَ لَتَتَقَلَّبُ؟". قَالَ: "نَعَمْ، مَا مِنْ خَلْقِ اللهِ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ بَشَرٍ إِلَّا أَنَّ قَلْبَهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ، فَإِنْ شَاءَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَقَامَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَزَاغَهُ، فَنَسْأَلُ اللهَ رَبَّنَا أَنْ لَا يُزِيغَ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا، وَنَسْأَلُهُ أَنْ يَهَبَ لَنَا مِنْ لَدُنْهُ رَحْمَةً، إِنَّهُ هُوَ الْوَهَّابُ". قَالَتْ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا تُعَلِّمُنِي دَعْوَةً أَدْعُو بِهَا لِنَفْسِي؟". قَالَ: "بَلٰى، قُولِي: أَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنَا".

(صحیح بشواهده: مسند أحمد رقم 26576، 26519، 26679؛ جامع معمر بن راشد رقم 19646؛ مسند ابوداؤد طیالسی رقم 1713؛ ترمذی رقم 3522؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29197، 30406؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 1879؛ عَبْدُ بنُ حُمید في "المنتخب" رقم 1533، 1534؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7690؛ السنۃ لابن ابی عاصم رقم 232؛ مسند ابی یعلی رقم 6919، 6986؛ الكنى والأسماء للدولابی رقم 1642؛ التوحید لابن خزیمہ ج ١ ص ١٩١؛ معجم ابن الاعرابی رقم 1667؛ الطبری فی "تفسیرہ" رقم 6658، 6652؛ الطبرانی فی "الکبیر" 23/ (رقم 772، 785، 865)؛ "الدعاء" طبرانی رقم 1257، 1258؛ معجم اوسط طبرانی رقم 2381، 5330، 9432؛ عمل اليوم والليلة لابن السُّنّي رقم 658؛ مختصراً الآجری فی الشریعة رقم 729؛ سلسلة الأحاديث الصحيحة رقم 2091)

ترجمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ".

ترجمہ اے اللہ! دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''کیا بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ کیا دل بھی پلٹتے رہتے ہیں؟''۔ (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لغزشوں سے محفوظ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے ہیں؟)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے، یعنی اسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کردے''۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اسی لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے)۔ لہٰذا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ، جو ہمارا رب ہے، سے یہ دعا مانگنی چاہیے کہ وہ ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ٹیڑھا نہ کرے، یعنی گمراہی میں مبتلا نہ کردے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائے۔ بیشک وہی عطا فرمانے والا ہے''۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ دعا تعلیم نہیں فرمادیتے، جس کو میں اپنے لیے مانگتی رہوں؟''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! تم یوں دعا مانگا کرو:

أَللّٰهُمَّ! رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنَا".

ترجمہ ''اے اللہ! نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب! میرے گناہوں کو بخش دے، میرے دل سے غیظ وغضب کو نکال دے، میری ساری زندگی میں مجھے ہر قسم کے فتنوں کی گمراہی سے بچا کر اپنی حفاظت میں لے لے''۔

3 تقدیر میں لکھے گئے بُرے فیصلے سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث125:- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ السَّلُولِيِّ، عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوَتْرِ: "أَللّٰهُمَّ! اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ. تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ".

(صحیح: مسند أحمد، رقم1718، 1721، 1723، 1727؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم1275؛ مصنف عبدالرزاق رقم4984؛ مسند ابی شیبہ رقم787؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم6889، 29705؛ سنن الدارمی رقم1632، 1633، 1634؛ ابن ماجہ رقم1178؛ ابوداؤد رقم1425؛ ترمذی رقم464؛ سنن نسائی رقم1745، 1746؛ ابن حبان رقم945؛ ابن الجارود رقم 272؛ ابن خزیمة رقم1095؛ الطبرانی رقم 2700، 2712؛ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم375؛ "الآحاد والمثانی" رقم415؛ مستدرک حاکم رقم4800؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم3139، 4298، 4859)

ترجمہ حضرت ابوحوراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دعا سکھلائی ہے جس کو میں قنوتِ وتر میں پڑھتا ہوں:

أَللّٰهُمَّ! اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ. تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ".

''اے اللہ! جن کو تو نے ہدایت دی ہے، ان میں مجھے بھی ہدایت نصیب فرما اور جن لوگوں کو تو نے عافیت بخشی ہے، ان میں مجھے بھی عافیت عنایت فرما۔ جن لوگوں کا تو والی ہوا ہے، میرا بھی والی ہو۔ جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے، اس میں میرے لیے برکت دے اور جس شر کا تو نے فیصلہ کیا ہے، اس سے مجھے بچا۔ تحقیق تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ جس کا تو والی ہوا، وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ اے رب! تو برکت والا اور بلند ہے''۔

4 تقدیر میں لکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اللہ کے عذاب سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث126 :۔حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ، وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ، وَهُوَ يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".

(صحیح علی شرط الشیخین: مسند أحمد رقم 25655، 24312؛ موطا مالک رقم 725/238؛؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 125؛ ابن أبی شیبة 191/10؛ مسلم رقم 222-486؛ ترمذی رقم 3493؛ النسائی فی "المجتبیٰ" رقم 169، 1100، 1130، 5534؛ ابوداؤد رقم 879؛ سنن الکبریٰ للنسائی رقم 691، 7701؛ ابن ماجہ رقم 3841؛ ابن خزیمة رقم 655، 671؛ شرح معانی الآثار رقم 1408؛ أبو عوانة 169/2-170، 188؛ ابن حبان رقم 1932، 1933؛ الدارقطنی 143/1؛ الحاکم فی "معرفة علوم الحدیث" ص 215-216؛ البیهقی فی "السنن" 127/1؛ "الدعوات" رقم 188؛ ابن عبد البر فی "التمهید" 349/23؛ المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، لأبی نعیم، رقم 1081؛ ابن راهویه رقم 544؛ المروزی فی "قیام اللیل" ص 79)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہ پایا۔ پس میں (اندھیرے میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹٹولنے لگی، تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے تلووں پر پڑا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں پاؤں کھڑے تھے (جیسے کہ سجدے کی حالت میں ہوتے ہیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".

ترجمہ اے میرے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے تیری پناہ لیتا ہوں، میں تیری ثناو صفت پوری طرح بیان نہیں کرسکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ذاتِ اقدس کے بارے میں بتلایا ہے۔

حدیث 127:۔حَدَّثَنَا يَزِيدُ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".

(حسن: مسند أحمد رقم 751، 957، 1295؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 6943، 29711؛ عبد بن حمید رقم 81؛ ابوداؤد رقم 1427؛ ترمذی رقم 3566؛ أبو يعلى رقم 275؛ الطيالسي رقم 123؛ ابوداود رقم 1427؛ ابن ماجہ رقم 1179؛ النسائی فی "المجتبیٰ" رقم 1747؛ سنن الكبرى نسائی رقم 1448، 7705؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 751؛ الدعوات الكبير للبيهقي، رقم 437؛ السنن الصغیر بیہقی، رقم 793؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم 4871؛ تخريج الأحاديث المرفوعة المسندة فی كتاب التاريخ الكبير للبخاری رقم 839؛ مستدرک حاکم رقم 1150)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ".

ترجمہ اے میرے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے تیری پناہ لیتا ہوں، میں تیری ثناو صفت پوری طرح بیان نہیں کرسکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ذاتِ اقدس کے بارے میں بتلایا ہے۔

5 تقدیر میں لکھی گئی نعمتوں کے چھن جانے کے خوف سے اللہ کی پناہ مانگنے کی دعا

حدیث128:۔حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبُو زُرْعَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ"۔

(مسلم رقم96-2739؛ ادب المفرد رقم685؛ سنن ابی داؤد رقم1545؛ سنن الکبریٰ نسائی رقم7900؛ مستدرک حاکم رقم1946؛ الدعاء طبرانی رقم1337؛ معجم اوسط طبرانی رقم3588؛ الدعوات الکبیر رقم354؛ شعب الایمان رقم4224؛ صحیح الجامع: رقم1291؛ مشکوٰۃ رقم2461)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ"۔

ترجمہ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمتوں کے زائل ہو جانے سے، اور تیری بخشی ہوئی عافیت کے چلے جانے سے، اور تیرے عذاب کے ناگہانی آ جانے سے، اور تیری ہر قسم کی ناراضی اور ناخوشی ہے۔

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا سے بلکہ اس سلسلہ کی ساری ہی دعاؤں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نبوت و رسالت بلکہ مقامِ محبوبیت پر بھی فائز ہونے کے باوجود قضاء و قدر کے فیصلوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنے لرزاں و ترساں رہتے تھے، اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم اور اس کی حفاظت و پناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، صحیح ہے:

قربیان را بیش بود حیرانی

6 تقدیر میں لکھی گئی سستی، بزدلی اور قرض سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث 129: ۔حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ"۔

(بخاری رقم 6363، 5425، 4707، 2893، 2823، 6369، 6371؛ مسلم رقم 50 - 2706، 51 - 2706، 52 - 2706؛ احادیث اسماعیل بن جعفر رقم 348؛ سنن سعید بن منصور رقم 2676؛ مسند ابن الجعد رقم 2908؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29141؛ مسند أحمد رقم 12113، 12616، 13304، 13365، 13524؛ مسند عبد بن حمید رقم 1397؛ الأدب المفرد رقم 615، 671، 672، 801؛ ابوداود رقم 1540، 1541، 1555، 3972؛ ترمذی رقم 3484؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7834، 7835، 7836، 7858، 7887؛ سنن نسائی رقم 5449، 5450، 5453، 5476؛ مسند بزار رقم 6228، 6235، 7500؛ ابن حبان رقم 1009؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 1348؛ البیہقی فی "الدعوات" رقم 292؛ شرح السنۃ للبغوی رقم 1356؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 1350، 1352)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ"۔

ترجمہ: اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے، اور غم سے، اور کم ہمتی، اور کاہلی و بزدلی سے، اور بخیلی و کنجوسی، اور قرضہ کے بار سے، اور لوگوں کے دباؤ سے۔

تشریح: اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان میں سے چار (فکر و غم، قرضہ کا بار اور مخالفین کا غلبہ) ایسی چیزیں ہیں جو حساس و صاحبِ شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوتِ کار اور صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کنجوسی اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جرأت مندانہ اقدامات

اور محنت وقربانی والے وہ اعمال نہیں کرسکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز وفلاح اور نہ اللہ کی رضا کا مقام حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، اور اپنے عمل سے امت کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

7 تقدیر میں لکھے گئے کان، آنکھ، زبان، دل اور شرم گاہ کے فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث 130:۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ بْنِ الزُّبَيْرِ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، الْمَعْنَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ بِلَالٍ الْعَبْسِيِّ، عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ، عَنْ أَبِيهِ - فِي حَدِيثِ أَبِي أَحْمَدَ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ - قَالَ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! عَلِّمْنِي دُعَاءً، قَالَ: قُلْ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي، وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي"۔

(صحیح: سنن ابی داود رقم 1551؛ ترمذی رقم 3492؛ سنن نسائی رقم 5444، 5455، 5456، 5484؛ مسند ابن ابی شیبہ رقم 581؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29145؛ مسند أحمد رقم 15541؛ تخریج الأحادیث المرفوعة المسندة فی کتاب التاریخ الکبیر للبخاری رقم 734؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7827؛ سنن نسائی رقم 5444، 5455، 5456، 5484؛ البخاری فی "الأدب المفرد" رقم 663؛ البخاری فی "التاریخ الکبیر" 264/4؛ ابن أبی عاصم فی "الآحاد والمثانی" رقم 1272، والطبرانی فی "الکبیر" رقم 7225؛ الخرائطی فی "مکارم الأخلاق" رقم 1092؛ اعتلال القلوب للخرائطی رقم 3؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 1380، 1389؛ مستدرک حاکم رقم 1953؛ الدعوات الکبیر بیہقی رقم 346؛ شرح السنة بغوی رقم 1369)

ترجمہ: حضرت شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ، أَبُو شُتَيْرٍ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے کوئی تعوذ تعلیم فرما دیجئے (یعنی کوئی ایسی دعا بتا دیجئے) جس کے ذریعہ میں اللہ سے پناہ و حفاظت طلب کیا کروں؟"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں تھام کر فرمایا: کہو:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي، وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي".

ترجمہ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے، اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے قلب کے شر سے، اور اپنے مادہ شہوت کے شر سے۔

تشریح سمع و بصر اور زبان و قلب اور اسی طرح جنسی خواہش کا شر یہ ہے کہ یہ چیزیں احکامِ خداوندی کے خلاف استعمال ہوں، جس کا انجام اللہ کا غضب اور اس کا عذاب ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اس کی پناہ مانگی جائے، وہی اگر بچائے گا تو بندہ بچ سکے گا ورنہ مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

8 تقدیر میں لکھے گئے مصائب و آلام والے شب و روز اور بے دین و گمراہ لوگوں سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث 131:- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ الْوَلِيدِ النَّرْسِيُّ، ثنا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ، ثنا بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ، ثنا مُوسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ يَوْمِ السُّوءِ، وَمِنْ لَيْلَةِ السُّوءِ، وَمِنْ سَاعَةِ السُّوءِ، وَمِنْ صَاحِبِ السُّوءِ، وَمِنْ جَارِ السُّوءِ فِي دَارِ الْمُقَامَةِ".

(حسن: الدعاء للطبرانی رقم 1338؛ المعجم الكبير 17 / (رقم 810)؛ صحيح الجامع 1299؛ الصَّحِيحَة تحت حديث: 1443)

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اے اللہ! میں اپنے گھر میں برے شب و روز، بری گھڑی، برے ساتھی اور برے ہمسائے سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

حدیث 132:- حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ: "تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ شَرِّ جَارِ الْمَقَامِ، فَإِنَّ جَارَ الْمُسَافِرِ إِذَا شَاءَ أَنْ يُزَايِلَ زَايَلَ".

(صحیح:مسند أحمد رقم8553؛سنن نسائی رقم5502؛سنن کبریٰ نسائی رقم7886؛شعب الایمان رقم9106؛مصنف ابن ابی شیبہ رقم25421؛مسند بزار رقم8496؛الدعاء للطبرانی رقم1340؛البخاری فی "الأدب المفرد" رقم117؛أبو یعلی رقم6536؛ابن حبان رقم1033؛قال الحاکم : هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وأقره الذهبی: مستدرک حاکم رقم1951؛الدعوات الکبیر بیہقی رقم347؛مساوئ الأخلاق للخرائطی، رقم389؛صحیح الجامع:رقم940؛الصَّحِیحَة:رقم1443)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے مقام کے ہمسائے کے شر سے پناہ مانگو، اس لیے کہ مسافر ہمسایہ جب چاہے گا کہ وہ وہاں سے چلا جائے، چلا جاتا ہے (اس کا وہ ٹھکانہ عارضی ہوتا ہے)''۔

9 تقدیر میں لکھے گئے نامعلوم فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث133:۔حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:....وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ، وَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ". الحديث.

(صحیح:ترمذی رقم3233، 3234؛مسند احمد رقم3484، ؛مسند عبد بن حمید رقم682؛رؤية الله، للدارقطنی، رقم245؛مؤطا مالک رقم736 / 244 تعلیقا؛مشکوٰۃ رقم726؛ صححه الألبانی فی الإرواء:رقم 684؛صحیح الجامع:رقم 59؛الصحیحة:رقم 3169؛ صحیح الترغیب والترهیب: 408)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے رب نے مجھے فرمایا: جب نماز پڑھو، تو (نماز کے بعد) یہ دعا مانگو:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ،

وَإِذَا أَرَدْتَ فِي النَّاسِ فِتْنَةً، فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ".

ترجمہ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اچھے عمل کرنے کی توفیق اور برے اعمال کو چھوڑ دینے کی توفیق اور تیرے مسکین بندوں کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق۔ اور اے اللہ! جب تیرا فیصلہ کسی قوم کو فتنہ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ہو تو مجھے اس فتنہ میں مبتلا کئے بغیر اپنی طرف اُٹھا لے۔

10 تقدیر میں لکھی ہوئی بدترین بیماریوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم

حدیث 134:۔حَدَّثَنَا بَهْزٌ، وَحَسَنُ بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ، وَالْجُنُونِ، وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ".

(صحیح علی شرط مسلم: مسند أحمد، رقم 13004؛ نسائی رقم 5493؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29129؛ الطیالسی رقم 2120؛ أبو داود رقم 1554؛ ابن حبان رقم 1017، 1023؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 1342، 1343؛ أبو یعلی رقم 2897؛ مستدرک حاکم رقم 1944؛ الطبرانی فی "الصغیر" رقم 316؛ البیهقی فی "الدعوات" رقم 297؛ الاحادیث المختارة رقم 2363، 2364، 2365؛ صحیح الجامع رقم 1281؛ مشکوۃ رقم 2470؛ فوائد تمام رقم 1389؛ شرح السنۃ، بغوی، تحت رقم 1370)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ، وَالْجُنُونِ، وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ".

ترجمہ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، برص، جذام اور پاگل پن سے، اور سب خراب بیماریوں سے۔

تشریح برص، جذام، جنون اور اس طرح کی وہ سب بیماریاں جن کی وجہ سے لوگ مریض سے نفرت اور گھن کریں اور جن کی وجہ سے آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ بلاشبہ ان سے ہر آدمی کو پناہ مانگنی چاہئے، لیکن ہلکی اور معمولی قسم کی بیماریاں بعض پہلوؤں سے یقیناً خدا کی رحمت ہوتی ہیں۔

11 سوری پر سوار ہوتے وقت دورانِ سفر تقدیر میں لکھے ہوئے حادثے سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث 135 :۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَلِيًّا الْأَزْدِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ عَلَّمَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى بَعِيرِهِ خَارِجًا إِلَى سَفَرٍ: كَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا، وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ. وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ. [الزخرف:13-14]۔ أَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوَى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَى. أَللّٰهُمَّ! هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ. أَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ". وَإِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ، وَزَادَ فِيهِنَّ: "آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ".

(صحیح علی شرط مسلم:مسند أحمد رقم 6374، 6311؛ "مصنف" عبد الرزاق رقم 9232؛ أبو داود رقم 2599؛ مسلم رقم 425 - 1342؛ ترمذی رقم 3447؛ ابن خزیمة رقم 4542؛ النسائی فی "الکبری" رقم 10306، 11402؛ "عمل الیوم واللیلة" للنسائی رقم 548؛ ابنُ خزیمة رقم 2542؛ مؤطا مالک رقم 3583/ 802 تعلیقاً؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 51 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 2695، 2696؛ الدعاء للطبرانی رقم 810 ؛ الْمُعْجَمُ الْكَبِير للطبرانی الْمُجَلَّدان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر رقم 13681؛ المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، لأبي نعيم. رقم 3126؛ الدعوات الکبیر بیہقی رقم 463؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1344؛ الطبری فی "تهذیب الآثار" رقم (163/164/165/مسند علی)؛ ابن عبد البر فی "التمهید" 355/24؛ عبد بن حمید رقم 833؛ الدارمی رقم 2715؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 10316؛ المزی فی "تهذیب الکمال" 43/21؛ ابن عدی فی "الکامل" 180/5)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے، تو پہلے تین دفعہ ''اللہ اکبر'' کہتے، اس کے بعد کہتے:

"سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا، وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ. وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ [الزخرف:13-14]. أَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى. أَللّٰهُمَّ! هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ. أَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ".

ترجمہ: پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے، اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اسی مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے سفر میں نیکوکاری اور پرہیزگاری، اور ان اعمال کی جو تیری رضا کے باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے) اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنج دِہ بات دیکھوں، اور اس سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائیداد میں کوئی بری بات پاؤں''۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس ہوتے، تب بھی اس کے حضور میں یہی دعا کرتے۔ اور آخر میں ان کلمات کا اضافہ کرتے:

"آئِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ".

ترجمہ: ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں۔

حدیث 136:- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مُسَافِرًا، يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ، وَدَعْوَةِ الْمَظْلُومِ، وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ".

(صحيح على شرط مسلم: مسند أحمد رقم 20771، 20772، 20773، 20776، 20781؛ مسلم رقم 426-1343، 427-1343؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 1276؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 29607، 33624؛ عبد الرزاق فی "المصنف" رقم 9231، 20927؛ مسند دارمی رقم 2714؛ ابن ماجہ رقم 3888؛ ابن خزيمة رقم 2533؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 10260؛ سنن نسائی رقم 5498، 5499، 5500؛ عمل اليوم والليلة للنسائی رقم 499؛ عمل اليوم والليلة لابن السُّنّی رقم 492؛ المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم، لأبو نعيم، رقم 3127؛ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۲۱؛ الآداب بیہقی رقم 643؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1341؛ معجم ابن عساکر رقم 996؛ مشکوۃ رقم 2421)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے لیے روانہ ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے: ''اے اللہ! میں سفر کی سختی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ اس سفر میں کوئی رنج دِہ بات دیکھوں، اور ایمان سے کفر اور طاعت سے معصیت کی طرف لوٹ جاؤں، اور مظلوم کی بددعا سے بھی، اور اس سفر سے لوٹ کر اہل وعیال یا مال وجائیداد میں کوئی بری بات پاؤں''۔

تشریح: اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسے سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی وبرتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا، اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت وبڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دفعہ ''اللہ اکبر'' کہہ کے اس پر تین ضربیں لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو

جتاتے تھے کہ عظمت وکبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ کہتے تھے: "سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا، وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ". (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کردیا، ورنہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے) اس میں اس کا اعتراف اور اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کردینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں: "وَإِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ". یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کررہے ہیں اسی طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود ومطلوب ہے، وہی سفر حقیقی سفر ہوگا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہئے۔اس کے بعد سب سے پہلی دعا آپ ﷺ یہ کرتے کہ: ''اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو''۔ بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لئے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہئے۔اس کے بعد آپ ﷺ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہوجانے کی دعا کرتے۔اس کے بعد آپ ﷺ اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

"أَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ".

یعنی اے اللہ تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق وساتھی ہے، اور تیری ہی رفاقت ومدد پر میرا اعتماد ہے، اور گھر بار اور اہل وعیال جن کو میں چھوڑ کر جارہا ہوں ان کا نگہبان اور نگران بھی تو ہی ہے، اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے۔ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ ﷺ سفر کی مشقت سے یا دورانِ سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے، جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت وسہولت نصیب رہے اور واپس آکر بھی خیر وعافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لئے آپ ﷺ سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ ﷺ یہی سب کچھ عرض کرتے، اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے: "آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ".

(یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں، اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار اور مالک و مولا کی عبادت اور حمد و ثناء کرتے ہیں)۔ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں، جو ان کلمات کی صورت میں زبانِ مبارک پر جاری ہوتی تھیں، تو خلوتوں کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہوگا۔

کیسی خوش نصیبی ہے اس امت کی جس کے پاس اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے، اور کیسی قابلِ عبرت بد نصیبی ہے اس اُمت کے جس کے 99 فیصد افراد یا اس سے بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لئے اس استفادہ سے محروم ہیں۔

حدیث 137:۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ مُقَدَّمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بِشْرٍ الْخَثْعَمِيِّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا سَافَرَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ، قَالَ: بِإِصْبَعِهِ، وَمَدَّ شُعْبَةُ بِإِصْبَعِهِ، قَالَ: "أَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ"۔

(صحیح: سنن نسائی رقم 5501؛ مسند أحمد رقم 9205، 9599؛ ترمذی رقم 3438؛ النسائی فی "عمل الیوم واللیلۃ" رقم 305؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 807؛ ابن السنی فی "عمل الیوم واللیلۃ" رقم 498؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7885، 8751، 10264؛ ابن حبان 2695؛ ابوداؤد رقم 2598؛ مستدرک حاکم رقم 2484)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے لیے سواری پر سوار ہوتے، تو اُنگلی سے اشارہ فرماتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے:

"أَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ"۔

ترجمہ اے اللہ! سفر میں تُو ہی میرا ساتھی ہے، میرے پیچھے گھر والوں کا، اور مال کا تُو ہی محافظ ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی سختی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اور اس بات سے

بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ بُری حالت میں گھر واپس آؤں۔

12 تقدیر میں لکھی گئی بری موت سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث 138:۔حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ صَيْفِيٍّ، مَوْلَى أَفْلَحَ، مَوْلَى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِي الْيَسَرِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ السَّبْعِ يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّي، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْغَمِّ، وَالْغَرَقِ، وَالْحَرَقِ، وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُدْبِرًا، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا".

(مسند أحمد رقم15523؛أبو داود رقم1552، 1553؛ . والطبراني في "الكبير" 19/ (رقم381)؛ مستدرک حاکم رقم1948؛الطبراني في "الدعاء" رقم1363؛سنن کبری نسائی رقم7917؛سنن نسائی رقم5531، 5532، 5533؛المسند الشاشي رقم1521، 1522؛الدعوات الكبير بیہقی رقم339 ؛المزي في "تهذيب الكمال" 252/13؛ والدولابي في "الكنى" 62/1؛صحيح الجامع:1282؛صححه الألباني في هداية الرواة: 2407)

ترجمہ حضرت أَبُو الْيَسَرِ الْأَنْصَارِيِّ (كَعْبُ بْنُ عَمْرٍو) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سات کلمات سے دعا کیا کرتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّي، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْغَمِّ، وَالْغَرَقِ، وَالْحَرَقِ، وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُدْبِرًا، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا".

ترجمہ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں (اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کے) ڈھے جانے سے، اور (کسی بلندی کے اوپر سے) گر پڑنے سے، اور (دریا وغیرہ میں) ڈوب جانے سے، اور آگ میں جل جانے سے، اور انتہائی بڑھاپے سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں، اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کر دے، اور

تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں، اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آ جائے"۔

تشریح کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کر، یا آگ میں جل کر یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں مفاجاتی اور ناگہانی موت کی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدید ایمان اور توبہ و استغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے)۔ اس لئے ایک مومن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنا چاہئے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے۔ اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گمراہ کر سکے۔ خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دارومدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دعا میں پناہ مانگی گئی ہے، دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے، اور ان کو شہید قرار دیا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ اپنی بشری کمزوری کے لحاظ سے موت کی ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے لیکن جب تقدیر الٰہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آجائے، تو ارحم الراحمین کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مفاجاتی موت ہی کی وجہ سے اس کو "اعزازی شہادت" کا مقام عطا فرمائے گا۔ اور اگر عقائد و اعمال کے حساب سے کچھ بھی گنجائش ہوگی، تو یقیناً رب کریم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔

إِنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔

13 تقدیر میں لکھے ہوئے ہر طرح کے شر سے پناہ مانگنے کی دعا

حدیث 139 :۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنِي مُصْعَبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الزُّبَيْرِيُّ، ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو يَقُولُ: "أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَسْأَلَةِ، وَخَيْرَ الدُّعَاءِ، وَخَيْرَ النَّجَاةِ، وَخَيْرَ الْعَمَلِ، وَخَيْرَ الثَّوَابِ، وَخَيْرَ الْحَيَاةِ، وَخَيْرَ الْمَمَاتِ، وَثَبِّتْنِي وَثَقِّلْ مَوَازِينِي، وَأَحِقَّ إِيمَانِي، وَارْفَعْ دَرَجَتِي، وَتَقَبَّلْ صَلَاتِي، وَاغْفِرْ خَطِيئَتِي، وَأَسْأَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى مِنَ الْجَنَّةِ، آمِينَ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ، وَجَوَامِعَهُ، وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ، وَظَاهِرَهُ وَبَاطِنَهُ، وَالدَّرَجَاتِ الْعُلَى مِنَ الْجَنَّةِ، آمِينَ. أَللّٰهُمَّ! نَجِّنِي مِنَ النَّارِ، وَمَغْفِرَةً بِاللَّيْلِ وَمَغْفِرَةً بِالنَّهَارِ، وَالْمَنْزِلَ الصَّالِحَ مِنَ الْجَنَّةِ، آمِينَ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ خَلَاصًا مِنَ النَّارِ سَالِمًا، وَأَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ آمِنًا. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ تُبَارِكَ لِي فِي نَفْسِي، وَفِي سَمْعِي، وَفِي بَصَرِي، وَفِي رُوحِي، وَفِي خَلْقِي، وَفِي خُلُقِي، وَفِي أَهْلِي، وَفِي حَيَاتِي وَمَمَاتِي، وَفِي عِلْمِي. أَللّٰهُمَّ! وَتَقَبَّلْ حَسَنَاتِي وَأَسْأَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى مِنَ الْجَنَّةِ. آمِينَ".

(الدعاء للطبرانی رقم 1422؛ المعجم الكبير 23/ (رقم 717)؛ المعجم الأوسط، رقم 6218؛ المستدرك على الصحيحين، رقم 1911؛ الدعوات الكبير بیہقی رقم 256؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَرَوَاهُ فِي الْأَوْسَطِ بِاخْتِصَارٍ بِأَسَانِيدَ وَأَحَدِ إِسْنَادَيِ الْكَبِيرِ وَالسِّيَاقُ لَهُ. وَرِجَالُ الْأَوْسَطِ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، رقم 17385)

ترجمہ: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے سب سے اچھا سوال، اور سب سے اچھی دعا، اور سب سے اچھی کامیابی، اور سب سے اچھا عمل، اور سب سے اچھا ثواب، اور سب سے اچھی زندگی، اور سب سے اچھی موت، اور ثابت قدم رکھ مجھے، اور بھاری کر میری نیکیوں کا پلہ، اور

سچا کردے میرے ایمان کو، اور بلند کر میرا درجہ، اور قبول فرما میری نماز، اور مانگتا ہوں میں تجھ سے جنت کے بلند درجات''۔ الخ

14 بیماری اور برے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ

حدیث 140:۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَيَقُولُ: "أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَةِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" ثُمَّ يَقُولُ: "هَكَذَا كَانَ أَبِي إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعَوِّذُ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ".

(صحیح علی شرط البخاری: مسند أحمد رقم 2434، 2112؛ بخاری رقم 3371؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 23577؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 2138؛ "مصنف عبد الرزاق" رقم 7988؛ ترمذی رقم 2060؛ ابن ماجه رقم 3525؛ أبو داود رقم 4737؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 2138؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7679، 10778، 10779؛ النسائی فی "عمل اليوم والليلة" رقم 1006، 1007؛ ابن السنی فی "عمل اليوم والليلة" رقم 634؛ أبو نعيم فی "الحلية" 4/299، 5/45؛ شرح السنة للبغوی رقم 1417؛ البخاری فی "خلق أفعال العباد" رقم 454، 455، 456؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 29، 30؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة 337؛ الطحاوی رقم 4/72؛ ابن حبان رقم 1012، 1013؛ شرح مشکل الآثار رقم 2885؛ معجم اوسط طبرانی رقم 4793، 4899؛ معجم صغیر طبرانی رقم 727؛ معجم کبیر للطبرانی رقم 12271؛ مستدرک حاکم رقم 4781؛ الآداب بیہقی رقم 338؛ الأسماء والصفات للبیہقی رقم 401؛ الدعوات الکبیر طبرانی رقم 596؛ معجم ابن عساکر رقم 408؛ مشکوٰۃ رقم 1535)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے دونوں نواسوں) حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر دم کیا کرتے تھے (یہ کلمات پڑھ کے دم فرمایا کرتے تھے):

"أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَةِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ

لامَّةٍ"۔

ترجمہ میں تم کو اللہ کے پورے پورے کلموں کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان کے اثر سے، اور ڈسنے والے ہر زہریلے کیڑے سے، اور لگنے والی ہر نظرِ بد سے۔

اسی طرح میرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دونوں بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی دم کیا کرتے تھے"۔

تشریح یہ کلمات پڑھ کر بچوں پر دم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ بلاشبہ بڑے بابرکت ہیں یہ کلمات۔

حدیث 141:۔حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ، وَقُلْ: "بِاسْمِ اللهِ" ثَلَاثًا، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ: "أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ"۔

(مسلم رقم 67-2202؛ موطا مالک رقم 3470/ 742؛ موطا امام محمد رقم 878؛ احادیث اسماعیل بن جعفر رقم 328؛ ترمذی رقم 2080؛ ابوداؤد رقم 3891؛ ابن ماجہ رقم 3522؛ مسند احمد رقم 16268، 16274، 17907؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 23583، 29500؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 7504، 7677، 10771، 10772، 10773؛ عمل اليوم والليلة للنسائي، رقم 999، 1000، 1001؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9674 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 2964، 2965، 2967؛ التوحید لابن مندہ رقم 210؛ شرح السنۃ بغوی رقم 1416؛ مسند عبد بن حمید رقم 382؛ مسند الرویانی رقم 1521؛ الأسماء والصفات للبيهقي، رقم 243، 257، 258؛ الدعوات الکبیر بیہقی رقم 585؛ مكارم الأخلاق للخرائطي، رقم 1090؛ ابن حبان رقم 2965؛ الدعاء طبرانی رقم 1128، 1129، 1130، 1131، 1132، 1133، 1134؛ معجم کبیر طبرانی رقم 8340، 8341، 8342، 8343، 8356؛ عمل اليوم والليلة . لابن السني، رقم 545، 578؛ مستدرک حاکم رقم 1271، 7515)

ترجمہ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی تکلیف عرض کی: ''جب سے میں اسلام لایا ہوں جسم کے فلاں حصہ میں درد رہتا ہے؟''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس جگہ درد ہے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھو اور تین دفعہ بسم اللہ پڑھ کر سات دفعہ کہو:

"أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ".

ترجمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔

تشریح ہر جسمانی تکلیف کے لئے یہ عمل اور تعوذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص عطیہ ہے اور بہت مجرب ہے۔

15 تقدیر میں لکھے ہوئی شقاوت اور گناہ کو مٹانے کی دعا

حدیث 142:۔ قَالَ: ثنا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: ثنا أَبِي، عَنْ أَبِي حُكَيْمَةَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَيَبْكِي: "أَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ، فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً".

(صَحِیْحٌ: تفسیر طبری ج13 ص563 (دار هجر للطباعة)؛ تفسیر الطبری 16/481 رقم 20478؛ تفسیر ابن کثیر ج4 ص469؛ مختصر تفسیر ابن کثیر ج2 ص286؛ جمع الجوامع المعروف بـ "الجامع الکبیر" ج14 ص794 رقم 2/557 ؛؛؛؛ الضَّعِيفَةِ: رقم 5448؛ الصحيح المسند من آثار الصحابة في الزهد والرقائق والأخلاق والأدب: عبد الله بن فهد الخليفي رقم 48)

ترجمہ حضرت ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اور روتے ہوئے یہ دعا مانگ رہے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ، فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً".

ترجمہ اے اللہ! اگر تُو نے میرے اوپر شقاوت و بدبختی یا گناہ لکھ بھی دیا ہے، تو تُو اس کو مٹا

دے۔ اس لیے کہ تُو جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمّ الکتاب تیرے ہی پاس ہے۔ پس تُو میرے لیے اس کو سعادت اور بخشش بنا دے"۔

21 تقدیر پر راضی رہنے کی دعائیں

حدیث 143:۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْأَزْرَقُ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا عَمَّارٌ صَلَاةً، فَأَوْجَزَ فِيهَا، فَأَنْكَرُوا ذٰلِكَ. فَقَالَ: "أَلَمْ أُتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ؟". قَالُوا: "بَلَى". قَالَ: "أَمَا إِنِّي قَدْ دَعَوْتُ فِيهِمَا بِدُعَاءٍ، كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهِ: "أَللّٰهُمَّ! بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ، وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ، أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي، أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَكَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى، وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ، وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ، وَمِنْ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، أَللّٰهُمَّ! زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّينَ".

(صحيح: مسند أحمد رقم 18325؛ نسائی رقم 1305، 1306؛ مصنف ابن أبي شيبة رقم 442، 29346، 29348؛ عبد الله بن أحمد بن حنبل فی "السنة" رقم 279، 280؛ ابن أبي عاصم فی "الآحاد والمثانی" رقم 276؛ ابن أبي عاصم فی "السنة" رقم 128. 129. 378. 424. 429. 1228؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 625؛ الدارقطنی فی "الرؤية" رقم 158، 159؛ البزار فی "مسنده" رقم 1392. 1393؛ النسائی فی "الكبرى" رقم 1229، 1230؛ سنن نسائی رقم 1305، 1306؛ ابن حبان رقم 1971؛ التوحيد لابن خزيمہ رقم ج ا ص ۳۳؛ عثمان بن سعيد الدارمی فی "الردّ على الجهمية" رقم 188؛ محمد بن نصر المروزی فی "قيام الليل" ص 147 (مختصر المقريزی)؛ ابن خزيمة فی "التوحيد" ص 12؛ ابن حبان رقم 1971؛ الطبرانی فی "الدعاء" رقم 624. 625؛ ابن منده فی "الرد على الجهمية" رقم 86؛ اللالكائی فی "أصول اعتقاد أهل السنة" رقم 844. 845؛ البيهقی فی "الأسماء والصفات" رقم 244. 247 ؛ "الدعوات الكبير" رقم 251؛ مسند ابی یعلی

رقم1624؛مستدرک حاکم رقم1923؛مشکوٰۃ رقم2497؛صحیح الجامع رقم1301)

ترجمہ حضرت ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس پر کچھ باتیں کیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟ کیا میں نے رکوع اور سجدے (اور دوسرے ارکان) پوری طرح ادا نہیں کئے؟''۔ لوگوں نے کہا: ''یہ بات تو نہیں، لیکن ہم نے محسوس یہی کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے (اس وقت) بہت ہلکی نماز پڑھائی''۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے تو رکوع وسجود اور دوسرے ارکان پوری طرح ادا کرنے کے علاوہ نماز میں (اچھی خاصی طویل) وہ خاص دعا بھی کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کیا کرتے تھے (اور وہ یہ ہے):

"أَللّٰهُمَّ ! بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ، وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ، أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي، أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَكَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى، وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ، وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ، وَمِنْ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، أَللّٰهُمَّ ! زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّينَ".

ترجمہ اے میرے اللہ! تو عالم الغیب ہے، اور تجھے اپنی مخلوق پر پوری قدرت حاصل ہے۔ تو اپنے اس علم غیب اور اس قدرت مطلقہ سے مجھے اس وقت تک دنیا میں رکھ، جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لیے باعث خیر ہو، اور مجھے اس وقت دنیا سے اٹھالے، جب اٹھایا جانا میرے لئے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرا خوف اور تیری خشیت خلوت میں اور جلوت میں، اور مانگتا ہوں تجھ سے بے لاگ اور خدا لگتی مخلصانہ بات کرنے کی توفیق، رضامندی کی حالت میں اور سخت ناراضی کی حالت میں (یعنی مجھے توفیق دے کہ کسی کی رضامندی یا ناراضی کی وجہ سے حق و انصاف کے خلاف کوئی بات نہ کہوں)۔ اور اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں میانہ روی، تنگدستی میں اور خوش حالی میں، اور میں سائل ہوں رضا بالقضا کی صفت کا، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے آخرت کے جاودانی عیش و آرام کا اور آنکھوں کی اس ٹھنڈک کا

جو کبھی منقطع نہ ہو، اور تجھ سے مانگتا ہوں مرنے کے بعد ٹھنڈی اور چین وسکون کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کا اشتیاق، بغیر اس کے کہ کوئی ضرر رساں کیفیت پیدا ہو، اور بغیر اس کے کہ کسی گمراہ کن فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں۔ اے میرے اللہ! ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ اور دوسرے کے لیے ذریعہ ہدایت بنا"۔

حدیث 144:۔حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ سُلَيْمٍ، قَالَ: أَمْلَى عَلَيَّ يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: كَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ يُسْمَعُ عِنْدَ وَجْهِهِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ، فَمَكَثْنَا سَاعَةً، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: "اَللّٰهُمَّ! زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَارْضَ عَنَّا وَأَرْضِنَا". ثُمَّ قَالَ: "لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ عَشْرُ آيَاتٍ، مَنْ أَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ". ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا: "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ" حَتّٰى خَتَمَ الْعَشْرَ آيَاتٍ.

(مسند أحمد رقم 223؛ عبد بن حميد رقم 15؛ النسائي في "الكبرى" رقم 1439؛ العقيلي في "الضعفاء" 4/460؛ "شرح السنة" رقم 1376؛ مصنف عبد الرزاق رقم 6038؛ ترمذی رقم 3173؛ البزار رقم 301)؛ شرح مشکل الآثار رقم 4100؛ مستدرک حاکم رقم 1961، 3479؛ الدعوات الکبیر رقم 240؛ مشکوۃ رقم 2494؛ الضعيفة: رقم 1242)

ترجمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کے قریب شہد کی مکھی جیسی بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دیتی۔ (ایک روز وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو) ہم ایک ساعت کے لیے (باتیں کرنے سے) رک گئے۔ (وحی ختم ہوئی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رُو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دعا مانگی: "اے اللہ! (ہماری نعمتوں میں) اضافہ فرما، کمی نہ فرما۔ ہمیں عزت عطا فرما اور ذلّت سے بچا۔ اے اللہ! ہمیں نعمتیں عطا فرما اور محروم نہ رکھ۔ ہمیں

ترجیح دے، دوسروں (یعنی ہمارے دشمنوں) کو ہم پر ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی کر دے (تقدیر پر)، اور ہم سے راضی ہو جا''۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ پھر آپ ﷺ نے ہمارے سامنے سورت مؤمنون کی پہلی دس آیات تلاوت فرمائیں۔

آیت 23:۔قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ○وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ○الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○

(المؤمنون:۱ تا ۱۱)

ترجمہ یقیناً فلاح پائی ہے، ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں، زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو اُن کی ملکِ یمین میں ہوں کہ اُن پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اُس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنیوالے ہیں، اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں، اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں۔ جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حدیث 145:۔حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَبْرُ بْنُ حَبِيبٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا

سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيهِ لِي خَيْرًا"۔

(صحیح:مسند أحمد رقم25019، 25137، 25139.25138؛مسند ابی داؤد طیالسی رقم 1674؛مصنف ابن أبي شيبة رقم29345؛مسند اسحاق بن راہویہ رقم1165؛ابن ماجه رقم 3846؛ "شرح مشكل الآثار" رقم6025، 6027.6026؛ ابن حبان رقم869؛أبو يعلى رقم4473؛ "الأدب المفرد" رقم 639؛الدعاء طبرانی رقم1347؛مستدرک حاکم رقم1914؛ الدعوات الكبير بيهقي رقم202؛صحيح الجامع: رقم4047.1276؛ الصَّحِيحَة: رقم1542)

ترجمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ جامع دعا تعلیم فرمائی:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ، عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، وَمَا لَمْ أَعْلَمْ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ. أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيهِ لِي خَيْرًا"۔

ترجمہ اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگتی ہوں، دنیا کی خیر بھی اور آخرت کی خیر بھی، وہ خیر بھی مانگتی ہوں، جس کو میں جانتی ہوں اور وہ بھی جس کو میں نہیں جانتی۔ اور میں تیری پناہ چاہتی ہوں ہر قسم کے شر اور برائی سے دنیا کے بھی شر سے اور آخرت کے بھی شر سے، اس شر سے بھی جس کو میں جانتی ہوں اور اس سے بھی جس کو میں نہیں جانتی۔ اے میرے اللہ! تیرے خاص بندے اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس خیر کا بھی تجھ سے سوال کیا میں تجھ سے اس کی سائل ہوں، اور جس جس شر سے انہوں نے تیری پناہ چاہی، اے اللہ! میں بھی اس شر سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔ اے اللہ!

میں تجھ سے مانگتی ہوں اور اس قول وعمل کی توفیق کی سائل ہوں جو مجھے جنت سے قریب کردے، اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ چاہتی ہوں اور ہر اس قول وعمل سے جو دوزخ سے قریب کرنے والا ہو۔ اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تو میرے حق میں فرمائے وہ میرے لئے خیر اور بھلائی کا ضامن ہو۔

حدیث 146 :۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ التَّنُوخِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَ: "أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ، وَالْعِفَّةَ، وَالْأَمَانَةَ، وَحُسْنَ الْخُلُقِ، وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ".

(الأدب المفرد، رقم 307؛ من حديث الإمام سفيان بن سعيد الثوري، رقم 260؛ مكارم الأخلاق للخرائطي، رقم 166؛ معجم كبير طبراني رقم 13 / (رقم 60)؛ الْمُعْجَمُ الْكَبِير للطبراني الْمُجَلَّدان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر، رقم 14644؛ الدعاء للطبراني رقم 1406؛ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم 1185؛ الدعوات الكبير بيهقي رقم 259؛ شعب الايمان رقم 8181؛ هناد في "الزهد" رقم 445؛ ابن بشران في "أماليه" رقم 492؛ الأصبهاني في "الترغيب والترهيب" رقم 226؛ مسند البزار رقم 259؛ كشف الأستار رقم 3187؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَزَّارُ.. وَفِيهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعَمَ، وَهُوَ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، وَقَدْ وُثِّقَ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِ أَحَدِ الْإِسْنَادَيْنِ رِجَالُ الصَّحِيحِ: مجمع الزوائد رقم 17367؛ الخطيب في "تاريخ بغداد" 121/12؛ ابن عساكر 65/54؛ ابن قانع في "معجم الصحابة" 233/1)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"أَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ، وَالْعِفَّةَ، وَالْأَمَانَةَ، وَحُسْنَ الْخُلُقِ، وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ".

ترجمہ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت وتندرستی اور عفت و پاکدامنی اور امانت کی

صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا۔

تشریح اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے۔ صحت وتندرستی دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ کتنی بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے۔ عارفین کو اس کا احساس اس لئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر وبیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور توجہ الی اللہ کا ذوق وکیف بھی متاثر ہوتا ہے، اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث بنتی ہے۔

امانت، قرآنی اور دینی زبان کا نہایت اہم اور وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس سے مراد انسان کے اندرون کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے۔ حسن اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے علاوہ عفت، امانت، حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے۔ یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے، اور ساری دینی اور دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے کسی کو مل سکتے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

حدیث 147:۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الأَعْدَاءِ".

(بخاری رقم6616، 6347؛ مسلم رقم53 - 2707؛ الحمیدی رقم972؛ نسائی رقم5491، 5492؛ مسند احمد رقم7355؛ الأدب المفرد رقم441، 669، 730؛ ابن حبان رقم1016؛ ابن أبي عاصم في "السنة" رقم382، 383؛ أبو يعلى رقم6662؛ القضاء والقدر رقم319؛ أبو نعيم في "حلية الأولياء" 316/7؛ البغوی رقم1360)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے، اور بدبختی کے لاحق ہونے سے، اور بری تقدیر سے، اور دشمنوں کی شماتت سے''۔

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کے لیے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:

"أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَآءِ، وَدَرَكِ الشَّقَآءِ، وَسُوْءِ الْقَضَآءِ، وَشَمَاتَةِ الأَعْدَآءِ"۔

ترجمہ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بدبختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے اور ان کی طعنہ زنی سے۔

22 تقدیر اور بدشگونی

1 برا یا اچھا شگون کسی کی تقدیر کو نہیں بدل سکتا۔

حدیث 148:۔حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَيُعْجِبُنِي الفَأْلُ الصَّالِحُ: الكَلِمَةُ الحَسَنَةُ"۔

(بخاری رقم 5756، 5776؛ مسلم رقم 111 - 2224، 112 - 2224؛ ترمذی رقم 1615؛ الادب المفرد رقم 913؛ ابوداود رقم 3916؛ ابن ماجہ رقم 3537؛ مسند احمد رقم 12179، 12323، 12564، 12778، 12822، 13633، 13920، 13949؛ مسند ابی یعلی رقم 3026؛ سنن الکبری بیہقی رقم 16520؛ أبو داود الطيالسي رقم 1961؛ الأدب لابن أبي شيبة رقم 168؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 26397؛ مسند بزار رقم 10046؛ الخطیب فی "تاریخ بغداد" 378/4)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چھوت چھات اور بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور مجھے فال پسند ہے: وہ خوش کرنے والی بات ہے''۔

تشریح لفظ ''فال'' سے مراد کوئی پسندیدہ یا خوشی کی بات دیکھنا اور سننا ہے۔ ''فال'' کسی آدمی کو

نہ تو کسی کام کرنے سے روکتی ہے، نہ کسی آدمی کو کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ مثلاً: آدمی گھر سے کسی کام کے لیے نکلے اور نکلتے ہی ''مسرت یا ممتاز'' نام کا کوئی آدمی مل جائے، جس سے انسان کو خوشی محسوس ہو۔ اس قسم کے شگون کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا ہے۔ اچھا یا نیک شگون آدمی کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر آمادہ نہیں کرتا، جب کہ بدشگونی آدمی کو اس کے ارادے سے روک دیتی ہے۔

2 بدشگونی شرک ہے۔

حدیث 149:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلَاثًا، وَمَا مِنَّا إِلَّا وَلَكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ"۔

(صحیح: ابوداؤد رقم 3910؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 354؛ الأدب لابن أبي شيبة رقم 161؛ مسند ابن ابی شیبہ رقم 265؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 26391؛ مسند احمد رقم 3687، 4171، 4194؛ الادب المفرد رقم 909؛ ترمذی رقم 1614؛ ابن ماجہ رقم 3538؛ ابوداؤد رقم 3910؛ مسند ابی یعلی رقم 5219؛ السنة، لأبي بكر الخلّال، رقم 1404، 1406؛ شرح مشکل الآثار رقم 827، 1747؛ المسند الشاشی رقم 655، 657؛ ابن حبان رقم 6122؛ مستدرک حاکم رقم 43؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 16517؛ شعب الایمان رقم 1124؛ الصحيحة: رقم 429)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ''شگون لینا شرک ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم میں سے کون ایسا ہے جسے شگونِ بد کا وہم نہ آتا ہو، لیکن توکل کے سبب اللہ اُسے دور فرما دیتا ہے''۔

3 شگون لینے والا مسلمانوں میں سے نہیں۔

حدیث 150:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: نَا شَيْبَانُ، قَالَ: نَا أَبُو حَمْزَةَ الْعَطَّارُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، أَوْ

تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً- أَوْ قَالَ: مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً - وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔

(مسند البزار رقم 3578؛ معجم کبیر للطبرانی 18 / رقم (355) (414)؛ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ خَلَا إِسْحَاقَ بْنَ الرَّبِيعِ وَهُوَ ثِقَةٌ: مجمع الزوائد رقم 8480؛ رَوَاهُ الْبَزَّار بِإِسْنَاد جيد: الترغيب والترہیب للمنذری رقم 4606؛ صحيح الجامع: رقم 5435 ؛ الصَّحِيحَة: رقم 2195، 2650؛ صَحِيح التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيب: رقم 3041)

ترجمہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو زائچے بنائے اور بنوائے، کہانت کرنے والا اور کروانے والا، جادو کرنے والا اور کروانے والا، جو شخص نجومی کے پاس آئے اور اُس کی باتوں کو سچ جانے، اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ تعلیمات سے کفر کیا“۔

4 ضعیف ایمان کی وجہ سے اگر ذہن میں بدشگونی کا خیال پیدا ہو، تو یہ دعا مانگنی چاہیے

حدیث 151: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أَحْمَدُ الْقُرَشِيُّ، قَالَ: ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَحْسَنُهَا الْفَأْلُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ: أَللّٰهُمَّ! لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ"۔

(حسن لغیرہ: سنن ابی داؤد رقم 3919؛ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ الْقُرَشِيِّ: مصنف ابن ابی شیبہ رقم 26392، 29541، 29542؛ السنة، لأبي بكر الخلال، رقم 1405؛ الدعوات الکبیر، بیہقی، رقم 568؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 16521؛ شعب الایمان رقم 1128؛ مشکوۃ رقم 4591؛ حديث صحيح رواه أبو داود بإسناد صحيح: رياض الصالحين، للنووی، رقم 1686؛ ابن قانع فی "معجم الصحابة" 2/262؛ عن بریدہؓ: مسند بزار رقم 4379؛ الدعاء للطبرانی رقم 1270؛

رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَفِيهِ الْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ، وَهُوَ مَتْرُوكٌ وَقَدْ قِيلَ فِيهِ: صَدُوقٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ: مجمع الزوائد رقم 8413؛ عن ابی ہریرہؓ: الآداب للبیہقی رقم 345؛ عبد الرزاق فی المصنف رقم 19512، عن الأعمش مرسلاً؛ أبی داود فی "المراسیل" رقم 539)

ترجمہ حضرت احمد قریشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شگون کا ذکر کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی بہترین قسم ''فال'' ہے۔ اور اگر مسلمان کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے، تو اپنے کام سے نہ رُکے، بلکہ یہ دعا مانگے:

أَللّٰهُمَّ! لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ.

ترجمہ اے اللہ! تیرے سوا کوئی بھلائی (نفع) نہیں پہنچا سکتی، اور تیرے علاوہ کوئی برائی (نقصان) سے نہیں بچا سکتی۔ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت اور قوت تو ہی فرمانے والا ہے۔

5 کوئی اچھا نام یا اچھی بات سُن کر خوش ہونا، یا کوئی بُرا نام یا بُری بات سُن کر رنجیدہ ہونا بدشگونی میں شامل نہیں۔

حدیث 152:- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ، وَكَانَ إِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَأَلَ عَنِ اسْمِهِ، فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهُ فَرِحَ بِهِ وَرُئِيَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ، وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهُ رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ، وَإِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنِ اسْمِهَا فَإِنْ أَعْجَبَهُ اسْمُهَا فَرِحَ وَرُئِيَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ، وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهَا رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ".

(صحیح: سنن ابی داود رقم 3920؛ مسند احمد رقم 22946؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 8771؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9369 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 5827؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم 16522؛ شعب الایمان رقم 1127؛ تمام بن محمد الرازی فی "فوائدہ" رقم 734؛ ابن عدی فی "الکامل" 401/1؛ أبو الشیخ فی "أخلاق النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" رقم 788؛ ابن عبد البر فی

"التمهيد" 73/24؛ الاستيعاب 178/1-179؛ الصحيحة رقم 762)

ترجمہ حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدشگونی نہیں لیتے تھے۔ جب کسی اہل کار کو کسی کام پر روانہ فرماتے، تو اُس کا نام پوچھتے۔ اگر اس کا نام پسند آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے، اور خوشی کے آثار چہرۂ مبارک پر نظر آتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام پسند نہ آتا، تو ناپسندیدگی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر نظر آتے۔ جب کسی بستی میں داخل ہوتے، تو بستی کا نام دریافت فرماتے۔ اگر بستی کا نام اچھا لگتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے، اور خوشی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتے۔ اگر بستی کا نام ناپسند ہوتا، تو ناپسندیدگی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے ظاہر ہوتے۔"

6 بدشگونی پر عمل کرنے کا کفّارہ

حدیث 153 :۔ حَدَّثَنَا حَسَنٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ هُبَيْرَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ، فَقَدْ أَشْرَكَ". قَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! مَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ؟". قَالَ: "أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمْ: أَللّٰهُمَّ! لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ".

(حسن: مسند احمد رقم 7045؛ عبد الله بن وهب فی "الجامع فی الحديث" رقم 658؛ الْمُعْجَمُ الكبير للطبرانی الْمُجَلَّدَان الثَّالِثَ عَشَرَ والرابع عشر رقم 14622؛ ابنُ السنی فی "عمل اليوم والليلة" رقم 293؛ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ ابْنُ لَهِيعَةَ، وَحَدِيثُهُ حَسَنٌ، وَفِيهِ ضَعْفٌ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ: مجمع الزوائد رقم 8412؛ صَحِيحُ الْجَامِعِ: رقم 6264؛ الصَّحِيحَة: رقم 1065)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس آدمی کو بدشگونی نے کام سے روک دیا، اس نے شرک کیا"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس کا کفارہ یہ ہے کہ آدمی یوں کہے:

أَللّٰهُمَّ! لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ.

ترجمہ اے اللہ! تیری بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں۔ تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون نہیں۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں"۔

23 تقدیر اور چھوت چھات

1 چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں، بیماری صرف اسے لگتی ہے جس کی تقدیر میں لکھی ہو۔

حدیث 154:۔وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سِنَانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ الدُّؤَلِيُّ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا عَدْوَىٰ". فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: "أَرَأَيْتَ الإِبِلَ، تَكُونُ فِي الرِّمَالِ أَمْثَالَ الظِّبَاءِ، فَيَأْتِيهَا البَعِيرُ الأَجْرَبُ فَتَجْرَبُ؟". قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَمَنْ أَعْدَى الأَوَّلَ".

(بخاری رقم 5775، 5717، 5770؛ مسلم رقم 101 – 2220، 102 – 2220، 103 – 2220؛ ابوداؤد رقم 3911؛ جامع معمر بن راشد رقم 19507؛ الجامع فی الحدیث لابن وھب رقم 626؛ مسند احمد رقم 7620،8343،9872؛ ابن حبان رقم 6116،6118،6119)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چھوت کی کوئی حقیقت نہیں"۔ ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "یا رسول اللہ! بعض اوقات ریگستان میں ہرن کی طرح صحت مند اونٹ ہوتے ہیں، پھر ان میں ایک خارش زدہ اونٹ آتا ہے، تو دوسروں کو بھی خارش زدہ کر دیتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پہلے اونٹ کو کس نے خارش زدہ کیا؟"۔

تشریح حدیث شریف میں اس عقیدہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس ذات کے حکم سے پہلے اونٹ کو خارش لگی، اسی ذات کے حکم سے دوسروں کو خارش لگے گی۔ بذاتِ خود خارش میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو بیمار کرے، یا نقصان پہنچائے۔ بعض بیماریوں

کا وائرس (Virus) پھیل جانا اور اس سے لوگوں کا اس بیماری میں مبتلا ہونا عام سی بات ہے، لیکن وائرس سے متاثر وہی ہوتے ہیں جن کی تقدیر میں بیمار ہونا لکھا ہوتا ہے، دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوتے۔

2 تقدیر چھوت چھات پر غالب ہے۔

حدیث 155:۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، يُحَدِّثُ سَعْدًا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلاَ تَدْخُلُوهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلاَ تَخْرُجُوا مِنْهَا"۔

(بخاری رقم 5728، 3473، 6974؛ مسلم رقم 92 - (2218)، 93 - (2218)، 94 - (2218)، 95 - (2218)، 96 - (2218)، 97 - (2218)؛ موطا مالک رقم 3330/674؛ ترمذی رقم 1065؛ مسند احمد رقم 1536، 21751، 21763، 21798، 21806، 21811، 21818؛ ابن حبان رقم 2952، 2954)

ترجمہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم کسی ملک میں طاعون کی خبر سنو، تو اس شہر میں نہ جاؤ، اور جب اس شہر میں طاعون آئے جس میں تم رہائش پذیر ہو، تو وہاں سے نہ نکلو''۔

تشریح طاعون والی جگہ نہ جانے سے مطلوب حفاظتی تدابیر اختیار کرنا ہے جس سے شریعت منع نہیں کرتی۔ طاعون والی جگہ نہ چھوڑنے کا حکم تقدیر پر ایمان محکم کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ جس کی تقدیر میں طاعون نہیں ہے، اسے کچھ نہیں ہوگا۔ جس کی تقدیر میں طاعون ہے صرف وہی اس کا شکار ہوگا۔

3 چھوت چھات کا عقیدہ باطل ہے۔

حدیث 156:۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلاَءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا

عَدْوَىٰ، وَلَا هَامَةَ، وَلَا نَوْءَ، وَلَا صَفَرَ"۔

(صحیح: سنن ابی داؤد رقم 3912؛ مسلم رقم 106-2220؛ مسند احمد رقم 9165؛ احادیث اسماعیل بن جعفر رقم 274؛ مسند ابی یعلی رقم 6508؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9801 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 6133؛ شرح السنۃ بغوی رقم 3252)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں، نہ ہی ہامہ (اُلو) کی کوئی حقیقت ہے، نوء ستارہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں، نہ ہی صفر کا مہینہ منحوس ہے''۔

تشریح زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ اُلو جس گھر پر آکر بیٹھے، وہ گھر اُجڑ جاتا ہے۔ یہ عقیدہ بھی پایا جاتا تھا کہ مقتول کی روح اُلو کی شکل میں آکر واویلا کرتی ہے کہ میرا بدلہ لو۔ جب مقتول کا بدلہ لے لیا جاتا ہے، تو روح کا واویلا ختم ہو جاتا ہے۔ اس غلط اور توہم پرستانہ عقیدے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید فرمائی۔

''نوء'' ایک ستارے کا نام ہے۔ عرب لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بارش ''نوء'' ستارے کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اگر ''نوء'' ستارہ بارش نہ برسائے، تو قحط سالی آلیتی ہے۔ یہ بھی شرکیہ عقیدہ تھا، اس لیے اس کی بھی تردید فرمادی۔

''صفر'' کے مہینے کو لوگ منحوس سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید فرما دی۔ صفر کا مہینہ ہو، یا کوئی دوسرا مہینہ، کوئی دن ہو، یا سال، سب اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ اس لیے کسی دن، ہفتہ، مہینہ یا سال کو منحوس نہیں سمجھنا چاہیے۔

24 تقدیر اور جن بھوت

1 کسی جنگل یا بیابان میں اَن دیکھے جانور یا جِن، بھوت کا خوف محسوس کرنا شرک ہے۔

آیت 24:۔ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ (الجن:٦)

ترجمہ اور یہ کہ ''انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔اس طرح اُنہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا''۔

حدیث 157: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ الْبَرْقِيِّ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْحَكَمِ، حَدَّثَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي ابْنُ عَجْلَانَ، حَدَّثَنِي الْقَعْقَاعُ بْنُ حَكِيمٍ، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ، وَزَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا غُولَ".

(حسن صحیح: سنن ابی داود رقم 3913؛ شرح معانی الآثار رقم 7064؛ الطبری فی مسند علی من "تهذيب الآثار" رقم 9؛ عن جابر: الأدب لابن أبي شيبة رقم 176؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 26405؛ مسند احمد رقم 14117، 14349، 15103؛ مسلم رقم 107-2222، 108-2222، 109-2222؛ شرح مشکل الآثار رقم 783؛ ابن حبان رقم 6128)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''غُول کی کوئی حقیقت نہیں ہے''۔

تشریح جس طرح ہمارے ہاں جن بھوت سے خوف کھایا جاتا ہے، اسی طرح عرب لوگ ''غول'' سے خوف محسوس کرتے تھے۔ حدیث شریف میں اللہ کے بجائے ''غول'' سے خوف کھانے کے عقیدے کو باطل قرار دیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچانا یا نقصان پہنچانا غول یا ایسے ہی کسی دوسرے حقیقی یا خیالی جانور کے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ جب کسی جنگل یا بیابان وغیرہ سے گزرتے یا رات بسر کرتے، تو وہاں جا کر یہ صدا لگاتے: ''ہم اس وادی کے جن کی پناہ مانگتے ہیں''۔ اس طرح وہ یہ سمجھتے کہ اب یہاں ہمیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

اس کی وضاحت اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے:

حدیث 158: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الشَّامِيُّ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ خُرَيْمُ بْنُ فَاتِكٍ لِعُمَرَ بْنِ

الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَلَا أُخْبِرُكَ كَيْفَ كَانَ بُدُوُّ إِسْلَامِي؟". قَالَ: "بَلَى". قَالَ: "بَيْنَمَا أَنَا أَطُوفُ فِي طَلَبِ نَعَمٍ لِي إِذَا أَنَا مِنْهَا عَلَى أَثَرٍ إِذْ أَجَنَّنِي اللَّيْلُ بِأَبْرَقِ الْعَزَّافِ، فَنَادَيْتُ بِأَعْلَى صَوْتِي: "أَعُوذُ بِعَزِيزِ هٰذَا الْوَادِي مِنْ سُفَهَاءِ قَوْمِهِ". فَإِذَا هَاتِفٌ يَهْتِفُ:

وَيْحَكَ عُذْ بِاللهِ ذِي الْجَلَالِ ... وَالْمَجْدِ وَالنَّعْمَاءِ وَالْأَفْضَالِ
وَاقْتَرِ آيَاتٍ مِنَ الْأَنْفَالِ ... وَ وَحِّدِ اللهَ وَلَا تُبَالِ

قَالَ: فَذُعِرْتُ ذُعْرًا شَدِيدًا، فَلَمَّا رَجَعْتُ إِلَى نَفْسِي قُلْتُ:

يَا أَيُّهَا الْهَاتِفُ مَا تَقُولُ ... أَرَشَدٌ عِنْدَكَ أَمْ تَضْلِيلُ
بَيِّنْ لَنَا هُدِيتَ مَا الْحَوِيلُ

قَالَ:

هَذَا رَسُولُ اللهِ ذِي الْخَيْرَاتِ ... بِيَثْرِبَ يَدْعُو إِلَى النَّجَاةِ
يَأْمُرُ بِالصَّوْمِ وَبِالصَّلَاةِ ... وَيَنْزِعُ النَّاسَ عَنِ الْهَنَاتِ

قَالَ: فَاتَّبَعْتُ رَاحِلَتِي، فَقُلْتُ:

أَرْشِدْنِي رُشْدًا هُدِيتَ ... لَا جُعْتَ وَلَا عُرِّيتَ
بَرِحْتَ سَعِيدًا مَا بَقِيتَ ... وَلَا تُؤْثِرَنَّ عَلَى الْخَيْرِ الَّذِي أُتِيتَ

قَالَ: فَاتَّبَعَنِي وَهُوَ يَقُولُ:

صَاحَبَكَ اللهُ وَسَلَّمَ نَفْسَكَا ... وَبَلَغَ الْأَهْلَ وَأَدَّى رِحْلَكَا
آمِنْ بِهِ أَفْلَحَ رَبِّي حَقَّكَا ... وَانْصُرْهُ أَعَزَّ رَبِّي نَصْرَكَا

قَالَ: فَدَخَلْتُ الْمَدِينَةَ، وَذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَاطَّلَعْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: "ادْخُلْ رَحِمَكَ اللهُ، فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنَا إِسْلَامُكَ". قُلْتُ: "لَا أُحْسِنُ الطُّهُورَ". فَعَلَّمَنِي، فَدَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ كَأَنَّهُ الْبَدْرُ وَهُوَ يَقُولُ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ صَلَّى صَلَاةً يَحْفَظُهَا وَيَعْقِلُهَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ". فَقَالَ لِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:

"لَتَأْتِيَنَّ عَلَى هٰذَا الْبَيِّنَةَ أَوْ لَأُنَكِّلَنَّ بِكَ۔ فَشَهِدَ لِي شَيْخُ قُرَيْشٍ، عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَأَجَازَ شَهَادَتَهُ۔

(معجم کبیر طبرانی رقم 4165، 4166؛ مستدرک حاکم رقم 6607؛ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۳؛ ھواتف الجنان لابن أبي الدنيا رقم 94؛ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ: مجمع الزوائد رقم 13915؛ جمع الجوامع 20/ 320/ 11؛ کنز العمال رقم 37042)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت خُریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: ''اے امیر المؤمنین! کیا میں آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے اسلام لانے کا واقعہ نہ بتاؤں؟''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ضرور بتائیں''۔ حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ایک دفعہ میرے کچھ اُونٹ گم ہو گئے، میں اُن کی تلاش میں نکلا، ''أَبْرَقُ الْعَزَّافِ'' کے مقام پر رات آ گئی۔ میں نے (دورِ جاہلیت کے دستور پر) اونچی آواز سے کہا: ''میں اس وادی کے سردار کی اس کی قوم کے بیوقوف اور شرارتی لوگوں سے پناہ مانگتا ہوں''۔ جونہی میں نے یہ الفاظ بآوازِ بلند پکارے، تو جواب میں اچانک ایک آواز آئی:

وَيْحَكَ عُذْ بِاللهِ ذِي الْجَلَالِ ... وَالْمَجْدِ وَالنَّعْمَاءِ وَالْأَفْضَالِ

وَاقْتَرِ آيَاتٍ مِنَ الْأَنْفَالِ ... وَ وَحِّدِ اللهَ وَلَا تُبَالِ

ترجمہ افسوس! تیرے حال پر! اللہ ذوالجلال کی پناہ مانگ، جو بزرگی والا، نعمتیں عطا کرنے والا، اور فضل فرمانے والا ہے۔ تُو سورت انفال کی آیات کو پڑھ لے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کر۔ اور کسی قسم کا غم نہ کر۔

یہ سن کر میں تو حواس باختہ ہو گیا۔ پھر جب کچھ دیر کے بعد میرے ہوش و حواس بحال ہوئے، تو نے اس کے جواب میں کہا:

يَا أَيُّهَا الْهَاتِفُ مَا تَقُولُ ... أَرَشَدٌ عِنْدَكَ أَمْ تَضْلِيلُ

بَيِّنْ لَنَا هُدِيتَ مَا الْحَوِيلُ

ترجمہ اے پکارنے والے! جو کچھ تُو کہہ رہا ہے، کیا تیرے پاس کوئی نیکی کی بات ہے، یا گمراہی کی بات کر رہے ہو؟''۔ اس کو ہمارے لیے وضاحت سے بیان کرو، جس کی

تجھے ہدایت ملی ہے اور تُو حوالہ دے رہا ہے۔
جواب میں ہاتفِ غیبی نے یہ بات کہی:

هَذَا رَسُولُ اللهِ ذِي الْخَيْرَاتِ ... بِيَثْرِبَ يَدْعُو إِلَى النَّجَاةِ
يَأْمُرُ بِالصَّوْمِ وَبِالصَّلَاةِ ... وَيَنْزِعُ النَّاسَ عَنِ الْهَنَاتِ

ترجمہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ہے جو بھلائیوں والے ہیں۔ یثرب (مدینہ منورہ) میں ہیں، اور لوگوں کو نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ روزہ اور نماز کا حکم دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کو پریشانیوں سے نکالتے ہیں۔

پھر میں اپنی سواری کے پاس آیا۔ پھر میں نے کہا:

أَرْشِدْنِي رُشْدًا هُدِيتَ ... لَا جُعْتَ وَلَا عُرِيتَ
بَرِحْتَ سَعِيدًا مَا بَقِيتَ ... وَلَا تُؤْثِرَنَّ عَلَى الْخَيْرِ الَّذِي أُتِيتَ

ترجمہ مجھے بھی اس رُشد و ہدایت کی راہنمائی فرما، جس کی تجھے ہدایت عطا ہوئی ہے۔ اللہ تجھے بھوک و پیاس اور عریانی سے بچائے رکھے۔ تو اپنی ساری زندگی سعید و کامران رہے! تجھے جو ہدایت ملی ہے، اس پر تُو کسی چیز کو ترجیح نہ دے۔

پھر اُس نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا:

ــ صَاحَبَكَ اللهُ وَسَلَّمَ نَفْسَكَا ... وَبَلَغَ الْأَهْلَ وَأَدَّى رِجْلَكَا
آمِنْ بِهِ أَفْلَحَ رَبِّي حَقَّكَا ... وَانْصُرْهُ أَعَزَّ رَبِّي نَصْرَكَا

ترجمہ اللہ تیری حفاظت فرمائے اور تیری جان کو امن و سلامتی عطا فرمائے۔ اور تیرے گھر والوں کو تیرے اونٹ پہنچا دے گا۔ تُو اُس پر ایمان لے آ، میرا رب تیرے حق میں کامیاب کرے گا۔ تُو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کر، میرا رب تیری نصرت اور مدد کو عزت بخشے گا۔

حضرت خُریم بن فاتک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں اپنی سواری پر مدینہ منورہ پہنچا۔ یہ جمعہ کا روز تھا۔ پھر میں نے مسجد میں دیکھنا شروع کر دیا۔ تو میرے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مجھ سے کہنے لگے: ''مسجد میں داخل ہو جاؤ، اللہ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے! یقیناً آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر ہمارے پاس پہنچ چکی

ہے''۔ میں نے عرض کیا: ''میں طہارت کے مسائل اچھی طرح نہیں جانتا''۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے سکھا دیا۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ چودھویں کا چاند نُور برسا رہا ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے تھے: ''جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرے، پھر وہ نماز پڑھے، اس کے (فرائض، سنن اور آداب) کی رعایت کرے، تو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا''۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: ''اس حدیث پر کوئی گواہ لے آ، ورنہ میں تجھے سزا دوں گا''۔ اس پر میری گواہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو شہادت کو قبول فرمایا۔

25 تقدیر اور ستارے

1 سورج، چاند اور ستارے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے

آیت 25:۔ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ○ (النجم:۴۹)

ترجمہ اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے۔

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک کے وقت عرب کے لوگ بھی باقی جاہلی قوموں کی طرح بت پرستی اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے۔ اس وقت بعض قبائلِ عرب شعریٰ ستارے کو نفع نقصان جیسے اُمور کا مالک سمجھتے تھے۔ سورت النجم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں لات، منات اور عزیٰ بتوں کی مذمت فرمائی، وہاں ''شعریٰ'' ستارے کی ان الفاظ میں مذمت فرمائی: ''بے شک شعریٰ ستارے کا رب بھی اللہ ہی ہے''۔ یعنی جس طرح دوسری مخلوق کا رب اللہ ہے اور مخلوق رب نہیں ہو سکتی، اسی طرح شعریٰ بھی اللہ کی مخلوق ہے، جو خود رب نہیں بن سکتا۔

1 عراق میں جب بت پرستی کے ساتھ کواکب پرستی عام ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان باطل عقائد کی تردید کے لیے عراق میں مبعوث فرمایا۔ حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے بڑے حکیمانہ انداز میں قوم کو سمجھایا کہ طلوع و غروب ہونے والے ستارے، چاند اور سورج ہمارے رب نہیں ہو سکتے، نہ ہی ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں:

آیت 26:۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(الانعام:٦ ٧٦ تا ٧٩)

ترجمہ چنانچہ جب رات اس (حضرت ابراہیم علیہ السلام) پر طاری ہوئی تو اُنھوں نے ایک ستارا دیکھا، فرمانے لگے: ''یہ میرا رب ہے''۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولے: ''ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں''۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہنے لگے: ''یہ ہے میرا رب''۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمانے لگے: ''اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا''۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا، تو فرمانے لگے: ''یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے''۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پکار اُٹھے: ''اے برادرانِ قوم! میں اُن سب سے بیزار ہوں جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔

2 یمن میں قومِ سبا بھی کواکب پرستی میں مبتلا تھی، جس کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہُدہُد پرندے نے ان الفاظ میں دی:

آیت 27:۔ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ (النمل:٢٤)

ترجمہ میں نے دیکھا: ''وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے''۔ شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے اور انہیں شاہراہ سے روک دیا،

اس وجہ سے وہ یہ سیدھا راستہ نہیں پاتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت پر ملکہ سبا ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کی کواکب پرستی کو واضح الفاظ میں کفر قرار دیا ہے:

آیت 28:۔ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○
(النمل: ۴۳)

ترجمہ اس کو (ایمان لانے سے) جس چیز نے روک رکھا تھا وہ اُن معبودوں کی عبادت تھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی، کیونکہ وہ ایک کافر قوم سے تھی۔

3 اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیسے واضح الفاظ میں کواکب پرستی کی تردید کی ہے:

آیت 29:۔ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (حم سجدہ: ۳۷)

ترجمہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو، جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر حقیقت میں تم اُسی کی عبادت کرنے والے ہو۔

نشانیوں سے مراد یہ ہے کہ دن، رات کے آنے جانے، نیز سورج اور چاند کے طلوع و غروب پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور اس کے نتیجہ میں ہدایت کی راہ پر آنا چاہیے۔

2 لوگوں کی زندگیوں کے معاملات ستاروں کی گردش کے تابع نہیں، بلکہ تقدیر کے تابع ہیں۔

حدیث 159:۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ، وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا عَدْوَى، وَلَا هَامَةَ، وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ"

(مسلم رقم 106 - 2220؛ سنن ابی داؤد رقم 3912؛ احادیث اسماعیل بن جعفر رقم 274؛ مسند احمد

رقم 9165؛ احادیث اسماعیل بن جعفر رقم 274؛ مسند ابی یعلی رقم 6508؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9801، 9802، 9803 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ ابن حبان رقم 6133؛ شرح السنۃ بغوی رقم 3252)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں، نہ ہی ہامہ (اُلو) کی کوئی حقیقت ہے، نوء ستارہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں، نہ ہی صفر کا مہینہ منحوس ہے''۔

تشریح زمانۂ جاہلیت میں لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بارش ''نوء'' ستارے کے حکم سے برستی ہے۔ اگر نوء حکم نہ دے تو بارش نہیں برستی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدے کی تردید فرمائی ہے۔

3 زندگی، صحت، عزت، دولت، منصب، شریکِ حیات اور اولاد جیسی نعمتوں کو ستاروں کی گردش میں تلاش کرنا، یا ستاروں کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

حدیث 160:۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، قَالَ الْمُرَادِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، وَقَالَ الْآخَرَانِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَمْ تَرَوْا إِلَى مَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالَ: مَا أَنْعَمْتُ عَلَى عِبَادِي مِنْ نِعْمَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِهَا كَافِرِينَ. يَقُولُونَ الْكَوَاكِبُ وَبِالْكَوَاكِبِ".

(مسلم رقم 126 - 72؛ مسند احمد رقم 8739، 8811؛ سنن نسائی رقم 1524؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 1848، 10693؛ عمل الیوم واللیلۃ نسائی رقم 923؛ مساوئ الأخلاق للخرائطی رقم 743؛ الایمان لابن مندہ رقم 507؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 6451)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم نے غور کیا جو کچھ تمہارے رب نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے بندوں کو نعمت عطا فرمائی، تو

ان میں سے ایک گروہ نے اگلی صبح اس کا انکار کیا اور کہا: ''یہ نعمت ستاروں کے طفیل سے حاصل ہوئی ہے''۔

حدیث 161 :۔حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُو زُمَيْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: مُطِرَ النَّاسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ، قَالُوا: هٰذِهِ رَحْمَةُ اللهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَكَذَا". قَالَ: فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: {فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ} [الواقعة: 75]، حَتّٰى بَلَغَ: {وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ} [الواقعة: 82].

(مسلم رقم 127 - 73؛ معجم کبیر طبرانی رقم 12882؛ الإیمان لابن مندہ رقم 509؛ المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، لأبي نعيم، رقم 232؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 6452)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بارش ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کچھ لوگ تو مومن اور شاکر ہو گئے اور کچھ لوگ کافر ہو گئے۔ مومنوں نے کہا: ''یہ اللہ کی رحمت سے ہوئی ہے۔ کافروں نے کہا: ''نوء ستارے کی یہ یہ بات سچ ثابت ہو گئی''۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

آیت 30 :۔فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ○ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ○ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ○ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الواقعۃ: ۷۵ تا ۸۲)

ترجمہ پس میں قسم کھاتا ہوں! ستاروں کے گرنے کے ٹھکانوں کی، اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے، کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں ثبت۔ جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ پھر کیا اِس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو، اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو؟۔

4 ستاروں کا انسانوں کی قسمت پر اثر انداز ہونے کا عقیدہ شرک ہے۔

حدیث 162:۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟". قَالُوا: "اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ". قَالَ: "أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ".

(بخاری رقم 846، 1038، 4147، 7503؛ مسلم رقم 125-71؛ موطا مالک رقم 653/205؛ سنن نسائی رقم 1525؛ ابوداود رقم 3906؛ مسند احمد رقم 17035، 17049، 17061؛ مسند الإمام الشافعي (ترتيب سنجر) رقم 522؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 3030؛ ابن حبان رقم 188، 6132؛ التوحيد لابن مَنْدَه رقم 45؛ معرفة السنن والآثار رقم 7218)

ترجمہ حضرت زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی۔ اس رات آسمان سے بارش ہوئی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: "تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے بندوں میں سے کچھ تو مجھ پر ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا۔ جس نے یہ کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش برسائی ہے، تو وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور ستاروں کا انکار کیا۔ اور جس نے یوں کہا: بارش فلاں فلاں ستارے کی گردش سے نازل ہوئی، تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر ایمان لے آیا"۔

تشریح بارش کا نازل ہونا یا نہ ہونا تقدیر میں لکھا ہے۔ لہٰذا اُسے ستاروں سے منسوب کرنا

شرک ہے۔ بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی ستاروں کی گردش یا برجوں میں اپنی قسمت تلاش کرتے ہیں۔ فلاں برج والے آدمی کا دن کیسے گزرے گا، یا ہفتہ کیسے گزرے گا، یا مہینہ کیسے گزرے گا؟ یا فلاں آدمی کے ستارے گردش میں ہیں، اس پر زوال آنے والا ہے، یا فلاں آدمی کے ستارے فلاں برج میں ہیں، اُسے عروج ملنے والا ہے۔ بعض لوگ ستاروں کی گردش سے لکی (Lucky) نمبر، لکی رنگ، لکی پتھر، کاروبار، صحت، شریکِ حیات وغیرہ کی تلاش کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ جہالت اور عقیدے کی کمزوری ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ نجوم کے بارے میں قرآن وحدیث کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا؟ — وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

نہ ستارے میں، نے گردشِ افلاک میں ہے — تیری تقدیر، تیرے نالۂ بیباک میں ہے

5 ستاروں کی گردش کا حساب لگا کر غیب کی خبریں بتانے کا علم سیکھنا، جادو سیکھنے جیسا گناہ ہے۔

حدیث 163: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُسَدَّدٌ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْأَخْنَسِ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُومِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ"۔

(صحیح: سنن ابی داؤد رقم 3905؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 25646؛ مسند احمد رقم 2000، 2840؛ مسند عبد بن حمید رقم 714؛ ابن ماجہ رقم 3726؛ معجم کبیر طبرانی رقم 11278؛ الآداب للبیہقی رقم 342؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 16513؛ شعب الایمان رقم 4832؛ جامع بیان العلم وفضلہ رقم 1477)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے علمِ نجوم سیکھا، اس نے گویا جادو ہی کی ایک قسم سیکھی۔ اب جو جتنا زیادہ سیکھے گا، اتنا ہی زیادہ کرے گا''۔

6 کاہن یا نجومی کی پیش گوئیوں یا غیب کی خبروں پر یقین کرنے والا تعلیماتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے۔

حدیث 164:۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَوْفٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي خِلَاسٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَالْحَسَنِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَتَى كَاهِنًا، أَوْ عَرَّافًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ".

(حسن: مسند احمد رقم 9536؛ السنۃ لابی بکر بن الخلال رقم 1400؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 993؛ قال الحاكم: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِهِمَا جَمِيعًا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ سِيرِينَ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الذهبي أيضاً: على شرطهما: مستدرک حاکم رقم 15؛ مسند اسحاق بن راہویہ رقم 503؛ السنۃ لابی بکر بن الخلال رقم 1398؛ سنن الکبریٰ بیہقی رقم 16496؛ صَحِيح الْجَامِع: رقم 5939؛ الصَّحِيحَة: رقم 3387؛ صَحِيح التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيب: رقم 3044؛)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نجومی یا کاہن کے پاس آئے اور کی پیشین گوئی کو سچا جانے، تو اُس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ تعلیم کا کفر کیا''۔

7 کاہن یا نجومی سے آکر اپنی کوئی حاجت بیان کرنے والے کی چالیس (40) دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

حدیث 165:۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ صَفِيَّةَ، عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً".

(مسلم رقم 125 - 2230؛ مسند احمد رقم 16638، 23222؛ أبو نعيم في "الحلية" 407-406/10؛ تاريخ أصبهان لأبي نعيم 236/2؛ السنۃ لابی بکر بن الخلال رقم 1402؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 9864 (الجامعۃ الاسلامیہ)؛ الإبانة الكبرى لابن بطة رقم 995؛

سنن الکبریٰ بیہقی رقم 16510؛ مشکوٰۃ رقم 4595)

ترجمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نجومی کے پاس آیا، اور اُس کے سامنے اپنی حاجت پیش کی، اس کی چالیس (40) رات تک نماز قبول نہیں ہوگی''۔

8 نجومی لوگوں کو اپنے پاس سے گھڑ کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

حدیث 166:۔حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: إِنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا قَضَى اللهُ الأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ المَلاَئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: "مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟". قَالُوا لِلَّذِي قَالَ: "الحَقَّ، وَهُوَ العَلِيُّ الكَبِيرُ". فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ، وَمُسْتَرِقُ السَّمْعِ هَكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ - وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَفَهَا، وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ - فَيَسْمَعُ الكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلَى مَنْ تَحْتَهُ، ثُمَّ يُلْقِيهَا الآخَرُ إِلَى مَنْ تَحْتَهُ، حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلَى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا، وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ، فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا: كَذَا وَكَذَا، فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الكَلِمَةِ الَّتِي سَمِعَ مِنَ السَّمَاءِ"۔

(بخاری رقم 4800، 4701، 7481؛ ترمذی رقم 3223؛ ابوداؤد رقم 3989؛ ابن ماجہ رقم 194؛ ابن حبان رقم 36؛ الأسماء والصفات للبیہقی رقم 431)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم صادر فرماتے ہیں، تو فرشتے اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر اپنے پروں کو گھبراہٹ کی وجہ سے پھڑ پھڑاتے ہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا فرمان اس طرح

(واضح طور پر) سنائی دیتا ہے جس طرح کسی چٹان پر زنجیر مارنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جب فرشتوں کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے، تو (دور والے) فرشتے (نزدیک والے فرشتوں سے) پوچھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟''۔ (نزدیک والے) فرشتے کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے سچ ہی ارشاد فرمایا ہے، اور وہ ذات بالاتر ہے، کبریائی والی ہے''۔ فرشتوں کی اِس گفتگو سے چوری چھپے سُن گن لینے والے شیطان (جنات) کوئی ایک بات لے اُڑتے ہیں، جو ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اوپر والا شیطان اپنے سے نیچے والے کو وہ بات بتاتا ہے، اور وہ اپنے سے نیچے والے کو، یہاں تک کہ وہ بات جادوگر یا کاہن تک آ پہنچتی ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ فرشتے شیطان پر آگ کا کوڑا برساتے ہیں، اور وہ بات چرانے سے پہلے ہی جل جاتا ہے، لیکن کبھی وہ آگ کا کوڑا برسنے سے پہلے ہی اپنی بات نیچے والے شیطان کو بتا چکا ہوتا ہے (اور یوں وہ بات کاہن تک پہنچ جاتی ہے)۔ جادوگر یا کاہن اس ایک بات میں سو (100) جھوٹی باتیں شامل کر کے لوگوں کو بتاتا ہے، اور لوگ اس ایک سچی بات کی وجہ سے کہتے ہیں: ''دیکھو! اس نے فلاں فلاں دن تم سے فلاں فلاں بات کہی تھی۔ اس ایک بات کی وجہ سے جو شیطان نے آسمان سے چرائی تھی، لوگ اس کاہن پر اعتماد کرنے لگتے ہیں''۔

9 سورج، چاند اور ستاروں کا زندگی اور موت جیسے اُمور سے کوئی تعلق نہیں

حدیث 167:۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُصْعَبٌ وَهُوَ ابْنُ الْمِقْدَامِ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ، وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: قَالَ زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، يَقُولُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا

لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوا حَتّٰى تَنْكَشِفَ"۔

(مسلم رقم 29 - 915؛ بخاری رقم 1043، 1060، 6199، ؛ مسند احمد رقم 18142، 18178، 18218؛ ابن حبان رقم 2827؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 729؛ مصنف ابن ابی شیبہ رقم 8324)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن لگا، اور اِسی روز حضرت ابراہیم بن محمد رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ انھیں کسی کی زندگی (یعنی پیدائش) یا موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ پس جب تم انھیں گرہن کی حالت میں دیکھو، تو اللہ تعالیٰ سے (مغفرت کی) دعا کرو، نماز ادا کرو، یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے''۔

26 تقدیر اور علم الاعداد

1 کاہنوں اور نجومیوں کے خطوط، حروف اور اعداد سے بنائے ہوئے زائچے کسی کی تقدیر بنا سکتے ہیں، نہ بگاڑ سکتے ہیں۔

حدیث 168:۔ عَنْ مُعَاوِيَة بن الحكم قَالَ: قُلْتُ: "يَا رَسُولَ اللهِ! أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ"۔ قَالَ: "فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ"۔ قَالَ: قُلْتُ: "كُنَّا نَتَطَيَّرُ"۔ قَالَ: "ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يصدَّنَّكم"۔ قَالَ: قُلْتُ: "وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّونَ"۔ قَالَ: "كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ"۔ رَوَاهُ مُسْلِم۔

(مشکوٰۃ رقم 4592؛ مسلم رقم 33 - 537، 121، 537 - 121؛ مسند ابی داؤد طیالسی رقم 1201؛ مسند احمد رقم 23767؛ ابوداؤد رقم 930، 3909؛ سنن کبریٰ نسائی رقم 1142؛ سنن نسائی رقم 1218؛ صحیح ابن خزیمہ رقم 859؛ مستخرج ابی عوانہ رقم 1727، 1728؛ ابن حبان رقم 2247، 2248؛ معجم کبیر طبرانی 19 / رقم 943، 944؛ سنن صغیر بیہقی رقم 888؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم 3351، 16509؛ شرح السنۃ بغوی رقم 726)

ترجمہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم جاہلیت میں کچھ کام کرتے تھے۔ ہم کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو''۔ میں نے عرض کیا: ''ہم پرندوں سے فال لیا کرتے تھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تمہارا وہم تھا، اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو''۔ میں نے عرض کیا: ''ہم میں سے کچھ لوگ خط کھینچا کرتے تھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پہلے زمانے میں ایک نبی نے کچھ خط کھینچے تھے، پس جس کا خط ان کے موافق ہوگیا''۔

تشریح پرانے زمانے میں عامل ریت پر کچھ خطوط اور نشانات بنا کر پیش گوئیاں کرتے اور اسے علمِ رمل کا نام دیتے تھے۔ آج کل عامل وہی خطوط اور ہندسے کاغذ پر بنا کر پیش گوئیاں کرتے ہیں اور اسے علم الاعداد کا نام دیتے ہیں۔ موجودہ دور میں حروف، ہندسوں اور خطوط کے ذریعے زائچے بنا کر غیب کی خبریں بتانے کا علم صریحاً باطل اور شرک ہے۔

2 زائچے وغیرہ بنا کر غیب کی چیزیں بتانے والوں کی باتیں نا قابلِ اعتبار ہیں

حدیث169:۔حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ح وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: سَأَلَ أُنَاسٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الكُهَّانِ، فَقَالَ: "إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ". فَقَالُوا: "يَا رَسُولَ اللهِ! فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا". قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تِلْكَ الكَلِمَةُ مِنَ الحَقِّ يَخْطَفُهَا الجِنِّيُّ، فَيُقَرْقِرُهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ، فَيَخْلِطُونَ فِيهِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ".

(بخاری رقم 7561، 5762، 6213؛ مسلم رقم 122 - 2228، 123 - 2228؛ مسند احمد رقم 24570؛ ابن حبان رقم 6136؛ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ: مشکوٰۃ رقم 4593)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بعض لوگوں نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''کاہن کچھ نہیں''۔ انھوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! ان کی بعض باتیں سچی بھی نکل آتی ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شیطان ایک آدھ بات سُن لیتا ہے اور مرغی کی طرح قر قر کر کے اپنے دوستوں کے کانوں میں ڈالتا ہے، اور وہ اس میں سو (100) جھوٹ ملا دیتے ہیں''۔

حدیث 170:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ: وَهُوَ السَّحَابُ، فَتَذْكُرُ الْأَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ، فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِينُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهُ، فَتُوحِيهِ إِلَى الْكُهَّانِ، فَيَكْذِبُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ"۔ (بخاری رقم 3210، 3288؛ مشکوٰۃ رقم 4594)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''فرشتے فضائے آسمانی یعنی بادلوں میں اترتے ہیں، وہاں آسمان میں طے شدہ امر کا تذکرہ کر دیتے ہیں، وہاں شیاطین چوری چھپے کچھ باتیں سُن لیتے ہیں، پھر وہ کاہنوں کو بتلا دیتے ہیں، کاہن اس میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہیں''۔

تمت بالخیر

اسی پر اختتام کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔ اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

اعجاز احمد اشرفی عفی عنہ

بدھ 30 جمادی الاوّل 1440ھ، مطابق 6 فروری 2019ء

نظرِ ثانی ہفتہ 22 صفر المظفر 1442ھ/10 اکتوبر 2020ء











